برف کے آنسو
نازیہ کنول نازی
WWW.PAKSOCIETY.COM

یادوں کے یہ جگنو میری آنکھوں میں نظر بند
دیکھ مرے آنسو مری آنکھوں میں نظر بند
چہرے کا وہ اک پھول ہے اب تک تر و تازہ
اب تک ہے وہ خوشبو مری آنکھوں میں نظر بند

آنچل تیری یادوں کا بھگو دیتی ہے بارش
سوچوں پر جمی گرد کو دھو دیتی ہے بارش
ہنس ہنس کے سناتی ہے جہاں بھر کے فسانے
پوچھوں تیرے بارے میں تو رو دیتی ہے بارش
لگتے ہیں پیارے میری آنکھوں کو یہ منظر
حیرت میرے احساس کو وہ دیتی ہے بارش
یادوں کی مہک ہو یا تیرے ہجر کے طعنے
چپ چاپ میں رکھ لیتا ہوں جو دیتی ہے بارش
مجھ پر تو جو کرتی ہے سو کرتی ہے عنایت
موتی تیرے بالوں میں پرو دیتی ہے بارش

شام ڈھل رہی تھی۔ علینہ نے ہلکے سے عائزہ کے کمرے کا دروازہ پش کیا پھر دبے پاؤں اندر چلی آئی۔ سامنے ہی وہ بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے روئے جارہی تھی۔

"عائزہ......" بنا اس کی حالت کی پروا کیے اس نے بہت اپنائیت سے اسے پکارا مگر عائزہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا وہ اب بھی ویسی ہی لاتعلق بیٹھی رو رہی تھی۔ تبھی وہ اس کے قریب آ بیٹھی۔

"تمہیں بڑے ابو بلا رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں آنا۔" اس بار اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ خوب صورت غلافی آنکھیں مسلسل رونے سے سرخ ہو رہی تھیں علینہ بے ساختہ نظر چرا گئی۔

"پاگل پن کا مظاہرہ مت کرو عائزہ! اس وقت گھر کے سب بزرگ بڑے ابو کے کمرے میں بیٹھے ہیں تمہارے انکار سے ابو کی کتنی سبکی ہوگی یہ سوچا ہے تم نے؟"

"اور جو میرے جذبات کی سبکی ہو رہی ہے اس کا کسی کو کوئی خیال نہیں، تم مجھے بتاؤ کیا میں انسان نہیں ہوں' کیا میرے سینے میں دل نہیں ہے' کیا میں اپنی مرضی سے کسی کو نہیں چاہ سکتی جب میرا مذہب مجھے پسند کی اجازت دیتا ہے تو یہ لوگ کیوں زبردستی قربان کر رہے ہیں مجھے؟ تمہیں کیا لگتا ہے صرف مٹی میں دبا دینا ہی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ہوتا ہے نہیں...... ان کی خوشیاں' ان کی خواب' ان کی خواہشات ان سب کی پامالی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔" اب وہ کھل کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ علینہ نے آہستہ سے رخ پھیر لیا۔

"میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں مگر بہتر ہوگا کہ تم بڑے ابو سے خود جا کر بات کرلو۔"

"ٹھیک ہے' اگر تم سب نے یہ طے کرلیا ہے کہ تم ساحل پر کھڑے ہو کر میرے ڈوبنے کا تماشہ دیکھو گے تو میں خود ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلیتی ہوں۔" قطعی غصے اور تلخی سے کہتے ہوئے اگلے ہی پل وہ بیڈ سے اٹھی۔ علینہ بے ساختہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

کتنا خوشحال اور خوب صورت گھرانہ تھا اس کا' بالکل کسی جنت کی مثال مگر اب جیسے اسی جنت میں ان کی سانسیں گھٹنے لگی تھیں۔ جانے کس کی بدنظری کا شکار ہوگیا تھا یہ گھر کہ آنے والا ہر دن ایک نئی آزمائش لیے طلوع ہوتا تھا۔ دو ایکڑ پر بنے اس شاندار گھر میں تین گھرانے آباد تھے۔ اعظم صاحب' جن کے تین بیٹے تھے' ریان' اذہان اور زیان۔ ان کی بیگم آسیہ ایک صابر شکر اور بے حد متحمل مزاج خاتون تھیں۔

اعظم صاحب کے بعد مرینہ بیگم کا نمبر آتا تھا جو شادی کے محض اڑھائی سال بعد ایک عدد بیٹے کے ساتھ اپنے خاوند سے جھگڑ کر بھائیوں کے پاس آ بیٹھی تھیں' انہیں شکایت تھی کہ ان کے شوہر صرف اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا خیال کرتے ہیں ان کا نہیں۔ اعظم صاحب اور ان کے والد نے کئی بار یہ مسئلہ سلجھانے کی کوشش کی تھی مگر بات نہ بن سکی اور اب اسی ایک معمولی سے جھگڑے نے مرینہ بیگم کی زندگی کے پچیس سالوں کو نگل لیا تھا۔ مرینہ بیگم کے بعد معظم صاحب تھے جن کی دو بیٹیاں تھیں عائزہ اور علینہ...... دونوں بے حد خوب صورت اور ذہین و فطین تھیں تاہم دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

عائزہ اگر شعلہ تھی تو علینہ شبنم۔ عائزہ کی فطرت میں ضد اور خودسری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی' کسی بھی غلط بات پر اسے قائل کرنا' دودھ کی نہر کھودنے کے مترادف تھا تاہم علینہ صبر کرنے والی صلح جو لڑکی تھی۔ دونوں کی عمروں میں ڈیڑھ سال کا فرق تھا' دونوں فائنل ایئر کے آخر میں تھیں جب اعظم صاحب نے اپنے بیٹے ریان کے لیے اس کی پسند پر علینہ کا رشتہ اس کے ساتھ طے کردیا علینہ اذہان کو پسند کرتی تھی کیونکہ ریان کی خشک مزاجی اسے کبھی بھی پسند نہیں رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے چپ چاپ بڑوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔ شگفتہ بیگم جو معظم صاحب کی زوجہ تھیں کافی خشک اور سخت مزاج کی خاتون تھیں' یہی وجہ تھی کہ ان کی دونوں بیٹیاں کبھی ان کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکی تھیں۔

علینہ کی شادی کو دو سال ہونے کو آئے تھے قدرت نے اسے شادی کے ایک سال بعد بے حد خوب صورت بیٹے جیسی نعمت سے بھی نواز دیا تھا مگر پھر بھی اس کی زندگی طوفان کی نذر ہوگئی تھی۔ اس کا شوہر ریان بنا گھر میں کسی کی پروا کیے کسی اور شادی شدہ لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوگیا تھا اور اب ہر قیمت پر اس سے شادی رچانا چاہتا تھا۔

ابھی یہ مسئلہ حل بھی نہ ہوا تھا کہ اعظم صاحب اور معظم صاحب کے بے حد قریبی دوست اللہ وسایا صاحب نے اذہان کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ کا کہہ دیا۔ اللہ وسایا صاحب سے ان کے خاندانی مراسم تھے' قدم قدم پر انہوں نے ان دونوں بھائیوں کی مدد کی تھی۔ وہ ان کے محسن تھے' لہٰذا ان سے رشتہ داری ان دونوں بھائیوں کے لیے ہی بے حد خوشی کا باعث تھی مگر...... بھلا ہو اذہان کا کہ اس نے عین ٹائم پر اس رشتے کے لیے صاف جواب دے دیا' وہ کالج سے فارغ ہوچکا تھا اور اب اس کا ارادہ مزید تعلیم کے لیے باہر جانے کا تھا۔ شادی ابھی اس کے پروگرام میں کہیں نہیں تھی لہٰذا کئی روز کے جھگڑوں کے بعد بلآخر اعظم صاحب کو ہار تسلیم کرنی پڑی کہ اپنے ایک فیصلے پر وہ پہلے ہی بہت شرمندہ تھے۔ اُدھر اللہ وسایا صاحب نے ان کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے بنا کسی بات کا برا منائے اپنی بیٹی کی جگہ بیٹے کا رشتہ لے آئے کہ ان کا مقصد صرف آپس کے رشتوں کو مضبوط کرنا تھا اور اس بار دونوں بھائیوں نے بنا کسی چوں چراں آپس میں مشورہ کرکے فوری رشتہ طے کردیا تھا۔ دونوں کی بیگمات کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا تاہم جب عائزہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے طوفان اٹھا دیا اور اب یہ گھر اسی طوفان کی زد میں تھا۔

❁......❁......❁

دوپٹہ اچھی طرح سر پر سیٹ کرکے وہ اعظم صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' آؤ بیٹھو۔" اس کے آہستہ سے سلام کرنے پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ ان کے سامنے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ اعظم صاحب نے ایک نظر معظم صاحب اور ان کی اہلیہ پر ڈالی پھر اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"عائزہ بیٹی! اس گھر کا بڑا ہونے کے ناتے بہت سی ذمہ داریاں مجھ پر عائد ہوتی ہیں۔ انہی ذمہ داریوں میں ایک سب سے بڑی ذمہ داری اس گھر کے بچوں کی شادی بیاہ کی ہے۔ تم جانتی ہو اس وقت سارا گھر ریان والے معاملے کی وجہ سے بہت پریشان ہے اسی لیے میں نہیں

چاہتا کہ اس گھر میں مزید کوئی بدمزگی ہو۔ اللہ وسایا بھائی بہت اچھے ہیں اور ان کا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں اسی لیے میں نے اور معظم نے اس رشتے کی حامی بھری۔"

"ایک منٹ بڑے ابو۔" اعظم صاحب کی بات ابھی جاری تھی کہ اس نے ایک دم سے انہیں ٹوک دیا۔

"آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر اس رشتے کی ہامی کیوں بھری کیا میں آپ کی اولاد نہیں تھی۔ علینہ کی طرح آپ نے سوچا کہ میں بھی چپ چاپ آپ کے فیصلے پر سر جھکا دوں گی مگر ایم سوری میں علینہ نہیں ہوں۔ دوسری بات مجھے اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ اللہ وسایا انکل اور ان کا بیٹا اچھے نہیں ہیں یقیناً وہ بہت اچھے ہوں گے مگر میرا مسئلہ ان کی اچھائی یا برائی نہیں ہے۔ میرا مسئلہ ان کی دیہی زندگی ہے آپ جانتے ہیں میں نے بچپن سے اب تک نہایت عیش و عشرت والی زندگی گزاری ہے میں اسی زندگی کی عادی ہوں میری فطرت میں تھرل ہے زندگی میں ایڈونچرز کی شوقین ہوں۔ یہ ایک الگ بات ہے محض چند دنوں کے لیے کسی دیہات میں جانا اور وہاں رہ کر آنا ایک الگ بات ہے مگر ساری زندگی وہاں جانوروں کی طرح عمر پوری کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے بلکہ میں کہوں گی ناممکن ہے اور تیسری بات..... زندگی میری ہے اسے میں نے بسر کرنا ہے میرے ماں باپ نے نہیں لہٰذا بہتر ہوتا اگر ہاں کرنے سے پہلے آپ ایک بار مجھ سے بھی پوچھ لیتے کیونکہ بیٹا نہ سہی مگر بہرحال میں بھی اسی گھر کی بیٹی ہوں۔" اس کا لہجہ قطعی بے لچک تھا۔

اعظم صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا جبکہ معظم صاحب اور باقی لوگ جیسے حیرانی سے گنگ رہ گئے تھے۔ وہ اتنی بدتمیز ثابت ہو گی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے عائزہ کمرے سے نکل چکی تھی۔

"دیکھ لیا معظم! ہماری آج کی نسل ہمیں بتا رہی ہے کہ زندگی کیسے بسر کی جاتی ہے۔" عائزہ کے وہاں سے جانے کے بعد اعظم صاحب، معظم صاحب کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کے چہرے پر غصے کے ساتھ ساتھ شرمندگی کی سرخی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتے شگفتہ بیگم بول اٹھیں۔

"معافی چاہتی ہوں بھائی صاحب کہ عائزہ نے میری اتنی سخت تربیت کے باوجود آج میرا اور معظم کا سر شرم سے جھکا دیا ہے مگر میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں عائزہ جیسی بدتمیز اور احمق بیٹی کی وجہ سے آپ کا اور ان کا سر مزید نہیں جھکنے دوں گی آپ رسم کے لیے مہمانوں کو بلائیں عائزہ سے اب میں خود ہی بات کرلوں گی۔"

"نہیں شگفتہ! میں بچوں کے ساتھ زبردستی کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"بات زبردستی کی نہیں اس کی خوشیوں کی ہے بھائی صاحب! جہاں تک میں جانتی ہوں زعیم بہت اچھا آئیڈیل لڑکا ہے۔ یہ تو اللہ وسایا بھائی کی محبت ہے جو انہوں نے آگے بڑھ کر ہم سے رشتے کی بات کی ورنہ زعیم جیسے قابل لڑکوں کے لیے تو لڑکی والوں کی لائنیں لگی ہوتی ہیں آپ پلیز اس کی نادانی پر مت جائیں اسے بچپن سے ہر معاملے میں اکڑنے کی عادت ہے آپ بسم اللہ کریں پلیز......"

"لیکن اگر اذہان کی طرح اس نے بھی شدید ردعمل دکھایا تو؟"

"ایسا نہیں ہوگا میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔" وہ مطمئن تھیں۔ اعظم صاحب ٹھنڈی سانس بھر کر اثبات میں سر ہلا گئے جبکہ آسیہ بیگم اور ان کی نند مرینہ دونوں تا حال چپ سادھے بیٹھی تھیں۔

❀......❀......❀

فرصت ہی نہیں ملتی
ہم بیٹھ لیں کچھ گھڑیاں
بیتے ہوئے موسم کی یادوں کی کوئی کھڑکی
کھولیں تو ہوا آئے
اندر کا کوئی پنچھی نظموں میں کہیں چہکے
کچھ خواب تھکے ہارے بے چین سے بیٹھے ہیں

رکتے ہی نہیں پل بھر
رک جائیں تو نظمیں ہوں
وہ صبح نہیں آئی جب نور سے جل تھل ہوں
بے نوری یہ آنکھیں......
اک شوق کی حدت ہو جو عمر ہتھیلی میں
بے فیض لکیروں سے آگے کہیں لے جائے
دنیا کے جھمیلوں سے فرصت ہمیں مل جائے

اس روز بہت دنوں کے بعد وہ لائبریری آئی تھی۔ ہلکی ہلکی دھوپ میں سرد ہواؤں کا سلسلہ جاری تھا تو وہ گاڑی پارک کرنے کے بعد لائبریری کے لان کی طرف آئی تو پہلی نظر وہاں پلر سے ٹیک لگائے بیٹھے سندان حسن پر پڑی، ہلکی ہلکی شیو کے ساتھ قدرے رف حلیے میں ملبوس وہ قیس کا کوئی جانشین ہی دکھائی دے رہا تھا عائزہ کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"عائزہ......" وہ اس سے نظر چرا کر لائبریری کی سیڑھیاں کراس کر رہی تھی جب وہ دور سے ہی اسے دیکھتے ہوئے فوراً قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام، کیسے ہو؟"

"پتا نہیں، تم کیسی ہو؟"

"پتا نہیں۔" بناء اس کی طرف دیکھے اس نے اسی کی ٹون میں جواب لوٹایا تھا، وہ مسکرا دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا حال بھی مجھ سے مختلف نہیں۔"

"شاید۔"

"چلو ادھر آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اگلے ہی پل بے نیازی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ اسے لائبریری کے لان میں لے آیا تھا۔ اردگرد مختلف انواع و اقسام کے رنگارنگ کھلے پھول بھی ان دونوں کی توجہ سمیٹنے سے قطعی لاچار دکھائی دے رہے تھے، وہ گھاس پر عائزہ کے مقابل ٹک گیا۔

"اب بتاؤ، کیا بات ہے، کتنے دن ہو گئے لائبریری بھی نہیں آ رہیں، نمبر بھی مسلسل بند ہے یہ گریز کیوں عائزہ؟"

"میں مصروف تھی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ عائزہ کی پلکیں لرزنے لگیں تھیں۔

""مصروفیت تمہیں مجھ سے غافل نہیں کر سکتی جو اصل بات ہے وہ بتاؤ' پلیز۔"

""اصل بات بھی یہی ہے کہ میں مصروف تھی' بس۔"

""کیسی مصروفیت۔" اس کے چڑنے پر اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تو عائزہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

""گھر والے میرا رشتہ طے کر رہے ہیں۔" بھرائی آواز میں اس نے اطلاع دی۔

""وہاٹ......؟" سندان کی سماعتوں پر جیسے بم پھٹ پڑا تھا۔

""ہوں......ایک قطعی دیہاتی' ان پڑھ جاہل' کھیتوں میں ہل چلانے والے پینڈو کسان سے' جو پاس آ کر بیٹھے تو اس کے پسینے کی بدبو سے ابکائی آنے لگی۔ جسے سوائے بچوں کی لائن لگانے کے دوسری کسی بات کا پتا بھی نہ ہو اور پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل اس کا کنبہ جس کی روٹیاں پکاتے پکاتے بندہ ذہیں چولہے پر گر کر بے ہوش ہو جائے۔ اس شخص کے ساتھ میرے گھر والے جان بوجھ کر میرا نصیب پھوڑنے جا رہے ہیں اور میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پا رہی۔" وہ رو رہی تھی۔ سندان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

""کیوں نہیں کر پا رہیں تم کچھ' تم اچھی طرح جانتی ہو عائزہ! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

""میں جانتی ہوں میرے گھر والے نہیں جانتے۔"

""تو کیا ہوا' میں آج ہی تمہارے پاپا سے مل لیتا ہوں۔"

""نہیں...... مجھے اپنے گھر والوں کے ہاتھوں تمہاری بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں۔"

""یار بھاڑ میں گئی میری بے عزتی' وہ اٹھا کر سڑک پر بھی پھینک دیں تب بھی اف نہیں کروں گا۔ تم جانتی ہو جتنا میں تمہارے لیے پوزیسو ہوں۔"

""ہوں' مگر پھر بھی ابھی احتیاط کی ضرورت ہے میں اپنے گھر والوں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتی کہ میں تمہاری وجہ سے انکار کر رہی ہوں۔"

""ٹھیک ہے مگر یہ یاد رکھنا میرے زندہ ہوتے ہوئے میرے سامنے تم کسی اور کی کبھی نہیں ہو سکتیں' چاہے وہ ریاست کا وزیر ہی کیوں نہ ہو۔"

""جانتی ہوں' اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔"

""ان شاء اللہ' اب سیل آف نہیں رکھنا' میں تمہارے ساتھ ہوں عائزہ!" اس بار اس نے اپنا مضبوط ہاتھ عائزہ کے سرد ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ وہ پلکیں اٹھاتے ہوئے آہستہ سے مسکرا دی۔

""مجھے یقین ہے سندان! چاہے کتنا ہی کٹھن وقت کیوں نہ ہو' ہمارا ساتھ کبھی نہیں چھوٹ سکتا۔"

""ان شاء اللہ! چلو اب اچھا سا لنچ کرتے ہیں' پورے تین دن سے پیٹ کے ساتھ دشمنی کر رکھی ہے۔"

""ہاں' چلو۔" بناء کسی ہچکچاہٹ کے ہمیشہ کی طرح وہ فوری راضی ہو گئی تھی۔ سندان ایک نظر کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر ڈالتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

❁......❁......❁
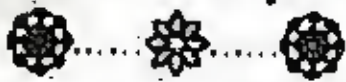
""زعیم......" وہ ابھی جیپ اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ کلیم بھائی کی آواز نے اسے روک لیا۔ سورج دن بھر کی تمازت کے بعد اپنی تھکی ہاری کرنیں سمیٹتا' افق کے اس پار غروب ہو رہا تھا۔ کلیم بھائی اپنی گاڑی سے نکل کر اس کی طرف بڑھ آئے۔

""شہر جا رہے ہو؟"

""جی بھائی' کیوں خیریت؟"

""ہوں خیریت ہی ہے' وہ سعد اپنے ننھیال جانے کی ضد کر رہا ہے اسے اُدھر چھوڑ دینا اس کی نانو کی طرف۔"

""ٹھیک ہے' واپس کب لانا ہے؟"

""واپسی ابھی تین چار روز کے بعد کرا لیں گے' تم بس چھوڑ کر آ جانا۔"

""چلیں ٹھیک ہے' بھیج دیں۔" وہ جلدی میں تھا ملازم بھاگ کر چار سالہ سعد کو لے آیا۔ زعیم اس کا فیورٹ چاچو تھا اور خود زعیم کی بھی جان تھی اس میں کبھی اسے ڈھیر سارا

پیار کر کے اپنے برابر بٹھانے کے بعد اس نے فوری جیپ اسٹارٹ کی تھی۔

شہر میں ایک مقدمے کی پیشی اور دیگر چھوٹے موٹے کاموں کو نپٹانے کے بعد وہ کھانا کھانے کے لیے اپنے فیورٹ ریستوران میں آیا تھا جب بالکل اچانک اس کی نگاہ سندان حسن کے ساتھ اسی ریستوران میں کھانا کھاتی عائزہ ملک پر جا پڑی۔ بلیک شیفون کے خوب صورت سوٹ میں ملبوس بنا دوپٹے کی پروا کیے وہ خاصی رغبت سے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔ زعیم کا خون اس کی رگوں میں جیسے آگ بن کر دوڑنے لگا۔ آستینوں سے چھلکتے عائزہ کے دودھیا بازو اور شانے پر بکھری سنہری زلفوں نے اس کا دل جیسے سلگتا ہوا انگارہ بنا ڈالا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ابھی آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر تین چار تھپڑ رسید کردے مگر پھر کچھ سوچ کر انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا اس روز ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل کو قرار نہیں آیا تھا۔ ساری رات بھی رتجگے کی نذر ہوگئی تھی' اگلی صبح خاصی دیر سے اس کی آنکھ کھلی تو تابندہ عرف تابو اسی کے بیدار ہونے کا انتظار کررہی تھی۔

"السلام علیکم جی۔"

"وعلیکم السلام۔" ایک پل کے لیے آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہوئے اس نے تابو کو دیکھا پھر سائیڈ میں پڑا تکیہ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا تبھی وہ منمنائی تھی۔

"چھوٹے چوہدری وہ آپ کو وڈے چوہدری صاحب بلا رہے ہیں۔" زعیم کا دل بستر چھوڑنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر پھر بھی تابو کی اطلاع پر مجبوراً اسے بستر چھوڑنا پڑا تھا۔ فریش ہونے کے بعد وہ ہال کمرے میں آیا تو وہاں اللہ وسایا صاحب کے ساتھ اس کی ماں فرحت بی بی بھی موجود تھیں۔ وہ دونوں کو ادب سے سلام کرتا وہیں فرحت بی بی کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپ نے یاد کیا بابا!"

"ہوں' تیری ماں کل شہر جا رہی ہے تیرا رشتہ پکا کرنے کوئی اعتراض ہے تو ابھی بتادے بعد میں' میں نے کوئی بات نہیں سنی۔

"نہیں بابا! اعتراض کس بات کا' آپ کو وہ لڑکی پسند ہے تو بس مجھے بھی پسند ہے۔"

"شاباش' مجھے یقین تھا میرے بیٹے کا یہی جواب ہوگا۔" اس کے جواب سے جو چمک اللہ وسایا کے چہرے پر بکھری تھی اس چمک کے آگے اس کی ساری جلن ماند پڑ گئی تھی۔ فرحت بی بی اور اللہ وسایا صاحب اسی روز شہر کے لیے روانہ ہوگئے۔

❁ ❁ ❁

عائزہ کمرا بند کیے اس مشکل کا حل سوچ رہی تھی جو اس پر اچانک سے آپڑی تھی کہ اسی وقت شگفتہ بیگم بناء دستک دیے اس کے کمرے میں چلی آئیں' عائزہ انہیں دیکھتے ہی سیدھی ہو بیٹھی۔

"امی آپ......"

"ہوں...... کچھ بات کرنی تھی تم سے۔"

"جی کہیے۔" وہ مؤدب بیٹھی تھی' شگفتہ بیگم بیڈ کے کنارے پر ہی بیٹھ گئیں۔

"اذہان انگلینڈ جارہا ہے اسی ماہ کی چوبیس تاریخ کو تمہیں ویسی زندگی اور وہاں کے لوگوں سے نفرت ہے اسی لیے میں نے اور تمہارے بابا نے تمہاری سوچ کو مدنظر رکھتے ہوئے اذہان کے ساتھ تمہاری نسبت طے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے اب تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ جہاں تک میں جانتی ہوں میری بیٹی کے کردار میں کوئی جھول نہیں ہے۔" قطعی مضبوط لہجے میں بناء کوئی تمہید باندھے انہوں نے جیسے اسے شاکڈ ہی تو کردیا تھا۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کے مصداق اسے اپنی جان سخت مشکل میں پھنسی ہوئی محسوس ہوئی تھی کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد بہت مشکل سے رخ پھیرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"ایم سوری امی! مگر میں اذہان کے ساتھ شادی نہیں کرسکتی۔"

"کیوں' اب اذہان کے ساتھ شادی میں کیا

مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں مگر میں ابھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی پلیز۔"

"یہ کوئی جواز نہیں انکار کا' چوبیس سال کی ہوگئی ہو۔ تم سے ڈیڑھ سال چھوٹی تمہاری بہن اس وقت ایک بچے کی ماں ہے۔"

"تو کون سی اچھی بات ہے' کبھی محسوس تو کریں وہ کتنی اذیت میں ہے۔"

"جانتی ہوں مگر قدرت نے ماؤں کے ہاتھ میں ان کی اولاد کا نصیب لکھنے والا قلم نہیں پکڑایا' جو مائیں اپنے بچوں کی آنکھ میں آنے والے آنسو روک سکیں ویسے بھی وہ اس کا نصیب ہے تم صرف اس کی زندگی کو سامنے رکھ کر ہمیں بار بار ذلیل نہیں کرسکتیں۔"

"امی میں ایسا کچھ نہیں کررہی بس میں اذہان اور زعیم دونوں کے ساتھ شادی نہیں کرسکتی پلیز آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اس لڑکے کا نام بتادو جس کے ساتھ تم شادی کرنا چاہتی ہو۔" اگلے ہی پل انہوں نے جیسے اس کے منہ پر لفظوں کا طمانچہ دے مارا تھا۔ عائزہ کا دل پوری شدت سے دھڑکنے لگا۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے پھر کل شام میں تیار رہنا زعیم کے گھر والے رسم کرنے کے لیے آرہے ہیں اگر تم نے کسی بھی قسم کی کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا عائزہ! میں تمہارا وہ حال کروں گی کہ تم خود بھی' خود پر افسوس کرنے کے قابل نہیں رہو گی۔" اس بار ان کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

عائزہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ شگفتہ بیگم اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہاں ٹھہری نہیں تھیں' عائزہ کے اندر جیسے دھواں بھرنے لگا۔ بہت دیر رونے کے بعد بالآخر اس نے سندان کو کال ملائی تھی وہ اس وقت ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا تاہم عائزہ کی کال دیکھ کر اس نے فوری اس کی کال ڈسکنکٹ کرتے ہوئے خود کال ملائی۔

"ہیلو عائزہ!" پہلی بیل پر ہی اس کی کال پک ہوگئی تھی مگر دوسری طرف سے عائزہ کی آواز کے بجائے اس کی سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی' وہ پریشان ہوگیا۔

"عائزہ پلیز بات کرو' کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں' یونہی رونے کو دل چاہ رہا تھا۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی وہ مزید پریشان ہوگیا۔

"یونہی رونے والی لڑکی نہیں ہو تم' مجھے بتاؤ پلیز کیا بات ہوئی ہے؟"

"کچھ نہیں' شام میں اس پینڈو کے گھر والے آرہے ہیں منگنی کی رسم کرنے۔"

"اوہ...... ٹھیک ہے میں بھی آرہا ہوں شام میں۔"

"نہیں...... تم نہیں آؤ گے۔"

"کیوں؟" اس بار وہ چیخا تھا' عائزہ نے آنسو پونچھ لیے۔

"تمہارے آنے سے معاملہ حل نہیں ہوگا بلکہ اور بھی زیادہ بگڑ جائے گا کیونکہ ہم کسی بھی صورت اپنی برادری اور ذات سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔"

"جسٹ شٹ اپ یار تم میرے ساتھ اتنا بڑا مذاق نہیں کرسکتیں۔"

"مذاق تقدیر کررہی ہے ہمارے ساتھ' میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے جو دل کہتا ہے کرو' اللہ حافظ۔" وہ ناراض ہوگیا' عائزہ لب بھینچ کر رو پڑی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسے پھر کال ملا رہی تھی۔

"اب کیا ہے؟"

"سندان پلیز' میری مشکل کو سمجھنے کی کوشش کرو' مجھے مزید پریشان مت کرو پلیز۔"

"پریشان تو تم مجھے کررہی ہو عائزہ! پہلے محبت کے سفر میں اتنا آگے لے کر آئیں اور اب کہہ رہی ہو کہ تم لوگ برادری سے باہر شادی نہیں کرتے۔"

"میں اپنی فیملی کی بات کررہی ہوں سنی! اپنے دل کی نہیں' مجھے نہیں سمجھ آرہی کہ میں کیا کروں۔"

"اپنی مما سے بات کرو اور انہیں سب بتادو' مائیں بیٹیوں کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔"

"میری امی ان ماؤں میں سے نہیں ہیں نہ ہی میرے ابو میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی یا بہن کے سامنے سر اٹھا کر اپنی اولاد کی خوشیوں کے لیے ان کے حق کے لیے بات کرسکیں۔"

"تو پھر بتاؤ' میں کیا کروں؟"

"تم اپنی امی سے بات کرو' وہ یہاں آ کر میرے گھر والوں سے بات کریں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتی مگر شاید میری امی اپنا فیصلہ بدل دیں۔"

"ٹھیک ہے میں امی سے بات کرتا ہوں تم ٹینشن نہ لینا' سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ہوں' اللہ حافظ۔" وہ بُری طرح انتشار کا شکار تھی تبھی سندان کی تسلی پر فوراً کال ڈراپ کردی' دوسری طرف سندان کا دل ایک دم سے ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا تھا۔

عائزہ ملک اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں تھی اس سے پہلے بھی بہت سی لڑکیاں اس پر جان وارتی رہی تھیں۔ آسمان کی طرح دکھ کی ہر دھوپ سے بچانے والے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کئی کئی راتیں اس کے ساتھ گزارتی رہی تھیں وہ چونکہ اپنے ماں باپ کا لاڈلہ اور دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا لہٰذا اس کی سرگرمیوں پر گھر میں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ کبھی اگر اس کے پاپا اس پر غصہ کرتے بھی تھے تو اس کی ماما فوراً اس کی حمایت میں ان سے لڑ پڑتی تھیں اور پھر اگلے دو تین روز تک سارا گھر اس کے پاپا کا بائیکاٹ کردیتا' نتیجتاً وہ ہار مان کر چپ رہتے۔

اس کی بڑی بہن کی شادی ہوچکی تھی اور اس کے دو بچے تھے' بہت ہی خوب صورت اور کیوٹ اس سے چھوٹی اریبہ ابھی کالج میں پڑھ رہی تھی اور سندان کا اس پر خاصا رعب تھا۔ زندگی یونہی اپنی ڈگر پر چل رہی تھی کہ پھر ایک روز عائزہ ملک کسی بہار کے تازہ جھونکے کی مانند اس کی زندگی میں چلی آئی' ان دنوں وہ پنجاب یونیورسٹی کے فائنل ائیر میں تھا جبکہ عائزہ مائیگریشن کروا کے پشاور سے لاہور آئی تھی۔ وہ پریولیس کی اسٹوڈنٹ تھی اور ملک سے باہر بھی گھوم آئی تھی' اس کے پاپا اور تایا کا سیاست میں بھی اچھا کردار تھا تبھی اپنی عادت کے عین مطابق وہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا تھا مگر یہاں پہلی بار اس کی وجاہت' ذہانت' اسٹیٹس اور ہوشیاری کو شکست ہوئی تھی کیونکہ اس کی ہر طرح کی کوشش کے باوجود کئی ماہ تک عائزہ نے اسے لفٹ نہیں کروائی تھی یہاں تک کہ وہ اس کا جنون بن گئی۔ پہلی بار جب اس نے صدقِ دل سے اس کے سامنے اظہار محبت کیا تھا اس نے نہ صرف اس کی محبت کو ریجیکٹ کردیا بلکہ اچھی خاصی بے عزتی بھی کرڈالی اور تب پہلی بار اس نے جانا تھا کہ ٹھکرائے جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔

عائزہ کے معاملے میں اس کے جذبے سچے تھے تبھی اس کی طرف سے ہونے والی عزت افزائی پر شدید ہرٹ ہوکر اس نے خودکشی کی کوشش کی مگر بچ گیا اور یہیں اس کی اس حرکت کے بعد عائزہ نے اس کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کیا تھا۔ رفتہ رفتہ سندان کی وارفتگیاں رنگ لاتی گئیں اور اس نے بناء کسی انجام کی پروا کیے اس کی محبت کا جواب محبت سے دینا شروع کردیا۔

یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد بھی صرف عائزہ کے لیے وہ یونیورسٹی آتا رہا تھا' اسی دوران ایک لڑکی ثانیہ جو اس سے بہت کلوز تھی اور کئی بار صرف شادی کے لالچ میں اس کے ہاتھوں اپنی عزت گنوا بیٹھی تھی' حاملہ ہوگئی۔ سندان چونکہ نئی تتلی پکڑ چکا تھا لہٰذا اس نے ثانیہ سے صاف آنکھیں پھیرلیں' بہت دنوں تک وہ اس کے پیچھے آتی رہی تھی مگر سندان نے اس کی کسی بھی قسم کی مدد سے صاف انکار کردیا' نتیجتاً ایک روز یونیورسٹی میں ہی اس کی موت کی خبر آ گئی تھی۔ اس کے لیے ایسی خبریں معمول کا حصہ تھیں' جو لڑکی اپنی عصمت کا پاس نہ رکھ سکے اور ایک غیر محرم پر بھروسہ کرکے بناء دنیا و آخرت کی بربادی کی فکر کیے اپنا

سب کچھ اس کے حوالے کردے اس لڑکی کو اس کی نظر میں ایسی ہی حرام موت مرجانا چاہیے تھا تاہم اپنے بارے میں اس کی رائے قدرے مختلف تھی۔ اس کی نظر میں مرد صرف عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا گیا تھا اکثر اگر اس کا کوئی دوست اسے ملامت کرتا تو وہ صاف کہہ دیتا۔

"اسٹاپ اٹ یار! میں بازو سے پکڑ کر کسی کو گھر سے نکال کر نہیں لاتا' لڑکیاں خود آتی ہیں میرے قریب برباد ہونے کے لیے' لہٰذا بہتر ہوگا تم جا کر انہیں سمجھاؤ۔" تاہم عائزہ سے محبت کے بعد اس نے باقی لڑکیوں پر تو لفٹ کا بورڈ لگا دیا' صرف عائزہ کو پانے کے لیے اس نے پاپا کا آفس بھی جوائن کرلیا تھا اور اپنی دانست میں ماضی کے گناہوں سے بھی توبہ کرلی تھی مگر کچھ بددعائیں کبھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں اور سندان حسن بھی شاید ایسے ہی کسی کی بددعا کی زد میں آنے والا تھا کہ ہر اچھا اور بُرا عمل کبھی نہ کبھی پلٹ کر ضرور آتا ہے۔

❁......✿......❁
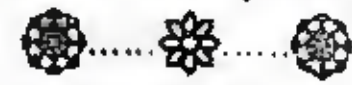
علینہ نے ایک مرتبہ پھر نظر اٹھا سامنے دیوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ شب کے اڑھائی بج رہے تھے مگر ریان کی ابھی تک گھر واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اعظم صاحب ایک بجے تک جاگ کر اس کی گھر واپسی کا انتظار کرتے رہے تھے مگر وہ نہیں آیا تھا اور اب تو اس کی آنکھیں بھی بند ہونے لگی تھیں۔ ننھے صمدان کو اگر بہت تیز بخار نہ ہوتا تو شاید اب تک تھک ہار کر وہ سو جاتی مگر ریان کے ساتھ ساتھ اسے صمدان کی فکر نے بھی جگائے رکھا تھا۔

خدا خدا کرکے اس کا بخار قدرے کم ہوا تو علینہ کی آنکھ لگ گئی۔ گود میں ننھے صمدان کو لیے وہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ ریان تقریباً تین بجے گھر واپس آیا تو وہ سامنے ہی بیڈ پر بے حال سی بیٹھی سو رہی تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا تبھی ایک سرسری نگاہ اس کے شکستہ سراپا پر ڈالنے کے بعد واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ آج کل گھر میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اسے مطلق خبر نہیں تھی نہ ہی وہ خبر رکھنا چاہتا تھا۔ اسے تو آج کل اپنی پڑی ہوئی تھی۔ زرنیلا کے عشق نے اس سے اس کا سکھ چین' بھوک پیاس سب کچھ چھین لیا تھا۔

اس وقت بھی وہ اس کے گھر سے اس سے مل کر آیا تھا کیونکہ اس کا شوہر اپنی کاروباری مصروفیت کی وجہ سے شہر سے باہر تھا اور بچے اس کے چھوٹے تھے لہٰذا وہ اس کے ساتھ اپنی مرضی سے سکون کی گھڑیاں گزار سکتا تھا۔ اگلے تیس منٹ میں باتھ لے کر وہ کمرے میں واپس آیا تو تھکن حد سے سوا تھی۔ مگر پھر بھی دور دور تک نیند کا نام و نشان نہیں تھا۔ تبھی جھک کر اس نے جیسے ہی صمدان کی پیشانی پر لب رکھے چونک اٹھا۔

ماں کی نرم آغوش میں وہ ننھا سا پھول بخار سے تپ رہا تھا ایک لمحے کے لیے اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا مگر اگلے ہی پل اس کے موبائل پر بجنے والی میسج ٹون نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔ زرنیلہ کا میسج تھا وہ اس کے بخیر و عافیت گھر پہنچنے کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ ریان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اگلے ہی پل کروٹ بدلتے ہوئے اس نے اسے کال ملائی تھی۔

"ہیلو۔" پہلی بیل پر ہی اس کی کال پک کرلی گئی ریان کا لہجہ گمبھیر ہوگیا۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"ہوں' اب تو چاہوں بھی تو نہیں سو سکتی۔"

"کیوں؟"

"تم سونے جو نہیں دیتے۔"

"ہاہاہا' تم بھی تو نہیں سونے دیتی مجھے۔" وہ کھل کر ہنسا اور اسی پل اس کے پہلو میں سوئی علینہ کی نیند ٹوٹی تھی۔

"کیوں' میں کیا کہتی ہوں؟" وہ مزے سے پوچھ رہی تھی۔ ریان کا دل گدگدا اٹھا۔

"تمہیں نہیں پتا تم کیا کہتی ہو؟ بھوک' پیاس' نیند' سکون سب چھین لیا ہے تم نے۔"

"اچھا اگر ایسی بات ہے تو کل سے میرے گھر پر تمہارا داخلہ بند۔"

"دھمکی دے رہی ہو؟"

"ہوں یہی سمجھ لو۔"

"سمجھ کی بچی! دوبارہ ایسی بات کی تو جان لے لوں گا تمہاری۔"

"لے لینا دل تو لے ہی لیا ہے جان بھی لے لینا۔" وہ مسکرا رہی تھی ریان کا دل پھر بے قابو ہونے لگا۔

"زریں ایک بات کہوں مانو گی؟"

"ہوں کہو۔"

"آں..... آئندہ تم بلیک کلر مت پہننا۔"

"کیوں؟"

"بس' یہ کلر بہت اٹھتا ہے تم پر مجھے خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔" اور اس بار وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"گڈ ابھی تو جناب خود پر کنٹرول رکھتے ہیں کنٹرول نہ رکھیں تو پتا نہیں کیا ہو۔" وہ اس کے الفاظ کو جی بھر کر انجوائے کر رہی تھی۔

ریان کے اندر بے قراری بکھر گئی۔

"ڈر تو نہیں لگ رہا میرے آنے کے بعد؟"

"لگ رہا ہو تو کیا کرو گے؟" وہ فل موڈ میں تھی وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

"کیا کرنا ہے ابھی گاڑی لے کر نکل پڑوں گا۔"

"اچھا اور اگر گھر میں کسی نے روک لیا تو؟"

"کون روک سکتا ہے؟" اس کا لہجہ بوجھل ہو رہا تھا علینہ کی آنکھوں سے جیسے انگارے بہنے لگے۔

"کوئی بھی..... تمہاری بیوی۔"

"بیوی کی اتنی جرأت نہیں ہے کہ تمہارے پاس آنے سے روک سکے۔"

"اتنی جرأت نہیں ہے تو اسے ساتھ کیوں سلاتے ہو؟"

"کیوں' تمہیں جیلسی ہوتی ہے؟"

"ہاں ہوتی ہے پھر۔"

"پھر کچھ نہیں جب تم یہاں آ جاؤ گی تو اسے ساتھ نہیں سلاؤں گا پرامس۔"

"پیار تو کرتے ہوں گے نا تم اسے؟"

"نہیں اب نہیں کرتا۔"

"سچ؟"

"ہوں' تمہاری قسم۔"

"او ریان تم واقعی ایک بے مثال مرد ہو آئی لو یو سو مچ۔" وہ مسرور ہوئی تھی ریان کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کل مارکیٹ چلنا ہے؟"

"نہیں..... ابھی کل تیس ہزار کی شاپنگ کروائی ہے تم نے تمہارے ابا کو پتا لگ گیا تو بزنس سے نکال باہر کریں گے۔"

"کوئی پروا نہیں تمہارے لیے اگر مجھے خود کو بھی بیچنا پڑا تو بیچ دوں گا زریں! جب چاہو آزما لینا۔"

"میں جانتی ہوں آزمانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو پھر کل تیار رہنا آفس ٹائم کے بعد چلیں گے او کے۔"

"ٹھیک ہے اب سو جاؤ شب بخیر۔"

"او کے' شب بخیر۔" موبائل فون کی اسکرین کو کس کرنے کے بعد اس نے سیل سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔

علینہ نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں مبادا وہ اسے جاگتا ہوا دیکھ لے لیکن اس کا دل اس لمحے بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ریان نے کروٹ بدلی تھی اور ننھے صمدان کو اس کی گود سے اٹھا کر اپنے بازو پر سلایا تھا۔ وہ بے آواز سسک اٹھی۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں اس نے اس کی محبت کی شدتیں دیکھی تھیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ٹوٹ کر چاہتے ہوئے ٹوٹ جاتے ہیں مگر اپنی عادتیں نہیں بدلتے۔ تب وہ اسے بھی یونہی اپنے بازو پر سلا کر پیار کرتا تھا مگر اب تو جیسے اس کی محبت اس کی توجہ اس کا احساس ان کے لیے جیسے شجر ممنوع ہو کر رہ گیا تھا۔ اندر کا حبس تھا کہ گزرتے ہر پل کے ساتھ جیسے بڑھتا ہی جا رہا تھا وہ اٹھی اور کمرے سے نکل کر باہر لان سے ملحقہ کوریڈور کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی۔

سبک روی سے چلتی سرد ہواؤں کا ساتھ رات کی سیاہ چادر سے بس پھسلا ہی چاہتا تھا۔ وہ کوریڈور کے پلر سے ٹیک لگا کر چپ چاپ پلکیں موند گئی۔

❀......❀......❀

"ریان....." وہ تیار ہو کر آفس کے لیے نکل رہا تھا جب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے اعظم ملک صاحب نے پاٹ دار آواز میں اسے پکارا۔ علینہ اس وقت کچن میں تھی ریان کی پیشانی پر بل پڑ گئے تاہم پھر بھی وہ پلٹ کر ڈائننگ ٹیبل تک آیا تھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بیٹھو۔" گھر کے سب افراد اس وقت وہیں موجود تھے۔ وہ با دل ناخواستہ کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"برخوردار! صرف ایک لڑکی نے تمہیں یہ بھی بھلا دیا ہے کہ تمہارا ایک بیٹا ہے جو تم سے بے حد مانوس ہے ایک بیوی ہے جس کے ساتھ تم نے اپنی پسند اور مرضی سے شادی کی تھی۔ ایک بوڑھا باپ اور بے حد مشفق ماں ہے جو تمہاری ذرا سی دیر گھر واپسی پر ساری رات نہیں سوتی۔"

"بابا پلیز! میں اس وقت آپ کا کوئی بھی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں کیونکہ میرا موڈ اس وقت بہت فریش ہے اور کسی بھی طور اسے خراب نہیں کرنا چاہتا۔" اعظم صاحب کے شکوے کا جواب اس نے بے حد تلخی سے دیا تھا۔ کچن میں کھڑی علینہ کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

"اور جہاں تک زریں کی بات ہے تو میں آپ کو واضح لفظوں میں بتا چکا ہوں کہ وہ میری زندگی ہے اگر آپ کچھ بھی کر کے مجھے اس سے دور کرنے کی کوشش کریں گے تو میں ہر چیز کو آگ لگا دوں گا وہ نہیں ہے تو میرے لیے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیا بیوی کیا بیٹا کیا بزنس.....!" متنفر سے پر لہجے میں کہتے ہوئے اگلے ہی پل وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چلتا ہوں آفس سے دیر ہو رہی ہے مجھے۔" اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ مزید ایک پل بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔ علینہ کے لیے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا دشوار ہو گیا جبکہ اعظم ملک صاحب کا سر یوں جھک گیا تھا جیسے وہ سزائے موت کے مجرم ہوں۔

اسی روز رات میں پھر اس کی گھر واپسی خاصی لیٹ ہوئی تھی۔ علینہ کی آنکھ کھلی تو وہ صوفے پر بیٹھا جوتے اتار رہا تھا۔ اسے واش روم جانا تھا سو بنا اس پر دوسری نگاہ ڈالے وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ کمرے میں واپس آئی تو ریان ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنی رسٹ واچ اتار رہا تھا علینہ صرف ایک نظر میں بھی دیکھ سکتی تھی کہ اس کا موڈ بے حد خراب ہے۔ تبھی بنا اسے کچھ کہے وہ بیڈ کی طرف آئی تھی مگر ریان نے اس سے پہلے ہی اس کا بازو دبوچ لیا۔

"کیا چاہتی ہو تم، طلاق دے دوں میں تمہیں۔" صبح وہ جس موڈ کے ساتھ گھر سے نکلا تھا اس وقت بھی اس کا وہی موڈ تھا۔ وہ لرز کر رہ گئی۔

"کیوں..... میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا کیا ہے؟ زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے میری' مظلومیت کا اشتہار بن کر سارے گھر کو میرے خلاف کر دیا ہے نحوست بکھیر کر رکھ دی ہے میری پوری زندگی میں۔" وہ اتنا تلخ کیوں ہو رہا تھا وہ نہیں جانتی تھی مگر اس کا دل ضرور دکھ سے بھر آیا تھا۔

"بازو چھوڑیں میرا۔" بنا اس کی تلخی کا کوئی جواب دیے اس نے درشتگی سے اپنا بازو اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ نفرت سے اسے پرے دھکیلتے وارننگ دیتے لہجے میں بولا۔

"میرا دل چاہتا ہے میں تم پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں تاکہ نہ تمہارا منحوس وجود باقی رہے نہ میرے اور زریں کے ایک ہونے میں کوئی رکاوٹ بنے۔" وہ اب بھی خاموش رہی تھی۔ تاہم ریان کے بے دردی سے دھکیلنے پر توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے وہ ڈریسنگ کے کونے سے ٹکرائی تھی اور اس کی پیشانی سے خون نکل پڑا تھا آنکھوں کے سامنے ایک پل کے لیے جیسے اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ سر پکڑتی وہیں بیٹھ گئی۔

ریان اپنی بات کے جواب میں اس کی مسلسل خاموشی پر کمرے سے نکل گیا۔ اس کے دل میں اس لمحے جیسے آگ لگی تھی۔ صبح وہ کتنا خوش تھا کہ آج سارا دن زرنیلا کے ساتھ گزارے گا مگر...... اس وقت اس کے ارمانوں پر اوس پڑگئی جب آفس میں میٹنگ کے دوران اس نے کال کر کے بتایا کہ اس کا شوہر گھر واپس آ گیا ہے اور اب وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

ریان کا دل چاہا وہ سیل فون کو کرچی کرچی کردے مگر اس نے ایسا کرنے کے بجائے ضبط کیا تھا اور میٹنگ ادھوری چھوڑ کر آفس سے نکل آیا۔

رات ایک بجے تک اسے امید رہی کہ زرنیلا کی کال یا میسج آئے گا اور وہ باہر نہ سہی اسے گھر پر ملنے کے لیے بلائے گی مگر ایسا نہیں ہوا تھا رات ایک بجے کے بعد بے حد اضطراب اور مایوسی کے عالم میں وہ گھر واپس لوٹا تھا اور اب بے قصور علینہ پر اپنے اندر کی فرسٹریشن نکالی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔

رات کی خاموشی، سبک روی سے چلتی سرد ہوائیں روشنی کی کرنیں بکھیرتا چاند، کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ گھر پر تھا اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھی یہ احساس کتنا تکلیف دہ تھا اس کے لیے مگر کاش کوئی سمجھ سکتا۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے تیسری سگریٹ جلاتے ہوئے وہ ان لمحوں میں ڈوبتا جا رہا تھا جب اس نے پہلی بار زرنیلا کو دیکھا تھا۔

وہ ایک خوب صورت طرح دار عورت تھی جسے خود کو بنا سنوار کر رکھنا آتا تھا ریان کی شادی کو اس وقت ایک سال ہونے کو آیا تھا اور علینہ کی پریگنینسی اختتامی مراحل میں تھی۔ یہ شادی اس کی پسند اور مرضی سے ہی ہوئی تھی مگر علینہ میں اس کی دلچسپی اب کم ہوتی جا رہی تھی اور اس کی سب سے بڑی وجہ علینہ کی سادگی تھی۔ علینہ ایک خاموش طبع، سادہ مزاج لڑکی تھی جس کی زندگی صرف وہ گھر اور اس کے مکین تھے جہاں وہ رہتی تھی۔ اسے اس گھر سے باہر کی دنیا کا کوئی پتا نہیں تھا شاید یہ اس کے کردار کی پاکیزگی ہی تھی جو نور بن کر اس کی پیشانی پر چمکتی تھی اور ریان کے دل کو چھوتی تھی۔

اعظم صاحب عائزہ کے ساتھ اس کی نسبت طے کرنا چاہتے تھے مگر اس نے عائزہ کے لیے انکار کر کے علینہ کے لیے اپنی رضامندی دے دی تو مجبوراً اعظم ملک صاحب کو علینہ کے ساتھ اس کی شادی کرنا پڑی۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں وہ بہت خوش اور مطمئن تھا کیونکہ علینہ ایک بے حد اچھی محبت اور خیال کرنے والی لڑکی تھی مگر رفتہ رفتہ وہ بے زار ہوتا گیا تھا اور اس کا سبب علینہ کی گھریلو مصروفیات تھیں۔ شادی کے بعد اس نے مکمل طور پر خود کو ایک گھریلو لڑکی کے روپ میں ڈھال لیا تھا تبھی نہ اس کے پاس بننے سنورنے کے لیے ٹائم ہوتا تھا نہ ریان پر توجہ دینے کے لیے۔ کمرے میں آنے کے بعد وہ سادہ حلیے میں ہی رہتی تھی۔

ریان اگر ضد کر کے اسے کہیں باہر گھمانے کے لیے لے کر جاتا تو تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے گھر واپسی کی فکر لاحق ہو جاتی اس کا دل کبھی مووی دیکھنے کو چاہتا تو وہ بدک جاتی۔ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ استغفار کرتی اور اس کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیتی۔ کبھی کسی دوست کے گھر یا کسی فنکشن میں لے کر جاتا تو سارا وقت سر ڈھانپے نقاب کیے بیٹھی رہتی اور وہ چڑ جاتا۔

صرف اسے ستانے کے لیے پہلی بار وہ پورے دو ہفتوں تک اس کے قریب نہیں گیا تھا مگر ان دو ہفتوں میں ایک بار بھی علینہ نے اس کی طرف پیش قدمی کر کے اپنی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہیں سے وہ بددل ہوا تھا اور اس نے گھر سے فرار تلاش کر لی۔ اس کی نظر میں علینہ کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا جبکہ وہ اپنی فطری شرم کے ہاتھوں مجبور تھی۔

یہ سچ تھا کہ شادی سے پہلے وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی مگر شادی کے بعد اس کی ساری محبت، ساری خواہشات، سارے خواب، صرف ریان کی ذات کے ساتھ جڑ کر رہ گئے تھے وہ ذرا سا آفس سے لیٹ ہو جاتا تو اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔ کبھی بے رخی سے بات کرتا تو وہ کٹ کر رہ جاتی۔ ریان کی وارفتگیاں، اس کی شدتیں، اسے اچھی لگتی تھیں۔ مگر وہ چاہتے ہوئے بھی خود سے اسے پیار کرنے کے لیے نہیں کہہ سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ ریان کی لاتعلقی پر وہ اندر سے بجھ کر رہ گئی تھی مگر اس نے ریان سے گلہ نہیں کیا۔

یہ اس کی خاموشی ہی تھی جس نے اسے ایک اور عورت کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس روز وہ اپنے ایک قریبی دوست کی شادی میں شریک تھا جب مہندی کی رات پہلی بار اس کی نظر زرنیلا عباس پر پڑی تھی۔

بلیک شیفون کے سوٹ میں ملبوس دوپٹے کو کسی فالتو شے کی مانند بائیں شانے پر گرائے وہ کسی لڑکے کے ساتھ باتوں میں مصروف بات بے بات قہقہے لگا رہی تھی۔ تبھی اس کے دوست نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں اپنی نظریں دوڑاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

''یہ زرین بھابی ہیں تمہاری بھابی کی دوست تین بچوں کی ماں ہے مگر دیکھو خود کو کتنا اسمارٹ رکھا ہوا ہے کہیں سے بھی شادی شدہ نہیں لگتیں۔''

''ہوں، یہ تو ہے۔'' وہ چونکا تھا اور فوراً نظر پھیر لی تھی۔

''کافی زندہ دل اور خوش مزاج لگتی ہیں۔''

''ہوں، بہت خوش مزاج ہیں تم ان کا شوہر دیکھو تو ان کی قسمت پر افسوس کرو مگر یہ اسی شوہر کے ساتھ نہ صرف نبھا کر رہی ہیں بلکہ بے حد خوش بھی ہیں۔''

''کیا مطلب؟ کیا ان کے شوہر خوب صورت نہیں ہیں۔''

''خوب صورت...... یار وہ قبول صورت بھی نہیں ہے کم از کم پندرہ سال بڑا ہے ان سے اور اس سے پہلے تین بیویاں بھی بھگتا چکا ہے یہ چوتھی ہیں۔''

''واؤ، پھر تو وہ بہت لکی ہے یار۔''

''کہہ سکتے ہو۔'' اس کے دوست نے اس کے تبصرے پر سر ہلایا تھا پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''چلو تمہارا انٹروڈکشن کرواتا ہوں کیا یاد کرو گے تم بھی۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔ ریان کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

دعا

تمہارے نام کی ہتھیلی پر دعا کے حروف
کچھ یوں لکھتے ہیں کہ
تیری عمر کے دیوں کو تند ہوا کی نظر نہ لگے
تیری آنکھوں میں توس قزح ہو
جگنو ہوں تارے ہوں
تیرے سفر کی کہانیوں میں
چھاؤں کے ذکر کے سائے ہوں
دھوپ کی حدتیں نہ ہوں
پیاس کی شدتیں نہ ہوں
سکھوں کے تمام دریا
تیرے رستوں سے ہو کر گزریں
گھنی بارشوں کے سائے
تجھے چاہتوں کی نوید سنائیں
آمین

فاطمہ عاشی...... جھنگ

زرنیلا کے دودھیا بازو شیفون کی باریک آستینوں سے جھلکتے بے حد خوب صورت لگ رہے تھے اس کی شرٹ کے چاک اتنے بڑے تھے کہ اس کا جسم جھلک رہا تھا۔ کمر تک آتے سنہری بال جو اس نے لیئر کٹنگ میں سیٹ کروا رکھے تھے اس کی پشت پر بکھرے پوری محفل کا دل لوٹ رہے تھے وہ حقیقت میں ایک چلتی پھرتی خوب صورت گڑیا تھی۔ ریان کے اس کے قریب آیا تو اس کا دل اور بھی بے ایمان ہونے لگا۔

''زرنیلا بھابی۔'' اس کے دوست نے اسے پکارا تھا۔

ریان چپ چاپ کھڑا اپنے پہلو میں دل کا شور سنتا رہا تبھی وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''یہ ریان ہے میرا جگری یار۔'' اس کے متوجہ ہونے پر اس کے دوست نے تعارفی رسم نبھائی تھی وہ مسکرا دی۔

''دوست تو بہت خوب صورت ہیں آپ کے، ماشاء اللہ۔''

''شکریہ۔'' وہ صرف مسکرا سکا تھا۔ تبھی اس نے پوچھا۔

"شادی شدہ ہیں؟"

"جی، ابھی ایک سال پہلے ہی شادی ہوئی ہے۔"

"اوہ، پھر تو وہ بہت خوش نصیب لڑکی ہیں بھئی...... خیر اللہ خوش رکھے کیا کرتے ہیں آپ؟"

"اپنا بزنس سنبھالتا ہوں، کیا اسی شہر میں رہتی ہیں آپ؟"

"ہوں، یہیں بس پاس میں ہی گھر ہے میرا چکر لگایئے گا مجھے خوشی ہوگی۔"

"جی ضرور۔" وہ قدرے نروس ہو رہا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد جب اس کے دوست نے اس سے ریکویسٹ کی کہ زرنیلا گھر جانا چاہتی ہے وہ اسے ڈراپ کرآئے تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ تو دل سے چاہتا تھا کہ اسے اتنی حسین لڑکی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملے اور اب یہ موقع تقدیر اسے خود ہی فراہم کر رہی تھی۔

وہ دل ہی دل میں جھوم اٹھا۔

"شیور، کہاں ہیں وہ؟"

"میں بھیجتا ہوں تم گاڑی نکالو۔"

"ٹھیک ہے۔" اپنے دوست کی ہدایت پر اس نے فوراً پارکنگ ایریا سے گاڑی نکال لی تھی۔ اگلے پانچ منٹ کے بعد زرنیلا اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔

"سوری، مجھے ذرا ایمرجنسی گھر جانا پڑ گیا۔ اصل میں میری ساس بہت ضعیف ہو چکی ہیں میں ہی انہیں سنبھالتی ہوں آپ کو زحمت تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں، ایسی بات کہہ کر تو آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" اس کی وضاحت پر تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بہت شکریہ۔ جہاں تک میں آپ کو جان پائی ہوں آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ کی وائف تو بہت خوش ہوں گی آپ سے ہے نا؟"

"پتا نہیں میں نے کبھی پوچھا نہیں اس سے۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

زرنیلا عباس کے ملبوس سے اٹھتی دلفریب خوشبو اس کے حواس معطل کرنے لگی۔

"کیوں، کبھی خود سے نہیں بتایا اس نے؟"

"نہیں۔"

"انڈراسٹینڈنگ نہیں ہے آپ کی اس سے۔"

"شاید نہیں۔"

"اوہ، پھر تو بہت بوریت محسوس کرتے ہوں گے آپ؟"

"ہوں کہہ سکتی ہیں۔"

"فیملی سے ہیں یا باہر سے؟"

"فیملی سے ہیں چھوٹے چچا کی بیٹی ہیں۔"

"خوب صورت ہیں یا......!"

"بہت خوب صورت ہے۔"

"ہوں، پھر تو بہت پیار کرتے ہوں گے اسے؟"

"ہوں، میں تو کرتا ہوں مگر وہ نہیں کرتی۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوئی تھی ریان نے لب دانتوں تلے دبالی۔

"پتا نہیں یہ تو وہی بتا سکتی ہے۔"

"وہ کسی اور کو پسند کرتی ہوں گی۔"

"نہیں، وہ ایسی نہیں ہے۔"

"بچے نہیں ہوئے؟"

"ہونے والا ہے ابھی ایک سال پہلے تو شادی ہوئی ہے۔"

"گڈ، میرے بھی تین بچے ہیں ابھی چار سال پہلے شادی ہوئی ہے میری بھی۔"

"آپ خوش ہیں اپنی شادی سے۔"

"پتا نہیں کوشش تو کرتی ہوں خود کو خوش رکھنے کی۔"

"اس کا مطلب ہے آپ دل سے خوش نہیں ہیں۔"

"شاید۔"

"وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"ہوں، میرے شوہر مجھ سے کافی بڑے ہیں۔ مجھ سے پہلے تین بیویوں کے ساتھ وقت گزار چکے ہیں۔ اس

لیے وہ سارے جذبے، وہ محبت، وہ شدت جو کسی مرد کی ایک عورت کے لیے ہوتی ہے وہ ان کے پاس نہیں ہے بہت روکھی پھیکی سی زندگی ہے میری۔" وہ اداس ہوگئی تھی۔

ریان نے گاڑی روک دی۔

"ایسے مرد کے ساتھ شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ جیسی لڑکی کو رشتوں کی کمی تو نہیں ہوگی؟"

"ہوں، ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، بس تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں سارے۔"

"پھر بھی کوئی وجہ تو ہوگی اس شادی کی۔" وہ اسے کریدنا چاہتا تھا زرنیلا نے رخ پھیرلیا۔

"وجہ میری غربت تھی سات بہنیں ہیں میری۔ بہت غربت میں زندگی بسر کی ہے میں نے۔ غریب ہونے کی وجہ سے ہی کوئی اچھا رشتہ نہیں آیا۔ میری ماں بہت کم عمر تھیں مگر باپ بہت ضعیف شاید اسی لیے وہ ہمارا بوجھ نہ اٹھا سکا اور گھر میں آئے روز فاقے ہوتے رہے کوئی دن ہی ایسا طلوع ہوتا تھا جب ہمیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا۔ اسی لیے جب عفان کا رشتہ آیا تو میری ماں نے ایک پل بھی سوچنے کی ضرورت محسوس کیے بغیر فون پر نکاح کردیا ان دنوں یہ دبئی میں ہوتے تھے میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا، پھر شادی ہوگئی میں دلہن بن کر سج سنور کر دبئی چلی گئی۔ وہاں جب عفان نے مجھے ریسیو کیا تو پہلی بار انہیں دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں مگر پھر رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہوگیا۔" وہ بتا رہی تھی۔

ریان نے خاموشی سے گاڑی پھر سے اسٹارٹ کردی۔ اگلے دس منٹ کے بعد اس نے اس کے گھر کے سامنے بریک لگائی تھی۔

"یہ لیں آ گئی آپ کی منزل۔"

"شکریہ۔ میں چاہوں گی آپ ایک کپ چائے پی کر جائیں۔"

"نہیں پھر کبھی سہی، ابھی بہت رات ہوگئی ہے مناسب نہیں لگتا۔"

"چلیں جیسے آپ کی مرضی مگر میں آپ سے رابطہ ضرور رکھنا چاہوں گی کیا آپ اپنا سیل نمبر دیں گے؟"

"شیور۔" وہ تو خود اس سے رابطہ رکھنا چاہتا تھا تبھی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے اسے اپنا سیل نمبر نوٹ کروادیا تھا۔

اس روز کے بعد علینہ کی ذات میں اس کی رہی سہی دل چسپی بھی ختم ہونے لگی تھی۔ جس روز صمدان پیدا ہوا اس نے سب سے پہلے زرنیلا کو اطلاع دی اس روز وہ اتنا خوش تھا کہ قدم زمین پر نہ پڑتے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیوار گرتی گئی تھی۔ وہ جب بھی گھر میں اکیلی ہوتی اسے کال کر کے بلا لیتی اور پھر گھر واپسی تک وہ اسی کے ساتھ وقت گزارتا۔ آہستہ آہستہ شروع ہوا یہ کھیل بہت کم دنوں میں ہی جنوں کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اب اسے لگتا تھا کہ جیسے زرنیلا عباس کے بغیر اس کی زندگی بے کار ہے۔ وہ اس سے اپنا ہر مسئلہ کھل کر شیئر کرتا۔ اپنی ہر خوشی ہر دکھ اس کے گوش گزار کرتا۔ بہت آسانی سے اس نے علینہ کی جگہ زرنیلا عباس کو دے دی تھی اور وہ خوش تھا۔ زرنیلا خود بھی اس کے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی اور اس کا ارادہ بھی اب اپنے شوہر سے چھٹکارا پا کر ریان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کرنا تھا۔ دونوں کے درمیان بہت سارے عہد و پیمان ہو چکے تھے اور اب ان عہد و پیمان کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آ پہنچا تھا۔

(ان شاءاللہ آخری حصہ آئندہ ماہ)

برف کے آنسو
نازیہ کنول نازی

نشے میں نیند کے تارے بھی اک دوجے پر گرتے ہیں
تھکن رستوں کی کہتی ہے چلو اب اپنے گھر جائیں
گلِ امید کی صورت تیرے باغوں میں رہتے ہیں
کوئی موسم ہمیں بھی دے کہ اپنی بات کر جائیں

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے ویراں ہو راہ گزرِ حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رستی ہو جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں
جیسے نوحہ کناں ہو صبح چمن تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا پڑا ہو شہرِ دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں
جیسے خوشیوں سے دشمنی ہو کوئی جیسے جذبوں سے آشنائی نہ ہو
جیسے اک عمر کی مسافت پہ بات کچھ بھی سجھائی نہ ہو
جیسے چپ چاپ آرزو کے سفر جیسے رک رک کے سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
جیسے اک خوف کے جزیرے میں جائے کوئی آواز دے کے چھپ
جیسے ہنستے ہوئے اچانک ہی غم کی پرولے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے!

زعیم کے گھر والے منگنی کی رسم کے لیے آ گئے تھے۔ وہ پنجرے میں قید چڑیا کی مانند بے حد مضطرب ٹیرس پر ادھر سے اُدھر چکر لگاتی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس اچانک پڑنے والی افتاد سے کیسے چھٹکارہ حاصل کرے۔ عینا اسے تیار ہونے کا کہہ گئی تھی مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود کو آگ لگا لے۔ صبح سے اس نے اپنا سیل بھی آف کر رکھا تھا تقریباً پون گھنٹے بعد شگفتہ بیگم خود اٹھ کر اس کے پاس اوپر ٹیرس پر آ گئی تھیں۔

"عائزہ۔" ان کی پکار پر فوراً آنسو صاف کرتے ہوئے پلٹی تھی۔

"جی امی!"

"زعیم کے گھر والے آئے ہوئے ہیں کیا عینا نے نہیں بتایا تمہیں؟" وہ قریب آ گئی تھیں، عائزہ رخ پھیر گئی۔

"بتایا تھا مگر میرا دل نہیں چاہ رہا امی۔"

"میں اس وقت یہاں کوئی فضول بات سننے یا بحث کرنے کے لیے نہیں آئی۔"

"امی پلیز...... میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔"

"بہتر ہوگا عائزہ کہ تم عزت اور شرافت کے ساتھ اسی وقت نیچے چلی آؤ۔"

"امی پلیز...... آپ ایک بار میری بات سن لیں۔"

"عائزہ! میرے پاس ابھی اتنا وقت نہیں ہے، تمہیں جو بھی بات کرنی ہے بعد میں کرنا ابھی فوراً تیار ہو کر نیچے چلی آؤ۔" اس بار ان کا لہجہ سخت تھا، وہ آنسو پی کر رہ گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ بے حد شکستہ سی نیچے ہال میں آئی تھی جہاں اس وقت گھر کے سب افراد براجمان تھے۔

"السلام علیکم!" بمشکل ایک نظر اللہ وسایا صاحب اور ان کی بیگم پر ڈالتے ہوئے وہ آگے آئی تھی، فرحت بی بی اسے دیکھتے ہی جیسے نہال ہو گئیں۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے آمین۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے فوراً اسے اپنے قریب بٹھا لیا تھا، تبھی شگفتہ بیگم بولی۔

"آپ کا بیٹا بھی تو بہت پیارا ہے بھابی۔" اللہ وسایا صاحب ان کی بات پر کھل کر ہنسے۔

"اب ہمارا کہاں رہا بھابی! اب تو وہ آپ کا بیٹا بن گیا ہے۔"

"جی ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں۔" آسیہ بیگم نے فوراً ان کی تائید کی۔

عائزہ اپنے اندر اٹھتے غصے کے ابال کو روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

"ویسے ہوتا کہاں ہے وہ آج کل، کافی دنوں سے شہر میں نہیں دیکھا۔" اگلے ہی پل اعظم ملک صاحب نے پوچھا۔ مرینہ بیگم کچن میں مصروف ان کی گفتگو سنتی رہیں۔

"ہوتا کہاں ہے یار، سارا دن زمینوں پر مصروف ہوتا ہے آج کل تو شکار کا شوق بھی پال لیا ہے اس نے۔"

("چلو جی اسی کی کسر رہ گئی تھی۔")

اللہ وسایا صاحب کی اطلاع پر دل ہی دل میں اس نے دانت پیسے تھے۔ تبھی معظم صاحب بول اٹھے۔

"ماشاء اللہ بہت محنتی اور ذہین بچہ ہے آپ کا، ہماری خوش بختی ہے کہ آپ نے ہماری بیٹی کو اپنے بچے کے قابل سمجھا۔"

"آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں بھائی صاحب! ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بھی کسی سے کم نہیں ہے۔"

"بالکل، میرے خیال سے اب ہمیں انگوٹھی پہنا دینی چاہیے فرحت، ورنہ یہ نہ ہو کہ یہ بے ایمان بندہ پھر سے اپنی زبان سے مکر جائے۔" اللہ وسایا صاحب نے ان کی تائید کرتے ہوئے اعظم ملک صاحب کو چھیڑا تھا جس پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اگلے پانچ منٹ میں فرحت بی بی نے بے حد محبت سے اسے گولڈ کی بھاری رنگ پہنا کر اس کی صبیح پیشانی چوم لی۔

"اللہ نصیب اچھے کرے، ہمیشہ خوش رہو میرے بچے...... آمین" وہ سراپا محبت خاتون تھیں۔

عائزہ کو ان کے پیار سے الجھن سی ہونے لگی، اسے اس وقت کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگلے بیس منٹ میں سب کھانے کے لیے اٹھ گئے تھے، وہ فوراً اپنے کمرے میں چلی آئی۔ انگلی میں موجود گولڈ کی رنگ اسے سینے پر پڑے کسی بھاری پتھر کی طرح محسوس ہو رہی تھی تبھی سب سے پہلے اس نے وہ رنگ اتار کر دراز میں پھینکی تھی۔ آنسو تھے کہ بھل بھل بہتے ہی جا رہے تھے۔

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اگلے کئی گھنٹوں تک اس نے خود کو کمرے میں قید رکھا تھا۔ زعیم کے گھر والے اسی رات گاؤں واپس روانہ ہو گئے تھے مگر اس نے دوبارہ کمرے سے نکل کر انہیں اپنی شکل بھی دکھانا گوارا نہیں کیا۔ کافی دیر رو کر دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس نے سیل آن کر کے سندان کو کال ملائی تھی، وہ اس کے لیے اتنا پریشان تھا کہ پہلی بیل پر ہی اس کی کال ریسیو کر لی۔

"عائزہ......" بے تابی اس کے لہجے میں ہی عیاں تھی، عائزہ کے آنسوؤں میں شدت آ گئی۔

"ہوں......"

"کہاں تھیں یار...... تمہیں پتا ہے میں تمہارے لیے کتنا پریشان تھا؟"

"ہوں...... مگر میں بہت ڈسٹرب تھی۔"

"کیوں...... اور تم کیوں رو رہی ہو؟"

"تم نے اپنی امی سے ہماری منگنی کی بات کی؟" اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اس نے اپنا سوال داغ دیا تھا، وہ مزید پریشان ہو گیا۔

"ہاں کی تھی، وہ کل آ رہی ہیں تمہارے گھر۔"

"ٹھیک ہے۔"

"عائزہ تم مجھے بتاؤ پلیز کیا ہوا ہے، تم کیوں رو رہی ہو؟"

"کچھ نہیں، زعیم کے گھر والے رنگ پہنا گئے ہیں مجھے۔"

"اوہ تو......"

"اب میں فون بند کر رہی ہوں، کل بات ہوگی۔" بناء سندان کے اضطراب کی پروا کیے اگلے ہی پل اس نے کال ڈراپ کر دی تھی۔ وہ تڑپ کر رہ گیا۔ اس رات نیند دونوں کی آنکھوں سے ہی کوسوں دور رہی تھی۔

اگلی صبح وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ شگفتہ بیگم

مارکیٹ جانے کی تیاری کر رہی تھیں، وہ لاؤنج میں ان کے پاس آبیٹھی۔

"امی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"ہوں، کہو۔"

اس کے جھکے سر اور متورم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بہت مصروف انداز میں انہوں نے پوچھا تو وہ وہیں بیٹھ گئی۔ مرینہ بیگم اور آسیہ بیگم کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں تبھی اس نے انہیں سب بتانے کا فیصلہ کیا۔

"امی ایک لڑکا ہے سندان! یونیورسٹی میں میرے ساتھ پڑھتا رہا ہے اس کی بہن میری بہت اچھی دوست ہے۔ بہت اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں پھر اسی شہر کے رہنے والے ہیں ان کی امی آرہی ہیں آج رشتے کے لیے۔"

"کس کے رشتے کے لیے؟" اس بار وہ چونکی تھیں، عائزہ کو اپنی سانسیں سینے میں پھنستی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"وہ...... مم...... میرے رشتے کے لیے۔"

"کیا...... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟ ابھی کل تو منگنی ہوئی ہے تمہاری۔"

"میں اس منگنی کو نہیں مانتی نہ وہ پینڈو شخص مجھے قبول ہے۔"

"بکواس بند کرو اپنی، تمہارے باپ اور تایا کو پتا چل گیا تو حلق سے زبان کھینچ لیں گے۔"

"کیوں کھینچ لیں گے؟ اپنے بیٹوں کی زبان کھینچیں پہلے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اِدھر اُدھر منہ مارنے سے باز نہیں آتے۔"

"چٹاخ......"

اس سے پہلے کہ وہ مزید بدتمیزی کرتی، شگفتہ بیگم کے تھپڑ نے اس کی زبان کو بریک لگا دی۔ کچن کے دروازے میں کھڑی عینا کا دل کانپ کر رہ گیا تھا جبکہ لاؤنج میں قدم دھرتا ریان جیسے وہیں ٹھٹک کر رہ گیا۔

شگفتہ بیگم اب غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔

"مجھے اس زبان کی تلخی مت دکھاؤ جس زبان سے میں نے تمہیں بولنا سکھایا ہے، جہاں تک ریان اور عینا کی بات ہے تو وہ ان کا پرسنل معاملہ ہے تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے کہ تم ان کی ذاتی زندگی پر انگلی اٹھاؤ۔"

"اگر مجھے کسی کی ذاتی زندگی پر انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں ہے تو کوئی میری زندگی کے ساتھ بھی زبردستی نہیں کرسکتا۔ میں عائزہ ہوں عینا نہیں جو چپ چاپ خود کو قربانی کے لیے پیش کردوں گی۔" وہ خودسر اور باغی تھی تبھی بدتمیزی سے چلا کر کہتے ہوئے فوراً وہاں سے چلی گئی۔

شگفتہ بیگم بے حد شاکڈ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئیں۔ ریان جو ایک ضروری فائل گھر بھول گیا تھا، بنا لیے انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا۔ اسی روز شام میں سندان کی ماں اور اس کی بہن ان کے گھر چلی آئی تھیں۔ شگفتہ بیگم کا موڈ پہلے ہی بے حد خراب تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ عائزہ کا باغیانہ رویہ گھر کے مردوں کے علم میں آئے لہٰذا انہوں نے خود ہی سہولت سے بات کر کے انہیں انکار کر دیا۔

● عائزہ جانتی تھی کہ وہ ایسا ہی کریں گی تبھی جب سندان نے اسے کال کر کے شگفتہ بیگم کے انکار کا بتایا، وہ سلگ اٹھی۔

"میں جانتی تھی وہ ایسا ہی کریں گی بہت بے حس قسم کی خاتون ہیں میری امی! مگر میں بھی ان کی بیٹی ہوں مر جاؤں گی مگر اس پینڈو سے شادی نہیں کروں گی۔"

"مجھے بھی تمہارے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی عائزہ! بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ بھی پریشان تھا، عائزہ نے لب کاٹ لیے۔

"تمہاری امی کیا کہتی ہیں؟"

"انہوں نے کیا کہنا ہے صرف میری خوشی کے لیے وہ تمہارے گھر آئی تھیں آفٹر آل میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں مگر اب وہ بھی مجھے فورس کر رہی ہیں کہ میں تمہارا خیال اپنے ذہن سے نکال دوں۔"

"کیوں؟"

"کیوں کیا یار! ان کی بہت بے عزتی ہوئی ہے بہت روکھے لہجے میں تمہاری امی نے ان سے بات کی، چائے پانی تک کا بھی نہیں پوچھا تو وہ اور کیا کہیں گی۔"

"اوکے تو پھر اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں، ہر لمحہ ہر قدم پر، جیسے تم کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔"

"تو ٹھیک ہے پھر ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں کیونکہ گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو مجبوراً انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

"تھینکس سندان، تم واقعی بہت اچھے ہو۔"

"اچھا ہوں تو تم ملی ہو ورنہ تم نے کہاں ملنا تھا خیر اب تم نے ٹینشن نہیں لینی اللہ سب بہتر کرے گا۔"

"ان شاء اللہ۔" اگلے ہی پل جذب سے کہتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

زعیم کے گھر والوں کو شادی کی جلدی تھی لہٰذا آناً فاناً تاریخ بھی طے ہوگئی۔ عائزہ کو لگا جیسے کسی نے اسے پکڑ کر ذبح کر دیا ہو۔

اس کی شادی میں صرف پندرہ دن تھے لہٰذا اسے جو بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا، اس روز صبح ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ شام سے رات تک وہ بہت بے چین رہی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد جب سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تو اس نے سندان کی کال پک کرلی۔

"جی سندان میں تیار ہوں۔"

"اوکے، میں پندرہ منٹ میں گاڑی نکال کر تمہارے گھر کے سامنے پہنچ رہا ہوں، کسی بھی قسم کی بے وقوفی مت کرنا اور ہاں تمہیں جو بھی چیز وہاں سے ملتی ہے لے کر ابھی بیگ میں رکھ لو ہمارے پاس اس کے بعد زیادہ وقت نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اوکے بائے۔" اس کے ہامی بھرتے ہی اس نے کال ڈسکنکٹ کردی۔

عائزہ سیل ہاتھ میں پکڑے کتنی ہی دیر بیڈ پر بیٹھی سوچوں میں کھوئی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ جو قدم وہ اس وقت اٹھانے جارہی تھی وہ غلط ہے مگر یہ بھی درست تھا کہ اس کا دل وہاں اس گھر کی چار دیواری میں کسی ایسے پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا جیسے پنجرے میں قید کر کے ذبح کا اذن دیا جا چکا ہو۔

رات کے تقریباً ساڑھے بارہ ہو رہے تھے جب سندان نے اس کے نمبر پر دوبارہ کال کی تھی۔

"آجاؤ عائزہ! میں پہنچ گیا ہوں اِدھر۔"

"اوکے۔" وہ صرف یہی کہہ سکی تھی، قدم من من کے ہو رہے تھے، شگفتہ بیگم اور عینا کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں مگر پھر دل مضبوط کر کے سختی سے اپنا بیگ دبوچے وہ بیرونی گیٹ کھول کر باہر نکل آئی۔ سندان کی گاڑی قدرے فاصلے پر کھڑی تھی وہ ایک آخری نظر اپنے گھر کی عمارت پر ڈالتے ہوئے سست قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

❀......❀......❀

"یہ لڑکی کون ہے؟" مسز ادریس کے گھر ان کے بیٹے کی منگنی کے سلسلے میں ہونے والی پارٹی عروج پر تھی جب سندان کی ماں نفیسہ بیگم کی نظر ہال کے ایک طرف کونے میں بیٹھی اداس سی خوب صورت لڑکی پر جا پڑی۔ مکمل سیاہ لباس میں ملبوس وہ لڑکی اتنی خوب صورت تھی کہ پہلی بے ساختہ نگاہ کے بعد ان کی نظر نے اس چہرے سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیا۔

تبھی انہوں نے قریب کھڑی مسز ادریس سے پوچھا تھا جو ان کی بہترین دوست تھیں اور اب ان کے استفسار پر اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"یہ...... یہ زرنگار ہے چندا (ان کی بیٹی) کی دوست بلکہ یوں سمجھو ہماری فیملی کا حصہ ہے، بہت پیاری سلجھی ہوئی بچی ہے۔"

"اچھا، پہلے تو کبھی نہیں دیکھا اسے۔" وہ حیران ہوئی تھیں، مسز ادریس مسکرا دیں۔

"کیسے دیکھ سکتی تھیں، ابھی دو دن پہلے تو یہ یہاں آئی ہے وہ بھی چندا کے اصرار پر اصل میں دونوں ہوسٹل میں روم میٹ ہیں پچھلے تین سال سے۔ میں تو زیان کے لیے

ایسے ہی اپنی بہو بنالیتی مگر تمہارے بھائی صاحب کو اپنی بھتیجی عزیز تھی سو ایک نہیں سنی میری' ابھی تک اس بچی کو دیکھ کے دل کو کچھ ہوتا ہے۔"

"ہوں صحیح کہتی ہو اس کی صورت ہی ایسی ہے دل موہ لینے والی' میں تو سوچ رہی ہوں سندان کے لیے مانگ لوں اسے۔" مسز ادریس کی بات پر مسکرا کر کہتے ہوئے انہوں نے پھر اس لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

"لو بھئی اس سے اچھی بات بھلا کیا ہوسکتی ہے' میں آج ہی بات کرلیتی ہوں اس کے گھر والوں سے۔" مسز ادریس بھی خوش ہوگئی تھیں۔

نفیسہ بیگم نے اثبات میں سر ہلادیا۔ رات کے تقریباً بارہ بج رہے تھے جب ان کی گھر واپسی ہوئی تھی۔

اریبہ سونے جاچکی تھی جبکہ سندان کا کوئی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا' ان کے شوہر بھی ابھی گھر نہیں آئے تھے لہٰذا اس اجنبی لڑکی کو سوچتے سوچتے وہ کب نیند کی وادی میں اتر گئیں انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

❁......❁......❁

شب کے تقریباً سوا بارہ بجے کا ٹائم تھا۔ سردی کی شدت کے باعث جس وقت وہ زرنیلا کے گھر سے نکل کر گاڑی میں بیٹھا اس کے پورے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ زرنیلا کا شوہر گھر پر نہیں تھا لہٰذا کل سنڈے کا سارا دن اور ساری رات وہ اسی کے ساتھ اسی کے گھر پر مصروف رہا تھا۔

زرنیلا نے طے کرلیا تھا کہ وہ اپنے شوہر کو دودھ میں زہر دے کر مار دے گی اور یوں ان دونوں کا راستہ ہمیشہ کے لیے صاف ہوجائے گا تاہم ریان اس کے شوہر کی موت کے حق میں نہیں تھا وہ چاہتا تھا کہ زرنیلا عدالت کے ذریعے اپنے شوہر سے خلع لے لے اور ابھی وہ اس کے ساتھ اسی مسئلے پر سر کھپا کر اس کے گھر سے نکلا تھا۔ روز بہ روز دونوں کے درمیان سمٹتے فاصلے ان دونوں کے لیے خاصی مشکل پیدا کرنے لگے تھے۔ زرنیلا کے بچے اب کافی سمجھدار ہورہے تھے کل اس کے بیٹے نے ریان سے کہا تھا۔

"انکل آپ ہمارے گھر نہ آیا کریں' مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اور جواب میں زرنیلا نے اسے دو تھپڑ لگا کر کمرے سے باہر بھیج دیا تھا۔

گناہ اور لذت کے جس راستے پر وہ چل پڑے تھے اب اس سے واپسی شاید بہت مشکل تھی۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے خاصی فاسٹ ڈرائیونگ کے ساتھ وہ اپنی مطلوبہ گلی میں داخل ہوا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب عائزہ الوداعی نگاہوں سے اپنے گھر کی عمارت کو آخری بار دیکھتے ہوئے پلٹی تھی۔

سندان اس کے رشتے میں پلکیں وا کیے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا تھا' ریان کو بے حد حیرانی ہوئی بھلا شب کی تاریکی میں یوں چوروں کی طرح اس کے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نکالنے والی وہ لڑکی کون ہوسکتی تھی۔

اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر ڈالی اور جیسے ساکت رہ گیا۔ سیاہ گرم چادر میں لپٹا وہ وجود کسی اور کا نہیں خود اس کی اپنی چچازاد بہن عائزہ ملک کا تھا' آنکھیں تھیں کہ حیرت کی شدت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے گھر کی کوئی لڑکی اپنی نادانی میں ایسا کوئی جذباتی قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔ شب کی تاریکی میں عزت کی جس چادر پر وہ اپنی خواہشات کے پھول ٹانک کر آیا تھا وہی چادر اس وقت کسی اور کی محبت کے مزار پر چڑھنے جارہی تھی۔ اس کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا تھا۔

اگلے ہی پل قطعی مشتعل انداز میں اس نے عین عائزہ کے قدموں میں یوں گاڑی کو بریک لگایا کہ وہ اچھل کر دور جا گری پھر اس سے پہلے کہ سندان اس کی کوئی مدد کرتا اس نے گاڑی سے نکل کر اسے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔

سندان کے پاس پسٹل تھا وہ گاڑی سے پسٹل نکال لایا' شب کی تاریکی میں چاند کی مدھم مدھم سی دودھیا روشنی اس وقت دھند کے باعث بہت ناکافی محسوس ہورہی تھی تبھی ریان کی قسمت اس کا ساتھ دے گئی اور سندان کی پسٹل سے نکلنے والی گولی بناء اسے کوئی جانی نقصان پہنچائے اس کے دائیں بازو کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ فضا میں

عجیب سا ارتعاش بپا ہوا تھا' اندر گھر میں عینا کی نکھ اسی وقت کھلی تھی۔ جانے کیوں اس کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا' بستر سے نکل کر جس وقت وہ اپنے کمرے سے باہر آئی اعظم ملک اور معظم ملک بیرونی گیٹ کے قریب پہنچ چکے تھے جبکہ آسیہ' شگفتہ اور مرینہ بیگم پریشان سی لاؤنج میں کھڑی تھیں۔ باہر روڈ پر اب ریان اور سندان آپس میں لڑ رہے تھے جبکہ عائزہ زمین پر بیٹھی سر جھکائے رو رہی تھی۔

لمحوں میں زمین پاؤں تلے کیسے نکلتی ہے اس رات اس گھر کے مکینوں نے جانا تھا۔ اگلی صبح ریان اسپتال میں جبکہ سندان تھانے پہنچ چکا تھا' اک قیامت تھی جو اس رات اس گھر کے مکینوں پر گزری تھی۔

شگفتہ بیگم نے عائزہ کو بند کمرے میں اتنا مارا تھا کہ وہ بے ہوش ہوگئی تھی جبکہ معظم صاحب کے کندھے جھکے ہوئے اور آنکھیں بے حد سرخ اور نم تھیں' ان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھیں۔

اُدھر گاؤں میں اللہ وسایا صاحب ہر بات سے بے خبر جلد از جلد شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے' اعظم صاحب نے انہیں فوری شادی کی تاریخ دے دی تھی۔

❁......❁......❁

اس روز تین دن کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔ سوجے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کا پورا جسم جیسے درد کی لپیٹ میں تھا' اوپر سے کمزوری حد سے سوا ہو چکی تھی جبکہ ہونٹ یوں خشک تھے جیسے صدیوں پیاس کی اذیت برداشت کرتے رہے ہوں۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے اس نے نمبر ڈائل کیا تھا مگر اس کا نمبر آف جا رہا تھا' وہ زور سے آنکھیں میچتے ہوئے چپ چاپ رو پڑی۔

شام کو سندان نے خود اسے کال کی تھی' عائزہ سیل کی اسکرین پر جگمگاتے اجنبی نمبر کو نا چاہتے ہوئے بھی پک کر گئی۔

"ہیلو عائزہ!" درد کے صحرا میں اس کی آواز کسی ٹھنڈے جھرنے کی مانند اس کی سماعتوں میں اتری تھی' وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"سندان؟"

"ہوں' سندان بول رہا ہوں' پاپا نے مجھے لاک اپ سے نکلوا کر یہاں برطانیہ بھیج دیا ہے۔ ای بہت پریشان اور دلگرفتہ ہیں مگر تم پریشان مت ہونا' میں اتنی آسانی سے تم سے دستبردار ہونے والا نہیں ہوں۔" وہ اسے اپنے حالات سے متعلق آگاہی دے رہا تھا' عائزہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اگلے ہی پل اس نے بنا کچھ کہے کال کاٹ دی تھی کہ اس وقت اس میں کچھ بھی کہنے سننے کی ہمت نہیں تھی۔

تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ نارمل زندگی کی طرف واپس آئی تھی مگر یوں کہ گھر میں سوائے عینا اور مرینہ پھوپو کے کوئی بھی اس سے بات کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ریان کا زخم کافی بہتر ہو چکا تھا لہٰذا اس نے بھی آفس جانا شروع کر دیا تھا۔

اس روز زعیم کے گھر والے آئے تھے' عائزہ کو ساتھ لے کر شاپنگ کرنے کے لیے مگر اس نے خرابی طبیعت کا بہانہ بنا کر خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ عینا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ شوہر تھا تو وہ گیلی ریت کی مانند ہاتھ سے پھسلتا جا رہا تھا اور بہن تھی تو وہ کوئی بات سمجھنے اور سننے کو تیار نہیں تھی۔ اس کا گھر عجیب گردشوں میں گھر کر رہ گیا تھا۔ شب میں جس وقت وہ عائزہ کو رات کا کھانا دینے آئی' اس نے عینا سے عجیب فرمائش کر دی۔

"عینا۔" وہ کھانا رکھ کر پلٹ رہی تھی جب اس نے پکارا۔

"ہوں۔" وہ پلٹی اور اس کے قریب جا بیٹھی۔

"ریان بھائی کا زخم کیسا ہے اب؟"

"ٹھیک ہے مگر باتی لوگوں کے زخم بھرنے والے نہیں ہیں۔"

"میں جانتی ہوں اور اپنی حرکت پر بہت شرمندہ بھی ہوں بلکہ آج زعیم کے گھر والوں سے نہ ملنے پر بھی بہت شرمندگی ہے مجھے۔ پتا نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے' کیا تم مجھے اس کی بہن کا نمبر دے سکتی ہو تاکہ میں اس سے اپنی بدتمیزی کی معذرت کر لوں۔" قطعی بدلی ہوئی ٹون میں وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ عینا حیران رہ گئی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"سچ کہہ رہی ہوں' مجھے واقعی بہت شرمندگی ہے پلیز تم مجھے اس کی بہن کا نمبر دے دو۔"

"ٹھیک ہے' میں لاتی ہوں۔" عینا اپنی خوشی دباتی ہوئی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اگلے پانچ منٹ میں اس نے زعیم کی چھوٹی بہن کا نمبر اسے دے دیا تھا۔

"شکریہ عینا! تم واقعی میری بہت اچھی بہن ہو۔"

"اور تم میری بہت نادان بہن ہو' بہر حال کھانا کھا لینا میں کچن میں ہوں۔" اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں اسے ہدایت دیتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئی تھی' تبھی اس نے کچھ سوچتی نگاہوں سے زعیم کی بہن کا نمبر دیکھا اور آہستہ سے مسکرا دی۔

❁......❁......❁
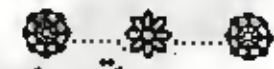
سردی اپنے پورے جوبن پر تھی۔ زعیم ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے ایک دوست کی شادی کی تقریب سے گھر واپس آیا تھا' اگلے چند دنوں میں اس کا ارادہ پیرس جانے کا تھا کہ اپنی شادی کے لیے تمام شاپنگ وہ باہر سے ہی کرنا چاہتا تھا۔ لباس تبدیل کر کے فریش ہونے کے بعد ابھی وہ بستر میں آیا ہی تھا کہ اس کی چھوٹی بہن بسمہ کا موبائل جو وہ اسی کے کمرے میں بھول گئی تھی بج اٹھا۔ اسکرین پر جگمگاتے اجنبی نمبر کی وجہ سے اس نے کال پک نہیں کی اور سیل کو وائبریٹ پر کر دیا مگر ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری بار بجتے سیل نے اسے کال اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا دوسری طرف سے عائزہ بول اٹھی تھی۔

"السلام علیکم! میں عائزہ بول رہی ہوں' سوری اس وقت آپ کو نیند سے ڈسٹرب کیا' اصل میں میں بہت پریشان ہوں۔ میرے گھر والے زبردستی آپ کے بھائی کے ساتھ میری شادی کر رہے ہیں' مجھے گاؤں اور گاؤں کے لوگوں میں بالکل بھی دلچسپی نہیں بلکہ مجھے دیہاتی زندگی سے عجیب سی نفرت ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات؟ میرا بالکل بھی گزارہ ممکن نہیں آپ کے بھائی کے ساتھ۔ اُف پسینے میں تر بتر مٹی سے لتھڑا وجود' میرا تو سوچ کر ہی دل خراب ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں کیسے برداشت کر پاؤں گی' لہٰذا پلیز آپ میری مدد کریں اور اپنے بھائی تک میرا پیغام پہنچا دیں' پلیز۔" اس کا دھیما مگر لجتی لہجہ زعیم کی سماعتوں میں زہر بن کر اترا تھا' وہ چاہنے کے باوجود اگلے کچھ لمحوں تک ایک لفظ بھی نہیں بول سکا۔

"اور ہاں میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں' شادی بھی اسی سے کروں گی لہٰذا بہتر ہوگا اگر آپ کا بھائی اور گھر والے خود اِدھر آ کر انکار کر جائیں ورنہ میں بہت ضدی لڑکی ہوں' کچھ بھی کر سکتی ہوں۔" اب وہ اسے دھمکا رہی تھی۔

زعیم کے سر میں ایک دم سے درد شروع ہو گیا' وہ بولا تو اس کا لہجہ بے حد بھاری تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ کرلیں جو کر سکتی ہیں مگر یہ شادی معطل نہیں ہوگی۔" اس کے بھاری لہجے نے عائزہ کی سماعتوں میں جیسے کرنٹ دوڑا دیا تھا' وہ اچھلی اور بے ساختہ سیل کان سے ہٹا کر اسکرین پر چمکتا نمبر دیکھا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" وہ گھبرائی' زعیم نے پلکیں موند کر سر بیڈ کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

"وہی اجڈ اور پینڈو شخص جس کے ساتھ آپ کے نصیب پھوٹنے والے ہیں۔"

"کیا......؟" ایک بار پھر وہ اچھلی' دل جیسے پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آنے کو مچل اٹھا تھا۔

"مگر یہ تو آپ کی بہن کا نمبر ہے۔"

"جی ہاں' انہی کا نمبر ہے مگر وہ اپنا سیل میرے کمرے میں بھول گئی تھیں' بہر حال آپ کا پیغام ڈائریکٹ مجھ تک پہنچ گیا ہے اور ایم سوری میں اس شادی سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں' آپ جو کر سکتی ہیں کر لیں۔"

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چلائی تھی۔ زعیم نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"میں کر بھی نہیں رہا' یہ رشتہ خالصتاً آپ کے اور میرے گھر والوں کی باہمی رضا اور خوشنودی سے طے ہوا ہے' میری ذات اس فیصلے میں شامل نہیں' نہ ہی میں ان

www.paksociety.com

دیہاتی مردوں میں سے ہوں جو شہر کی لڑکیوں کو ہوا بنا کر اعصاب پر سوار کیے رکھتے ہیں۔ یونیورسٹی کے چار سالوں میں بہت سی شہری لڑکیوں سے واسطہ پڑا ہے' میں جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں آپ جیسی خود پسند' گھمنڈی اور بے وقوف لڑکیوں کو۔"

"جسٹ شٹ اپ۔"

"یو شٹ اپ' بہتر ہوگا اگر آپ دوبارہ اس نمبر پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں وگرنہ میں بہت بُرا پیش آنے والوں میں سے ہوں۔" اس کے چلانے پر وہ خاصے سرد لہجے میں بولا تھا۔ عائزہ اس کے برف جیسے نفرت آمیز سرد لہجے پر جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی تھی۔

امید کا آخری چراغ بھی بجھتا دکھائی دے رہا تھا' اگلے ہی پل زعیم نے کال کاٹ دی' شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے کتنی ہی دیر چپ چاپ روتی رہی' کوئی بھی تو نہیں تھا گھر میں جو اس کی فیلنگز کو سمجھتا۔

سب شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے' کسی کو اس کی پروا نہیں تھی اس روز والے واقعے کے بعد تو وہ ویسے بھی اپنے ہی گھر میں جیسے اجنبی ہو کر رہ گئی تھی۔ اُدھر نفیسہ بیگم نے بناء سندان کو بتائے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا' عظیم صاحب نے اس بار ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا کیونکہ وہ خود بھی اکلوتے بیٹے کی حرکتوں سے بہت عاجز آ چکے تھے اور اب ریان کی طرف سے جو ایف آئی آر درج ہوئی تھی اسے بھی انہوں نے بڑی مشکل سے ختم کروایا تھا۔ نفیسہ بیگم اور وہ دونوں اب جلد از جلد سندان کی شادی کر کے ملک سے باہر سیٹل ہونے کا سوچ رہے تھے اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا کاروبار بھی سمیٹنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کسی طور دوبارہ اعظم ملک اور معظم ملک صاحب کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

اُدھر سندان ان کے ارادوں سے بے خبر اپنی ہی تدبیریں لڑانے میں مصروف تھا۔

❁……❁……❁

"پاپا میں ایبروڈ جا رہا ہوں چند دنوں کے لیے۔" روز ناشتے کی ٹیبل پر جب گھر کے سب افراد عائزہ کی شادی کو ڈسکس کر رہے تھے اس نے ایک دم سے دھماکہ کیا۔ اعظم ملک صاحب نے بے حد چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟"

"کچھ ضروری کام ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا' اعظم ملک صاحب کو اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے مگر پھر بھی انہوں نے اس سے بحث مناسب نہیں سمجھی۔

"ٹھیک ہے' مگر گھر میں شادی کی تقریب ہے اس موقع پر تمہارا موجود ہونا ضروری ہے۔"

"کیوں؟" اسے جیسے اچنبھا ہوا۔

"تم اس گھر کے بڑے بیٹے ہو' ہزار کام ہیں جو تمہارے دیکھنے والے ہیں۔"

"سوری پاپا! میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا' میری اپنی زندگی میں بہت سے مسائل ہیں' بہتر ہوگا اگر آپ مجھ سے اس سلسلے میں کوئی امید نہ رکھیں۔" لاتعلقی اور بیگانگی کے عروج پر تھا' اعظم ملک صاحب دکھ سے اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا' جانے اس گھر کو کس کی نظر لگ گئی تھی' ہر فرد پریشان کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اسی شام مرینہ بیگم نے اپنے بیٹے معید کو کال کی تھی وہ سو رہا تھا مگر مرینہ بیگم کی کال پر فوراً بیدار ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں آپ؟"

"کیسی ہو سکتی ہوں' جس کا جوان بیٹا اس کی آنکھوں سے کوسوں دور ہو۔" وہ یاسیت سے بولی تھیں' معید مسکرا دیا۔

"آنکھوں سے دور ہوں ناں' دل سے دور تو نہیں نا!"

"دو سال ہو گئے ہیں معید اور دو سال کم نہیں ہوتے۔"

"صرف دو سال...... نہیں امی صرف دو سالوں کی بات نہیں ہے' پچیس سال ہو گئے ہیں اس مسئلے کو۔"

"میں صرف تمہاری اور اپنی بات کر رہی ہوں۔" وہ بے ساختہ سٹپٹائی تھیں' معید گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"مگر میں صرف آپ کی اور اپنی بات نہیں کر رہا امی! آپ کو پتا ہے میری ہاؤس جاب چل رہی ہے یہاں گاؤں میں ابو نے میرے لیے ہسپتال بنوانا شروع کر دیا ہے وہ بہت کمزور اور تنہا ہو گئے ہیں امی! انہیں میری اور آپ کی ضرورت ہے' آپ بتائیں میں ایسے میں انہیں کیسے اکیلا چھوڑ کر آ جاؤں۔"

"وہ اکیلے نہیں ہیں ان کے اپنے ان کے پاس ہیں۔"

"وہ اپنے تو آپ کے پاس بھی ہیں امی! تو کیا آپ تنہا نہیں ہیں؟"

"میں اس وقت تم سے بحث کے موڈ میں نہیں ہوں معید! اگر تم اپنے باپ کے ساتھ خوش ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' آئندہ تمہیں فون نہیں کروں گی' اللہ حافظ۔" بے حد دل برداشتہ ہو کر انہوں نے نہ صرف کال کاٹ دی تھی بلکہ سیل ہی آف کر کے سائیڈ پر رکھ دیا' معید ان کی اس حرکت پر مسکرا کر رہ گیا۔

وہ آج بھی ویسی ہی تھیں جیسے پچیس سال پہلے تھیں' گزرنے والے ماہ و سال نے ان کے مزاج پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا' تبھی وہ بستر چھوڑ کر گھر سے باہر ڈیرے پر چلا آیا' جہاں مزمل ملک صاحب اپنے مزارعوں کے بیچ بیٹھے انہیں زمین سے متعلق کوئی خصوصی ہدایات دے رہے تھے۔ معید کو آتے دیکھ کر انہوں نے فوراً سب کو رخصت کر دیا۔

"السلام علیکم ابو!"

"وعلیکم السلام! آج اتنی جلدی بستر چھوڑ دیا' خیریت؟"

"ہوں' ایک لڑکی پسند آ گئی ہے آپ کے لیے' اب جلدی سے نکاح کی تیاری کر لیں بس۔" اس نے کہا اور وہ کھل کر ہنس پڑے۔

"باز نہ آنا اپنی حرکتوں سے' اصل بات بتاؤ شاباش۔"

"شہر جا رہا ہوں کل' امی کے پاس' اسی کی اطلاع دینے آیا تھا۔"

"خیریت...... یوں اچانک؟" وہ پریشان ہوئے' معید نے بے نیازی سے رخ پھیر لیا۔

"کیا کروں اکلوتی اولاد ہوں' دونوں کا سوچنا پڑتا ہے حالانکہ آپ دونوں نے تو میرا نہیں سوچا۔"

"اپنے باپ کو شرمندہ کر رہے ہو معید؟"

"نہیں شرمندہ نہیں کر رہا' اس غلطی کا احساس دلا رہا ہوں جو پچیس سال پہلے آپ نے کی۔"

"کیسی غلطی؟"

"امی کو ان کے حال پر چھوڑنے کی غلطی' جن سے محبت کی جاتی ہے انہیں ان کے حال پر نہیں چھوڑنا چاہیے' آپ کو روکنا چاہیے تھا انہیں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے میں نے نہیں روکا ہو گا اسے؟"

"روکا ہو گا مگر اس طرح سے نہیں کہ جس طرح سے روکنا چاہیے تھا۔" وہ دکھی دکھائی دے رہے تھے مگر معید نے پروا نہیں کی۔

"بہرحال امی کا فون آیا تھا ابھی' مجھے یاد کر رہی ہیں سوچا ایک دو روز ان کے پاس گزار آؤں۔"

"ہوں' اچھی بات ہے۔" اس بار یاسیت سے کہتے ہوئے انہوں نے نظر بدل لی تھی۔

معید گہری نظروں سے ان کی اداسی اور اضطراب کا معائنہ کرتا اگلے ہی پل وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❀......❀......❀

برطانیہ میں اس کا وہ دوسرا ہفتہ تھا جب اس روز عظیم حسن صاحب نے فون کر کے اسے بتایا۔

"ہم نے تمہاری شادی طے کر دی ہے سندان! کل نکاح ہے تمہارا' لہٰذا آج کسی بھی وقت کی فلائٹ سے پاکستان واپس آ جاؤ۔"

"کیا...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا؟" اس کے اعصاب پر جیسے کوئی بم گرا تھا مگر عظیم صاحب نے پروا نہیں کی۔

"تمہاری شادی کر رہے ہیں ہم اس میں اتنی حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟"

"مگر پاپا! میں عائزہ کے سوا کسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔"

"عائزہ کا نکاح ہو چکا ہے اسی لڑکے کے ساتھ جس کے ساتھ منگنی ہوئی تھی۔"

"نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو' ورنہ حقیقت میں ایسا ہو چکا ہے اور اب میں مزید تمہاری کوئی حماقت برداشت نہیں کروں گا اگر تم کل صبح تک گھر واپس نہیں آئے تو میں سچ کہہ رہا ہوں سندان! میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا' اللہ حافظ۔" بنا اس کی کیفیت کو سمجھے عظیم صاحب نے سفاک لہجے میں کہتے ہوئے کال ڈراپ کر دی تھی۔ سندان سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

کل صبح سے عائزہ کا نمبر بند جا رہا تھا اور ادھر اس کے دل کی دھڑکنیں تھیں کہ جیسے رکتی جا رہی تھیں۔

اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا' عائزہ ملک سے رابطے کی کوئی سبیل بھی نہیں تھی لہٰذا نا چاہتے ہوئے بھی اگلے روز اسے پاکستان واپس آنا پڑا۔ اُدھر گھر میں نفیسہ بیگم اور اس کی دونوں بہنوں نے مل کر اس کی شادی کی ساری تیاری مکمل کر لی تھی تاہم وہ نکاح کے وقت تک عائزہ کی گلی کے چکر لگاتا رہا تھا۔

عظیم صاحب نے شادی کی تقریب کے لیے ہوٹل بک کروا لیا تھا اور وہیں بے حد شاندار طریقے سے اس کا نکاح ہوا تھا' عظیم صاحب اور نفیسہ بیگم کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی خود اس کی دونوں بہنیں بھی بے حد مسرور تھیں مگر وہ خوش نہیں تھا۔ اس کا دل بے حد بجھا ہوا تھا ہلکے ہلکے بخار کے ساتھ اسے سر میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اپنی بیوی کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عظیم صاحب نے اس کے لیے اسی ہوٹل میں شب عروس کے لیے کمرا بک کروا دیا تھا' جہاں رات کے تقریباً تین بجے کے بعد اسے داخل ہونا نصیب ہوا تھا۔

گلاب اور موتیے کے تازہ پھولوں سے سجا بے حد دیدہ زیب کمرا اس وقت اپنی مثال آپ تھا مگر سندان نے کسی خوب صورتی کو محسوس نہیں کیا' وہ کمرے میں آنے سے دس منٹ پہلے تک عائزہ کو کال ملاتا رہا تھا مگر اس کا نمبر ہنوز بند مل رہا تھا۔ تبھی وہ بوجھل قدموں کو گھسیٹتا کمرے تک آیا تھا۔ جہاں تازہ پھولوں کے درمیان بیڈ کے وسط میں بیٹھی زرنگار گھونگھٹ گرائے خود بھی کسی خوب صورت پھول سے مختلف نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے ایک نظر اس کے خوب صورت سراپے پر ڈالی پھر گہری سانس بھرتے ہوئے کمرے کو لاک کر دیا۔ بوجھل اعصاب کے ساتھ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی ہونے والی اس ہمسفر لڑکی سے کیا کہے' تبھی اس نے اسے سب بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"السلام علیکم!" قدرے فاصلہ رکھ کر وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔ زرنگار نے سر ہلا کر سلام کا جواب دے دیا' تبھی وہ بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس وقت آپ سے کیا کہوں کیونکہ نہ تو میری آپ کے ساتھ کوئی انڈر سٹینڈنگ رہی ہے نہ میں آپ کو جانتا ہوں بلکہ جانتا کیا میں نے تو ابھی تک آپ کو دیکھا بھی نہیں۔ آپ سے میری ایمرجنسی شادی خالصتاً میرے ماں باپ کی مرضی اور پسند سے ہوئی ہے ورنہ کل تک تو مجھے پتا بھی نہیں تھا کہ میری شادی ہونے والی ہے' اصل میں میرے پاپا اور مما نے مل کر یہ سب پلان کیا اور میرے لیے کوئی راہ فرار نہیں چھوڑی بہرحال میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا' میں جانتا ہوں آپ کو بہت تکلیف تو ہو گی مگر یہ سچ ہے کہ میں کسی اور لڑکی سے پیار کرتا ہوں' یہ میری بدنصیبی تھی کہ میں چاہتے ہوئے بھی اسے حاصل نہیں کر سکا اور وہ کسی اور کے نام سے منسوب ہو گئی۔" بولتے بولتے ایک دم سے اس کا لہجہ بھرا گیا مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔

"خیر میں پوری کوشش کروں گا کہ میری وجہ سے آپ کو کبھی کسی دکھ کا سامنا نہ کرنا پڑے' میں زندگی میں کچھ بھی اچھا نہ کر سکا' کوشش کروں گا کہ شوہر کا رول ضرور اچھا

کرسکوں۔" اس کا لہجہ ہنوز گمبھیر تھا' زرنگار نے آہستہ سے سر اٹھا کر خود ہی گھونگھٹ پلٹ دیا وہ صرف بے تحاشا خوب صورت نہیں تھی بلکہ اس کا ساحرانہ حسن سامنے والے کے گرد عجیب سا حصار باندھ کر اسے بے خود کردیتا تھا اور اب تو بات ہی اور تھی۔

دلہن کے روپ نے اس کے قیامت خیز حسن کو مزید چار چاند لگادیے تھے' یہی وجہ تھی کہ سندان جو ابھی مزید اسے اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا ایک دم سے ساکت ہوکر اسے دیکھتا رہ گیا' واقعی اس کی ماں نے اس کے لیے کوئی ہیرا نہیں بلکہ گوہر نایاب تلاش کیا تھا۔ اسے اس لمحے اپنا دل بہت شدت سے دھڑکتا محسوس ہورہا تھا' تبھی فوراً سے پیشتر ایک عجیب سا اضطراب محسوس کرتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کر باہر روڈ کی جانب کھلنے والی ونڈو میں آ کھڑا ہوا۔ باہر سڑک کے اس پار رنگ و نور کا ایک سیلاب تھا جو رات کے اس پہر بھی کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا تبھی زرنگار بیڈ سے اٹھی اور ڈریسنگ کے سامنے آ کھڑی ہوئی' سندان نے دیکھا وہ ایک ایک کرکے اپنا زیور اتار رہی تھی تبھی وہ اس کے قریب آیا۔

"یہ کیا کررہی ہیں آپ؟"

"زیور اتار رہی ہوں' بہت تھکن محسوس ہورہی ہے۔" بناء اس کی طرف دیکھے اس نے ایسے انداز میں کہا کہ جیسے ان دونوں کے درمیان صدیوں کی شناسائی ہو' وہ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"ہوں' ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔" اسے آرام کی تلقین کرکے وہ خود نیچے ہال میں آ گیا اور پھر رات گزری نہیں تھی رات نے اسے گزارہ تھا۔

لمحہ بہ لمحہ سسکتے اور سلگتے ہوئے...... اذیت کی بھٹی میں جل جل کر......

❁......❁......❁

اس کے سیل پر کب سے بیل رنج رہی تھی۔ وہ باتھ لے کر واش روم سے نکلا تو اس کا سیل بج بج کر بند ہوچکا تھا' سندان نے جھک کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے سیل اٹھایا' کوئی اجنبی نمبر تھا اس نے سیل دوبارہ سائیڈ پر پھینک دیا۔

زرنگار سادا کپڑوں میں ملبوس سامنے ہی صوفے پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی' وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالتا ابھی کمرے سے باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ سیل پھر سے بج اٹھا۔

"ہیلو۔" تیسری بیل پر اس نے کال پک کرلی تھی' دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی پھر عائزہ کی آواز سنائی دی۔

"شادی کی بہت بہت مبارک ہو سندان حسن!" اس کا لہجہ بیٹھا ہوا تھا۔ سندان کا دل پوری شدت سے دھڑک اٹھا۔

"عائزہ......" جیسے تڑپ کر اس نے پکارا تھا سامنے صوفے پر بیٹھی زرنگار لغاری کا چونک جانا لازمی تھا۔

"کیسی ہو تم؟ یقین کرو میں اس شادی میں ایک فیصد بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں یہ سب امی اور ابو کا پلان تھا میں صرف تمہیں......" وہ اپنی صفائی میں ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی دوسری طرف سے کال ڈراپ کردی گئی۔ سندان کو لگا جیسے کسی نے اس کے منہ سے آکسیجن کھینچ لی ہو۔

ہلکا ہلکا بخار تو اسے پہلے ہی تھا' شام میں ولیمے کی تقریب تک وہ تیز بخار میں مبتلا ہوچکا تھا' اگلے تقریباً ڈیڑھ ہفتے تک وہ ٹائیفائیڈ کا شکار رہا۔ ڈیڑھ ہفتے کے بعد اس کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو عظیم صاحب نے اس کا ہنی مون سیٹ کردیا۔ وہ سندان اور زرنگار کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب رہنے کا موقع دینا چاہتے تھے مگر تاحال دونوں ندی کے دو کناروں کی مانند تھے۔

عظیم صاحب اور نفیسہ بیگم کی خواہش تھی کہ وہ دونوں اپنا ہنی مون پیرس' استنبول یا آسٹریلیا میں منائیں تاکہ عائزہ نامی لڑکی کے نکاح کا جو جھوٹ ان دونوں نے سندان سے بولا تھا اس کا پول نہ کھلے مگر زرنگار نے ہنی مون کے لیے ملک سے باہر جانے سے صاف انکار کرتے ہوئے شمالی علاقہ جات کے حق میں

اپنا ووٹ دے دیا' لہٰذا ان کی شمالی علاقہ جات کے لیے سیٹ کنفرم ہوگئی۔

اس روز سنڈے تھا جب وہ مری پہنچے تھے' سندان نہیں پڑاؤ ڈال کر آگے سفر کا ارادہ رکھتا تھا' جس وقت وہ گھر سے مری کے لیے نکلے تھے ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی۔ مری پہنچنے تک یہ ہلکی ہلکی بارش موسلا دھار بارش کا روپ اختیار کرگئی۔ مری میں سندان کا اپنا فلیٹ تھا لہٰذا کسی ہوٹل وغیرہ میں قیام کی بجائے اس وقت موسم کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ سیدھا اسی فلیٹ پر چلا آیا تھا' زرنگار نے تمام راستے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ ایک خاموش مجسمے کی مانند تھی۔

شادی سے لے کر اب تک سندان نے نا اسے کسی کے ساتھ بلا ضرورت بولتے سنا تھا نہ اس کے سوا اس نے اپنے کسی سسرالی کو اپنے گھر میں دیکھا تھا۔ یہ ساری باتیں اب ڈرائیونگ کے دوران اس کے دماغ میں آرہی تھیں ورنہ پچھلے پندرہ دنوں میں تو بخار نے اسے اس قابل چھوڑا ہی نہیں تھا کہ وہ کسی چیز پر غور کرتا۔ اگلے تقریباً بیس منٹ تک گاڑی سے نکل کر فلیٹ تک آتے اور پھر فلیٹ کا لاک کھولتے وہ دونوں بُری طرح سے بارش میں بھیگ چکے تھے۔ زرنگار جو پہلے ہی قیامت خیز سراپا کی مالک تھی اس وقت اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔

اگلے پندرہ منٹ میں وہ کپڑے تبدیل کرچکی تھی مگر پھر بھی سندان کے اعصاب پرسکون نہیں ہوسکے تھے' جیسی طبیعت کا وہ مالک تھا اس کا حسن اسے بہت بُری طرح سے ڈسٹرب کررہا تھا۔

رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے کا ٹائم تھا جب وہ کھانا کھا کر چائے پینے کے بعد بستر پر آیا تھا۔ زرنگار اس سے پہلے ہی لیٹ چکی تھی' تبھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کرلیا۔ شادی کی پہلی رات کے بعد وہ دوسری مرتبہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کررہا تھا۔

زرنگار کا سر اس کے بازو پر آ ٹکا مگر اس نے نظریں اٹھا کر سندان کی طرف نہیں دیکھا تھا جو اسے بازوؤں کے حلقے میں لیے بہت دھیمے لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔

"آپ اتنی خاموش کیوں رہتی ہیں زرنگار! کیا یہ شادی آپ کی مرضی سے نہیں ہوئی؟"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیا میں پسند نہیں آیا؟"

"میں نے تو ایسا نہیں کہا۔"

"ہاں آپ نے نہیں کہا مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے آپ اس شادی سے خوش نہیں ہیں۔"

"آپ کی اپنی سوچ ہے' میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ ہنوز بے نیازی کا مظاہرہ کررہی تھی۔ سندان نے گہری سانس بھر کر اس موضوع کو چھوڑ دیا۔

"اوکے' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے ہنی مون کے لیے یہاں آنے کو کیوں ترجیح دی؟"

"جی ہاں' مجھے کچھ دکھانا تھا آپ کو۔"

"کیا؟" وہ چونکا تھا زرنگار اٹھ بیٹھی۔

"یہاں اس شہر میں کچھ ایسا ہے جو میں آپ کو دکھانا چاہتی ہوں۔"

"اچھا...... کیا دکھانا چاہتی ہو؟" اب وہ حیران ہورہا تھا وہ بیڈ سے اتر گئی۔ باہر بارش اب تھم گئی تھی مگر سرد ہواؤں کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔

"چلیں......"

"کہاں؟" زرنگار کی حرکات اسے حیران کررہی تھیں وہ اٹھ بیٹھا۔

"چلیں گے تو پتا چلے گا۔" وہ ازحد سنجیدہ تھی۔ سندان کے اندر تجسس کی لہر دوڑ گئی۔

"اوکے چلو۔" اگلے ہی پل وہ بھی بیڈ سے اتر آیا تھا' زرنگار گرم شال لپیٹ کر باہر روڈ پر نکل آئی۔ سندان ازحد حیران سا اس کے ساتھ چل پڑا' تقریباً بیس منٹ پیدل چلنے کے بعد وہ ایک مکان کے سامنے رک گئی تھی۔

"اس جگہ کو پہچانتے ہیں آپ؟" عجیب سرد سے لہجے میں اس نے پوچھا تھا' سندان کا خون جیسے اس کی رگوں میں منجمد ہوگیا مگر زرنگار نے اس کے چہرے پر دوسری نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ کر دروازے پر پڑا لاک کھول دیا۔ بناء

کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے وہ اس تاریک مکان میں داخل ہوگئی تھی۔ سندان کو لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔ بے حد سرد ہواؤں کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے ابھر آئے تھے۔

زرنگار اب اندر کسی ہال نما کمرے کی لائٹ آن کررہی تھی وہ وہیں کھڑا رہا تبھی وہ پلٹی تھی اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر لے آئی۔

"یہ کمرا تو یاد ہوگا آپ کو میں دو سال یہاں رہی ہوں اور ان دو سالوں میں ایک رات بھی نیند میرے پاس نہیں آئی یہاں اس بستر سے وہ سامنے بالکونی اور پچھلی راہ داری سے شام ہوتے ہی عجیب سی چیخوں اور گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز آتی ہے۔" وہ بول رہی تھی اور اس کا لہجہ ایک دم سے بھرا گیا۔

"کچھ یاد آیا آپ کو کیا ہوا تھا یہاں؟" اب وہ پلٹ کر سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ سندان کا جسم ہولے سے کپکپا اٹھا اس کے لبوں پر جیسے چپ کے قفل لگ گئے تھے۔

"کیا قصور تھا اس کا؟ صرف یہی کہ اس نے آپ سے پیار کیا تھا اعتبار کیا تھا...... مگر آپ نے کیا کیا؟ اس کے اعتبار کے ساتھ ساتھ اس کی عزت محبت اور شرافت کی بھی دھجیاں اڑادیں...... کیوں؟" وہ چلائی تھی اور سندان کے جسم سے جیسے رہی سہی جان بھی نکل گئی کسی کٹے ہوئے درخت کی مانند بیڈ کے کنارے پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے وہ بیٹھتا چلا گیا۔

"پتا نہیں۔" بمشکل اس کے لبوں سے نکلا تھا زرنگار کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں انسان جو کرتا ہے اس کا اسے کبھی حساب نہیں دینا پڑے گا اچھے اور برے اعمال کبھی پلٹ کر نہیں آتے؟ کیا لگتا ہے آپ کو وہ جو ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا ہے وہ یونہی چھوڑ دے گا آپ کو...... نہیں انسان جب اس کی پکڑ میں آتا ہے تو پھر کہیں امان نہیں ملتی اسے آپ کو بھی نہیں ملے گی۔ ایک دن یونہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاؤ گے آپ بھی مگر کوئی آپ پر ترس نہیں کھائے گا۔" اب وہ چلاتے ہوئے اسے بددعائیں دے رہی تھی۔ سندان کو لگا جیسے وہ گہری کھائیوں کے پاتال میں جاگرا ہو اس کے اعصاب اس وقت مکمل طور پر سن ہوچکے تھے بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تھا۔

"کون ہو تم؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کون ہوں؟"

"ثانیہ کو کیسے جانتی ہو؟"

"بہن تھی میری ابو کی وفات کے بعد ہمارے گھر کی واحد کفیل۔" الفاظ نہیں تھے کوئی نشتر تھا جو ایک دم سے اس کے دل میں پیوست ہوگیا تھا اس کے کندھے بھاری بوجھ تلے دبے جارہے تھے جبکہ آنکھوں میں سرخی چھاگئی تھی۔

بہت گہرا وار کیا تھا اس کی تقدیر نے اس پر اور وہ جو جوانی کے نشے میں چور زندہ جاوید دھڑکتے دلوں کو ویران مقبروں میں تبدیل کردیا کرتا تھا تقدیر کے اس وار پر چاروں شانے چت ہوکر گر پڑا۔

❁......❁......❁

ثانیہ نصیر سے اس کا تعلق بہت پرانا نہیں تھا۔ اس کا نمبر اس کے دوست فہیم کے سیل میں تھا جو اس نے اس شاپ سے حاصل کیا تھا جہاں سے وہ لوڈ وغیرہ کرواتی تھی صرف ثانیہ ہی نہیں بہت سی دوسری اچھے گھروں کی لڑکیوں کا نمبر بھی اسی شاپ والے کی مہربانی سے لیک ہوا تھا۔ فہیم کے بقول ثانیہ بے حد مغرور اور بدتمیز لڑکی تھی۔

اسی نے سندان کو اس کا نمبر دیا تھا کہ وہ اس پر ٹرائی مارے اور سندان نے بھی صرف دوست کی نظر میں اپنا جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے اس پر لائن مارنی شروع کردی تھی وہ ایک بے حد حساس اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی اس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ سندان جانتا تھا کہ ایسی لڑکیوں کی عقل کیسے نکالی جاتی ہے لہٰذا اس نے اسے بے حد عزت دلو قیر دینی شروع کردی تب تک عائزہ ملک اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔

ثانیہ ایک پرائیوٹ اسکول میں ٹیچر تھی اور کچھ گھروں میں ٹیوشن پڑھانے بھی جاتی تھی سندان کو اس کے گھریلو حالات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو بس اس کا غرور خاک میں ملانا چاہتا تھا لہٰذا روز بن سنور کر گاڑی لے کر وہ اس کے پیچھے نکل جاتا تھا مگر یوں کہ کسی کو پتا نہ چلے اور نہ ہی ثانیہ کی رسوائی ہو۔ ثانیہ بہت زیادہ دنوں تک اسے نظر انداز نہیں کرسکی تھی کیونکہ جس طرح کے حالات سے وہ گزر رہی تھی اس میں ایک امیر کبیر خوب صورت لڑکے کا اس کے پیچھے پھرنا بہت بڑی بات تھی ہر مجبور اور بے بس لڑکی کی طرح اسے بھی اپنی مشکلات اور مصائب کا حل کسی امیر گھرانے کے اچھے لڑکے سے شادی کرنے میں ہی نظر آیا تھا۔ لہٰذا تقریباً تین ہفتوں کے بعد پہلی بار اس نے اسے اپنے راستے میں کھڑا دیکھ کر ٹوکا تھا اور اسی وقت سندان نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اس سے فون پر بات کرلیا کرے گی تو وہ آئندہ اسے سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا نظر نہیں آئے گا۔

ثانیہ نے اس کی بات مان لی تھی اور یہیں سے اس کی بربادی کا آغاز ہوا تھا ثانیہ جیسی حساس اور بے حد ذمہ دار لڑکی کو محبت کا دانہ ڈال کر اگلے دو ماہ میں ہی اس نے اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ اس کی چاہت کے جواب میں وہ بھی اسے چاہنے لگی تھی اور جب اسے پتا لگا کہ وہ بھی اسے چاہنے لگی ہے اس نے اس سے ملنے کا تقاضا شروع کردیا۔ ثانیہ نے شرط رکھی کہ پہلے وہ اپنے گھر والوں کو رشتے کے لیے بھیجے پھر وہ اس سے ملے گی اور سندان نے بہت ٹال مٹول کے بعد بالآخر ایک عورت کو پیسے دے کر اپنی فرضی ماں بنا کر اس کے گھر بھیج دیا بات پکی ہوگئی ثانیہ کے گھر میں کوئی ایسا مرد نہیں تھا جو اس کی تحقیق کرتا اور تحقیق کرتی بھی کیوں تھی جب ثانیہ کا دل بھی سندان کا وکیل بن کر اس کے مقابل آگیا تھا۔

زرنگار اس وقت میٹرک کی طالبہ تھی بہن کی آنکھوں کے چمکتے جگنو اسے بھی خوش کردیتے تھے گھر میں ایک انقلاب سا آگیا تھا وہ ساری ساری رات جاگ کر اپنی بہن کی خوشیوں کے لیے دعا کرتی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ ایک غلط رستے سے بھلا صحیح منزل کیسے مل سکتی تھی؟

ثانیہ کی شرط پوری ہوچکی تھی سندان نے خود کو اس کی نظروں میں سرخرو کرلیا تھا رشتہ بھیج کر۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس کی ماں ایک بے حد مصروف سوشل خاتون ہے وہ بار بار ان کے گھر کے چکر نہیں لگاسکتی اور چونکہ یہ رشتہ خاص اس کی پسند پر ہوا ہے لہٰذا وہ فون وغیرہ پر بھی ابھی بات نہیں کریں گی۔

ثانیہ اس بات کو سمجھ سکتی تھی سندان اور اس کے اسٹیٹس میں جو فرق تھا وہاں ایسی بات غلط ہو بھی نہیں سکتی تھی اس کے لیے تو یہی کافی تھا کہ سندان نے بمشکل ہی سہی اپنی ماں کو منا کر اس کے گھر بھیج دیا تھا وہ اس کی انگلی میں سندان کے نام کی انگوٹھی ڈال گئی تھیں۔ اسے یقین تھا وہ اپنی محبت اور خدمت گزاری سے ایک روز اس کے گھر والوں کا دل جیت لے گی اس روز ٹیوشن سے واپسی پر وہ شادی کی شاپنگ کی غرض سے اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس کے دوست اس کی ہر سرگرمی سے واقف تھے اور اسے سیلوٹ پیش کررہے تھے اسی روز شاپنگ سے واپسی پر پہلی بار سندان نے ثانیہ کی عصمت پر ہاتھ ڈالا تھا اس کے لاکھ نہ چاہنے اور احتجاج کرنے کے باوجود اس نے اپنی ضد پوری کی تھی یہ تسلی دے کر کہ ابھی چند روز کے بعد تو ان کی شادی ہو ہی جانی ہے۔ ثانیہ اس رات ایک پل کے لیے بھی نہیں سوسکی تھی رات بھر اس کا تکیہ اس کے آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا اور اُدھر سندان نے وہ رات اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ اپنی جیت کے نشے میں چور موج مستی کرتے ہوئے گزاری تھی۔

گناہ صرف وہی نہیں ہوتا جو انسان کی ہوس اور خواہشات کرواتی ہیں بلکہ گناہ وہ بھی ہوتا ہے جو انسان کے حالات اور مجبوریاں اسے کرنے پر مجبور کردیں۔ اس روز کے بعد سندان کی توجہ اور محبت میں کمی آگئی تھی اس کی خود ساختہ مصروفیات نے اسے ثانیہ سے دور کردیا تھا دن بھر پچاس کالز کرنے والا اب صرف ایک کال پر آگیا تھا وہ بھی بے حد مختصر......

اس شخص نے اس بے لوث محبت کرنے والی خوددار

لڑکی کی عصمت کی قیمت صرف ایک انگوٹھی اور چند جوڑے کپڑوں میں ادا کردی تھی۔ زندگی پہلے ہی سہل نہیں تھی اور اب اس شخص نے اسے اور بھی مشکل بنا دیا تھا۔

زرنگار ثانیہ کی ہر بات سے باخبر ہوچکی تھی وہ اس سے لڑی بھی تھی مگر وہ اس کے لیے کچھ کر نہیں سکتی تھی ورنہ جس روز پہلی بار اس نے سندان حسن کو دیکھا تھا اس نے اسی روز ثانیہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ شخص اس کے لائق نہیں ہے مگر ثانیہ محبت کے جس سفر پر چل نکلی تھی اس سفر سے مکمل بربادی تک اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

اس کی ماں اب اس کی شادی پر زور دے رہی تھی اور اُدھر سندان یوں لاتعلق ہوگیا تھا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔ ثانیہ ان دنوں بہت زیادہ پریشان رہنے لگی تھی تین ماہ اسی پریشانی کی نذر ہوگئے۔ اسکول میں اس کی کارکردگی بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی مسلسل سوچوں اور پریشانی کے سبب ٹیوشن کے دو تین گھر بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔

ایک کے بعد ایک مشکل تھی' تبھی ایک روز طبیعت خراب ہونے پر اسے پتا چلا کہ وہ امید سے ہے۔ سر پر آسمان کیسے ٹوٹتا ہے اس روز اسے پتا چلا تھا۔ زرنگار اس وقت اس کے ساتھ تھی اور اس کی آنکھوں کے سامنے بھی جیسے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ہر لمحہ ان دونوں بہنوں کی فکر میں گھلتی مجبور ماں کا چہرہ اسے بلک بلک کر رونے پر مجبور کر رہا تھا۔ ثانیہ نے اپنی صفائی پیش کی تھی مگر اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ سندان حسن کے ساتھ ساتھ اسے اپنی بہن سے بھی بے حد نفرت اور کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

شاید اس کی نفرت نے ہی ثانیہ کو سندان سے لڑنے پر مجبور کیا تھا اور اس روز وہ اس کی یونیورسٹی پہنچ گئی تھی جہاں سے اسے سندان کے باپ کے آفس کا پتا ملا تھا۔ اس نے سندان کو دھمکی دی کہ اگر اس نے اسے قبول نہ کیا تو وہ یونیورسٹی میں سب کو بتانے کے بعد اس کے باپ کے آفس پہنچ جائے گی اور یہی وہ دھمکی تھی جس پر سندان نے اس سے جلد شادی کی ہامی بھری تھی اس نے کہا تھا کہ فی الحال اس کے ماں باپ اس کی شادی کے لیے راضی نہیں ہیں' تاہم وہ اس سے کورٹ میرج کرلے گا اور اس کے لیے اسے اس سے تعاون کرنا ہوگا۔

مشکلوں اور مصیبتوں میں گھری ثانیہ کے لیے یہ تسلی بھی بہت تھی لہٰذا اس نے ایک مرتبہ پھر دھوکے کی سیڑھی پر قدم رکھ دیے۔ سندان نے اسے بتایا تھا کہ اس کا ایک دوست مری میں رہتا ہے وہاں اس کا اپنا ذاتی گھر ہے وہ اسی دوست کے پاس جاکر نکاح کرلیتے ہیں۔ واپسی پر سب کو نکاح کا بتادیں گے ثانیہ مان گئی تھی مگر اسے اپنی ماں اور بہن کی فکر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی ماں اور بہن سے یہ بات شیئر کی تو وہ کبھی بھی اسے سندان کے ساتھ دوسرے شہر جانے نہیں دیں گی مگر اس کے لیے اس وقت سندان پر اعتبار کرنا اور اس کے ساتھ نکاح کے بندھن میں بندھنا بہت ضروری تھا۔

جو نادانی وہ کر بیٹھی تھی اس نادانی کو زیادہ دن تک چھپانا اس کے لیے ممکن نہیں تھا اور اس سے پہلے کہ ساری دنیا اس پر اور اس کے گھر والوں پر تھوتھو کرتی وہ اس نادانی کو سندان کے جائز رشتے کا نام دے دینا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے جھوٹ کا سہارا لیا اور گھر میں یہ کہہ کر کہ اس کی بہت قریبی دوست اور کولیگ کی شادی ہے جس میں اسکول کا سارا اسٹاف مدعو ہے لہٰذا اس کا جانا بھی ضروری ہے اپنی دانست میں اپنی ماں اور بہن کو مطمئن کردیا تھا مگر خود اس کا اپنا دل مطمئن نہیں تھا مگر ایک بہت بڑی تباہی سے خود کو بچانے کے لیے اس نے بہت بڑا رسک لیا تھا اور پھر ہار گئی تھی۔ سندان نکاح کی غرض سے اسے اپنے جس دوست کے فلیٹ پر لے کر آیا تھا وہاں اس کے تین عدد دوست پہلے سے ہی اسے بھنبھوڑنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

سندان سارے راستے ان سے رابطے میں رہا تھا اور ثانیہ کے سامنے نکاح سے متعلق باتیں کرتا رہا تھا' کبھی مولوی صاحب کے پہنچنے کا پوچھتا' کبھی گواہوں کے لیے دوستوں کا پوچھتا کہ سب پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔ پورے راستے اس نے ثانیہ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی مگر مری پہنچنے کے بعد اس مکان کے اندر اس نے اور اس کے

دوستوں نے کیا کیا نہیں کیا تھا اس معصوم لڑکی کے ساتھ وہ آج بھی سوچتا تھا تو اس کی روح کانپ جاتی تھی مگر اس وقت اسے کوئی احساس نہیں تھا۔ پورے تین دن ثانیہ نصیر اس گھر میں اور اس کے دوستوں کے ساتھ رہی تھی اور چوتھے دن وہ اسے اسی گھر میں بے ہوش چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے تھے۔ اس نے ثانیہ سے کہہ دیا تھا کہ اب اگر وہ چاہے تو اس کے باپ کے آفس جاکر اس کی شکایت کرسکتی ہے مگر اسے چپ لگ گئی تھی۔

وہ وہاں اس گھر سے کب اور کیسے نکلی وہ نہیں جانتا تھا مگر اسے اتنا ضرور پتا لگا تھا کہ ثانیہ نے اسی مکان میں خودکشی کرلی تھی۔ سندان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی اس لڑکی کی بہن سے شادی کرے گا' کتنا بڑا مذاق کیا تھا تقدیر نے اس کے ساتھ کہ وہ اپنی بیوی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ زرنگار اب چہرہ دھونے کے بعد اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''تم نے اور تمہارے دوستوں نے میری بہن کو صرف اس لیے ذلت کی موت دی کہ وہ ایک مجبور اور بے آسرا لڑکی تھی مگر میں مجبور اور بے آسرا نہیں ہوں۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ یہ گھر اب میری ملکیت ہے' تم دیکھنا سندان حسن کہ ثانیہ نصیر کی بہن تمہاری زوجیت میں تمہارے گھر رہتے ہوئے تمہارے ساتھ کیا کیا کرتی ہے۔'' وہ اسے دھمکی نہیں دے رہی تھی مگر اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ وہ اسے بے بس نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

اسی روز رات میں اسے اپنی ماں سے پتا چلا تھا کہ زرنگار سے اس کی شادی ڈیڑھ کروڑ روپے کے حق مہر کے عوض ہوئی تھی صرف عائزہ سے چھٹکارا پانے کی جلدی میں انہوں نے زرنگار کی طرف سے ہر طرح کی شرط کو قبول کیا تھا۔ وہ یہ سب نہ بھی کرتی تب بھی وہ اسے چھوڑنے والا نہیں تھا جو گناہ اس سے سرزد ہوئے تھے اب یہ لازم تھا کہ وہ ان کی سزا پاتا۔

مری میں اس کے قیام کا وہ دوسرا دن تھا جب شدید ذہنی انتشار کے سبب وہ روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگیا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی پر گہری ضرب آئی تھی۔ عظیم صاحب اور نفیسہ بیگم پر تو جیسے قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ پورے تین دن آئی سی یو میں دن رات ڈاکٹرز کی نگہداشت میں رہنے کے بعد چوتھے روز اسے ہوش آیا تھا اور تب سے جیسے ایک مستقل چپ اس کے ہونٹوں پر جم کر بیٹھ گئی تھی۔

❁.......❁.......❁

عائزہ کی شادی کی تاریخ فکس ہوگئی تھی۔ گھر میں آج کل سوائے اس کی شادی کے دوسرا کوئی موضوع نہیں تھا لہٰذا اس نے خود کو کمرے میں بند کرلیا تھا' گھر والوں نے اس پر موبائل فون یا لینڈ لائن نمبر سے کوئی بھی کال کرنے پر سخت پابندی عائد کردی تھی۔ ایسے میں صرف رہ رہ کر سندان کا خیال آتا تھا کہ وہ کہاں ہوگا؟ کیسا ہوگا؟ بے بسی سی بے بسی تھی اسکے بس میں ہوتا تو وہ گاؤں جاکر اس چینڈو شخص کا گلہ گھونٹ آتی جو اس کی مرضی کے بغیر اس سے شادی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

ابھی یہ اذیت باقی تھی کہ اس روز اس کی ایک کلاس فیلو گھر پر اس سے ملنے چلی آئی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے عائزہ سے کہا تھا۔

''عائزہ سچ پوچھو تو مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ تمہاری اور سندان کی شادی نہیں ہو رہی' جس طرح تم اس کے ساتھ اور وہ تمہارے ساتھ سیریس تھا' ہمیں لگتا تھا کہ تم دونوں ضرور شادی کروگے چاہے کچھ بھی ہوجائے۔''

''تقدیر ہمارے تابع نہیں ہوتی سعدیہ! ورنہ سندان نے تو اپنے گھر والوں کو بھیجا تھا۔''

''اچھا' پھر......؟''

''پھر کیا' میرے گھر والے نہیں مانے۔'' سعدیہ کی حیرت پر بہت یاسیت سے اس نے اسے اطلاع دی' تبھی وہ بولی تھی۔

''اوہ شاید اسی لیے وہ ثانیہ کی بہن سے شادی پر مان گیا ہوگا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یار! کل اس کی شادی ہوئی ہے' ثانیہ کی بہن

ہے' کیا تمہیں نہیں بتایا اس نے؟" کوئی جسم سے روح کیسے کھینچ کر نکالتا ہے عائزہ نے اس وقت جانا تھا۔

"نہیں' میری بات نہیں ہوئی اس سے۔" بہت مشکل سے سن اعصاب کے ساتھ وہ بول پائی تھی۔ سعدیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کمال ہے' سارے یونیورسٹی فیلوز کو پتا ہے اصل میں وہ ابیروڈ گیا ہوا تھا کل شام ہی واپسی ہوئی ہے اس کی اور رات نکاح اور رخصتی کی تقریب بھی ہوگئی۔ بہت پیارا لگ رہا تھا مگر اسکی بیوی اس سے بھی زیادہ پیاری ہے' مت پوچھو یار! کل وہ دلہن بن کر کتنا غضب ڈھا رہی تھی۔" بنا اس کی دلی حالت کی پروا کیے وہ اسے پوری رپورٹ دے رہی تھی اور ادھر عائزہ کو لگا جیسے وہ زمین میں دھنستی جارہی ہو اور اس پر ملبہ گرتا جارہا ہو۔

"ثانیہ کو تو جانتی ہو ناں تم' وہی بے چاری غریب ٹیچر جسے سندان اور اس کے دوستوں نے مل کر برباد کردیا تھا۔ اسی کی بہن ہے زرنگار' جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے۔" یہ ایک نئی اطلاع تھی اس نے بے ساختہ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہو' سندان نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"ہوں' وہ تو یہی کہے گا مگر جس پر یہ قیامت ٹوٹی تھی اس نے خود رو رو کر اپنی بہن کو وہ ساری داستان سنائی تھی۔ سنا ہے اس کے گھر بھی سندان نے کسی عورت کو فرضی ماں بنا کر بھیجا تھا اور بعد میں اس بے چاری لڑکی کو اتنا ذلیل کیا کہ اس نے خودکشی کرلی۔ خدا کا واسطہ ہے عائزہ! اب اس جادوگر کے سحر سے نکل آؤ اس نے واقعی تمہارے ساتھ بھی چیٹ کیا ہے' بالکل اسی طرح جس طرح وہ تم سے پہلے سینکڑوں لڑکیوں کے ساتھ کرچکا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کسی صورت ثانیہ کی حسین وجمیل بہن کے ساتھ شادی نہ کرتا' تم تو جانتی ہو وہ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے' بھلا اس کی مرضی کے بغیر اس کے ماں باپ کہیں اور اس کی شادی کرسکتے ہیں؟" سعدیہ اس کی بے حد مخلص دوست تھی اور وہ اسے اب بھی وہی سب کہہ رہی تھی جو پچھلے دو تین سال سے کہتی آرہی تھی مگر اس سے پہلے عائزہ نے کبھی اسے سندان کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کی اجازت نہیں دی تھی' وہ کچھ بتانا چاہتی بھی تھی تو وہ غصے سے اسے ٹوک دیتی مگر آج وہ اسے نہیں ٹوک سکی تھی۔

سن اعصاب کے ساتھ دل پر ٹوٹنے والے طوفان نے اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اسے ٹوک سکتی۔

اسی وقت سعدیہ کے جانے سے پہلے ہی اس نے اسی کے سیل سے اسے کال کی تھی اور پھر کئی بار کی کوشش کے بعد جب سندان نے اس کی کال پک کی اور عائزہ نے بجھتے ہوئے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے شادی کی مبارک باد دی تو اسے یقین تھا وہ رو پڑے گا اور اسے بتائے گا کہ ایسا نہیں ہے مگر اس کا یقین ٹوٹ گیا تھا' سندان نے بہت نارمل لہجے میں سعدیہ کی اطلاع کی تصدیق کی تھی۔ عائزہ کو لگا اس کی دنیا ہی ختم ہوگئی ہو' اس رات وہ بہت روئی تھی اور اس سے اگلی رات عینا کے رونے کی باری تھی۔

❁......❁......❁

دروازے پر کب سے دستک ہورہی تھی۔ مرینہ بیگم نے نماز کی نیت کر رکھی تھی جبکہ عائزہ کو آسیہ بیگم اور شگفتہ بیگم اپنے ساتھ بازار لے گئی تھیں۔ عینا اپنے بیٹے کو سلانے کے بعد ابھی کچن میں برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی جب دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ کچن سے نکل آئی۔ دن ڈھل رہا تھا۔ اس نے گیلے ہاتھ دوپٹے سے خشک کرتے ہوئے بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم!" باہر کھڑے اونچے لمبے شاندار معید حسن کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ پہلی نظر میں اسے پہچان ہی نہ سکی تبھی جلدی سے گیٹ کی اوٹ میں ہوگئی تھی۔

"وعلیکم السلام' فرمایئے۔"

"باہر گیٹ پر کھڑا ہو کر فرماتا اچھا نہیں لگوں گا' اگر آپ کو کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو تو میں اندر تشریف لے آؤں۔"

"سوری' میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔" وہ اس کی بے تکلفی پر گھبرا ہی تو گئی تھی تبھی وہ مسکرایا تھا۔

"کمال ہے آپ نے مجھے نہیں پہچانا' جایئے جا کر امی

کو بھیجیے۔ وہ ماں ہیں پہچان لیں گی۔"

"اوہ سوری' آیئے پلیز۔" اگلے ہی پل وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی تھی۔

معید جھک کر اپنا بیگ اٹھاتا گھر کے اندر چلا آیا عین اسی لمحے نماز پڑھتی مرینہ بیگم نے سلام پھیر کر معید کو آتے دیکھا تو گویا زندگی کے سارے رنگ ان کے چہرے پر آٹھہرے تھے' بھاگ کر اٹھتے ہوئے انہوں نے اس کا منہ چوما تھا۔

"معید...... میرے بچے...... مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے۔" پاگلوں کی طرح اسے چومتے ہوئے وہ اپنی ممتا کا اظہار کررہی تھیں۔ معید کی آنکھیں بھر آئیں' بے حد عقیدت سے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے چوم لیے تھے۔

"بس کریں امی! دھول مٹی سے اٹے ہوئے منہ کو اتنا نہ چومیں' زکام ہوجائے گا۔" اس کی طبیعت میں زندہ دلی تھی' مرینہ بیگم مسکرادیں۔

"ہوجانے دو' چلو تم بیٹھو یہاں' میں شکرانے کی نفل ادا کرلوں۔"

"ہوں کرلیں' میرے لیے بھی کوئی اچھی پیاری سی لڑکی مانگ لیجیے گا۔"

"باز نہ آنا اپنی حرکتوں سے۔" وہ پھر مسکرائی تھیں' معید سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

عینا کچن میں آئی تو وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا تھا۔

"کیسی ہو عینا؟"

"ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں بلکہ ٹھیک ٹھاک ہوں' تبھی تو تم نے مجھے پہچانا نہیں۔" فریج کھول کر اس نے خود ہی سیب نکال لیا تھا۔ عینا رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں' دراصل آپ خاصے صحت مند ہوگئے ہیں اس لیے پہلی نظر میں نہیں پہچان سکی' پھوپا جی کیسے ہیں؟"

"کیسے ہوسکتے ہیں ان کی مسز کو تم لوگوں نے پچیس سالوں سے اِدھر بٹھایا ہوا ہے۔" وہ بہت شارپ مائنڈ تھا' عینا چپ کرگئی۔

"چلو آپ چائے بنا کر لاؤ' میں ذرا فریش ہولوں۔" اگلے ہی پل اس کی خاموشی پر اس نے کہا اور کچن سے باہر نکل گیا۔ عینا نے بے اختیار ٹھنڈی سانس بھر کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی روز رات میں اعظم ملک صاحب نے بہت شکستہ انداز میں کھانے کی میز پر سب کو بتایا تھا۔

"ریان اس لڑکی زرنیلا اور اس کے بچوں کو لے کر کہیں روپوش ہوگیا ہے اس نے جھوٹ بولا تھا ابیروڈ جانے کا' وہ یہیں اسی ملک میں ہے اور اس لڑکی کا شوہر بھوکے کتے کی طرح ان دونوں کو تلاش کررہا ہے۔"

"کیا......؟" سب کو شاک لگا تھا مگر عینا کے ہاتھ سے روٹی چھوٹ کر ٹیبل پر گر پڑی۔

"بھائی جان سچ کہہ رہے ہیں' ہمیں آج ہی آفس میں ایک بہت ذمہ دار بندے نے یہ سب بتایا ہے' اب آپ لوگ دعا کریں یہ بات گاؤں تک نہ پہنچے ورنہ ساکھ تو خراب ہوگی ہی ساتھ میں عائزہ کے رشتے پر بھی اثر پڑے گا۔"

معظم ملک صاحب بھی بے حد پریشان تھے' معید وہاں نہیں تھا وہ اپنے کسی قریبی دوست کی طرف نکلا ہوا تھا ورنہ شاید اس وقت وہ یہ بات گھر والوں سے نہ کرتے۔ عینا کی آنکھیں فوراً آنسوؤں سے بھر آئی تھیں' اسے لگا جیسے نوالہ اس کے حلق میں پھنس رہا ہو' تبھی بنا کسی کی طرف دیکھے وہ اٹھی تھی اور فوراً ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئی تھی۔

(تیسرا اور آخری حصہ ان شاءاللہ اگلے ماہ)

برف کے آنسو
نازیہ کنول نازی

احساس کی خوشبو کہاں، آواز کے جگنو کہاں
خاموش یادوں کے سوا گھر میں رہا کچھ بھی نہیں
سوچا تجھے، دیکھا تجھے، چاہا تجھے، پُوجا تجھے
میری خطا، میری وفا، تیری خطا کچھ بھی نہیں

میں رکھ جاؤں گا اپنی ہر کتاب اس خالی کمرے میں
خاموشی سے انہیں سننا بھی تحریر کر لینا
ہوا جب کھڑکیوں پر دستکیں دے، روشنی چھا کے
کسی کاغذ پر میری یاد کو تحریر کر لینا
یہ سارے کام مشکل ہیں، یہ سب تم کر نہ پاؤ گی
نہ خود کو پیار میں میرے بھی زنجیر کر لینا
اڑا دینا میری سب ہر کتابوں کو کھول کر کھڑکی سے
نکل جانا کہیں باہر کسی بازار میں
لوگوں کے ریلے میں
جہاں بس شور ہو، ہنگامہ ہو، اک بھیڑ ہو، بے قابو لوگوں کی
سنو.......
یہ کمرا چھوڑ جانا اور.......
میری یادوں کے اس آسیب جنگل میں
کبھی واپس نہ آنا.......!

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی۔ پیاس کی شدت سے بے حال عائزہ کی آنکھ کھلی تو اس کا پورا وجود تیز بخار میں جل رہا تھا۔ پچھلی دو راتیں مسلسل جاگ کر رونے کے بعد آج بمشکل اسے نیند آئی تھی۔ پانی کی طلب میں وہ بیڈ سے اٹھی اور پھر چکرا کر گر پڑی تھی۔ کمرا روشن تھا مگر اس کے باوجود اسے کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ صرف دس دن رہ گئے تھے اس کی شادی میں، مگر اسے لگ رہا تھا گزرتا ہر لمحہ جیسے اسے موت کی طرف دھکیل رہا ہو، جیسے دس دن بعد وہ سسرال نہیں قبر میں جا رہی ہو۔

سندان حسن کی غیر متوقع بے وفائی کے بعد اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ اس قدر جلد اس شادی کو ذہنی طور پر قبول کر سکتی۔ نتیجہ اس کے تیز بخار کی صورت میں نکلا تھا جو اگلے چند روز میں ٹائیفائیڈ میں تبدیل ہو گیا اور بھی مجبوراً اسے ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔ تین دو روز قبل اس کی حالت کے پیش نظر اس کی شادی ملتوی کر دی گئی تھی۔

زعیم کو اس کے سارے حالات کا پتا تھا، گاؤں میں ہو کر بھی اسے اس کی پل پل کی رپورٹ ملتی رہتی تھی۔ یہ وہی تھا جس نے سندان حسن کا سارا بائیو ڈیٹا نکلوا کر اس کی گزری ہوئی زندگی کے بارے میں مکمل چھان بین کی تھی اور تبھی اسے سندان کی زندگی کے ایک بدنصیب کردار تابیہ نصیر اور اس کی منگنی زرنگار کا پتا چلا تھا۔ شہر میں زرنگار تک رسائی اور پھر اسے سندان حسن سے شادی پر راضی کرنے والا وہی تھا۔ زرنگار کا مقصد صرف سندان کی بربادی اور اس سے انتقام تھا اور زعیم نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اس معاملے میں آخری حد تک اسے سپورٹ کرے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اس کے لیے عائزہ ملک کی ذات سے دستبردار ہو جانا اتنا آسان نہیں تھا۔

وہ اس کی محبت نہیں تھی نہ ہی اس کے لیے دنیا کی آخری لڑکی تھی مگر پھر بھی وہ ہر صورت اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑتا کیونکہ پہلے وہ صرف اس کے ماں باپ کی خواہش تھی مگر اب اس کے لیے ایک ضد بن گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

کمرے میں گمبھیر خاموشی کا راج تھا۔ زرنگار کے دونوں بچے باپ کی آغوش میں سو چکے تھے مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ دیان ملک کے پیار کی شدت اور اس کی طلب نے اسے بے قرار کر رکھا تھا۔ ابھی تین روز قبل وہ اپنے شوہر کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور زندگی میں پہلی بار اس نے اسے بہت مارا تھا وہ لہولہان ہو چکا تھا مگر پھر بھی اس کے

بازوؤں میں بہت طاقت تھی۔

زرنیلا کی بے پروائی سے باخبر ہو کر بھی اس نے کبھی اسے تکلیف نہیں دی تھی وہ خوب صورت نہیں تھا اسے اس بات کا احساس تھا مگر اس نے زرنیلا کے مشکل حالات میں اس کی اور گھر والوں کی مدد کرنے کے بعد اس کی رضامندی سے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا وہ بہت زیادہ حساس اور ذمے دار انسان تھا۔

زندگی میں بہت زیادہ محنت اور تنہائی نے اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا مگر اب بھی اس کے جسم اور دولت کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اس سے شادی کی خواہش مند تھیں تاہم اس نے زرنیلا کے سوا کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک سچا اور ایماندار انسان تھا اسے زرنیلا کے ساتھ ساتھ اپنے دونوں بچوں سے بھی بے تحاشا محبت تھی صرف ان کے سکون کے لیے اس نے کبھی زرنیلا سے جھگڑا نہیں کیا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس سے خوش نہیں تھی اور کیوں خوش نہیں تھی وہ جانتا تھا مگر اپنی صورت کو بدلنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

وہ اس کی عزت کرتا تھا اور اسے زندگی کی ہر خوشی دینے کی پوری کوشش کی تھی اس کے باوجود زرنیلا نے چور راستے تلاش کر لیے تھے بے شک وہ ان عورتوں میں سے تھی جن کی خواہشات اور ہوس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

جس رات وہ گھر سے بھاگی تھی اس رات وہ بہت رویا تھا۔ اسے اپنے بچے بہت یاد آ رہے تھے وہ زرنیلا کی نادانیوں کی وجہ سے اپنے بچوں کو نہیں کھونا چاہتا تھا اسے اپنے بچوں کو بہترین تعلیم اور شاندار مستقبل دینا تھا تبھی زرنیلا کی بازیابی کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب پاکستان میں نہیں رہے گا۔

اس رات سونے سے پہلے اس نے زرنیلا کو بتایا تھا کہ وہ باہر سیٹل ہو رہا ہے اور اس بار زرنیلا بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ رہے گی تبھی وہ بے چین ہو کر رو دی تھی۔ پہلے کی بات اور تھی مگر اب وہ ریان کے اتنی قریب آ چکی تھی کہ اس سے جدائی کا تصور ہی اس کے لیے موت کے مترادف تھا۔

ریان نے اس سے کہا تھا کہ وہ عدالت کے ذریعے اپنے شوہر سے طلاق لے لے مگر وہ جانتی تھی کہ طلاق اس مسئلے کا حل نہیں تھا۔ عفان کے اس پر اور اس کی فیملی پر بہت احسانات تھے خلع کی صورت میں اسے عفان کی مہربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں سے بھی ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھونے پڑتے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا حق مہر اور بچے بھی اس سے چھن جاتے جبکہ وہ کسی بھی چیز کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ساری رات سوچ سوچ کر بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اگر اسے اپنے خوابوں کو پانا ہے تو پھر عفان نامی آسیب سے چھٹکارا حاصل کرنا بے حد ضروری ہے تبھی اس رات بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے بے حد خاموشی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی لرزتی انگلیوں سے کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

❋......❋......❋

اگلی صبح معمول کے مطابق ہوئی تھی۔ زرنیلا کچن میں تھی اور عفان ناشتے کی ٹیبل پر موجود بچوں کے ساتھ گپ شپ کر رہا تھا اس کے دونوں بچے بھی اسکول کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

زرنیلا نے ناشتا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا رات سے ایک مستقل چپ اس کے لبوں پر ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔ عفان نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور فوراً جان گیا۔

"کیا بات ہے تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" بمشکل وہ مسکرائی تھی حالانکہ جانتی تھی کہ عفان کی گہری نظریں اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے اندر کا حال جان لیتی ہیں مگر آج اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے اندر کا حال نہ جانے تبھی فوراً رخ پھیر گئی۔

"کیا تم ڈسٹرب ہو رات والی بات کی وجہ سے؟" عفان سے ناشتا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں لڑکیاں تو باہر جا کر رہنے کے خواب دیکھتی ہیں۔"

"میں نہیں دیکھتی۔"

"تو دیکھنا شروع کر دو کیونکہ تم جانتی ہو میں نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے اتنی محنت کی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنا اور اپنے بچوں کو ایک بہترین

زندگی دے سکوں۔"

"مگر میں اور بچے تمہیں خوش ہیں عفان۔"

"میں خوش نہیں ہوں کئی کئی دن تم سے اور بچوں سے دور گھر سے باہر جیسے مجرم رہتا ہوں مجھے چاہیے۔" وہ ذرا سا خفا ہوا تھا زرنیلا گہری سانس بھر کر اٹھ گئی۔

"او کے بچوں کو اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے شام میں بات ہوگی۔" ناشتا ادھورا چھوڑ کر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس کے دونوں بچے گاڑی میں بیٹھ چکے تھے عفان کمرے سے چند فائلز اٹھا کر جیسے ہی گھر سے باہر نکلا کسی نے اچانک اس پر فائر کھول دیا۔ اندر ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑی زرنیلا نے گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور اپنے بچوں کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ نکلا اور گریبان میں جذب ہو گیا۔

عفان احمد کو اس پر اندھا اعتبار تھا اور جو اندھا اعتبار کرتے ہیں انہیں اپنے حصے کی ٹھوکر تو کھانی ہی پڑتی ہے۔

❁ ❁ ❁

عفان احمد صدیقی کی وفات کو وہ تیسرا دن تھا جب ریان زرنیلا سے ملنے اس کے گھر آیا تھا اس کے بچے گھر پر نہیں تھے جیسے ہی ریان کو سامنے پایا وہ فوراً اس سے لپٹ گئی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی زرنیلا! میں نے منع کیا تھا تمہیں کہ تم اس کی جان نہیں لو گی۔" بڑی سے بختی سے اس نے زرنیلا کو خود سے الگ کیا تھا۔

"میں نے اس کی جان نہیں لی وہ تو ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہوا ہے۔"

"جھوٹ مت بولو تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ مجھے پانے کے لیے تم نے خود یہ وار کرائی ہے۔"

"ہاں کرائی ہے پھر؟ میں نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر اور وہ مجھے ہمیشہ کے لیے اپنی روک لے رہا تھا۔"

"تو یہ بات تم مجھ سے شیئر تو کر سکتی تھیں۔"

"شیئر کرتی تو تم کیا کرتے روک لیتے اسے؟" وہ رکنے والوں میں سے نہیں تھا۔"

"پھر بھی تمہیں اس کی جان نہیں لینی چاہیے تھی۔"

"ریان تمہیں اس کا دکھ ہے میری کوئی پروا نہیں جس نے تمہارے عشق میں پاگل ہو کر جانے کیا کیا

ہے۔" فوراً وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی ریان کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا پڑا۔

"بہت احمق لڑکی ہو تم قسم سے۔"

"جیسی بھی ہوں اب تم میرا حوالہ ہو۔" اگلے ہی پل وہ پھر اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"بچے کہاں ہیں؟"

"اکیڈمی بھیجا ہے زبردستی ورنہ رو رو کر انہوں نے تو میرے سر میں درد کر دیا تھا۔"

"اب آگے کا کیا پلان ہے تمہارا؟" وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا زرنیلا اس کے پہلو میں اس کے کندھے پر سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

"میری پلاننگ تم جانتے ہو جیسے ہی میری عدت ختم ہوتی ہے تم یہاں ایک پل نہیں رہیں گے۔"

"اور بچے...... کیا وہ اتنی جلدی تمہیں اپنے نئے باپ کے روپ میں قبول کر لیں گے۔"

"مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ وہ تمہیں قبول کرتے ہیں یا نہیں مجھے صرف اپنے دل کی پروا ہے جس نے تمہیں اپنا سب کچھ مان لیا ہے تم نے کہا تھا ناں کہ نکاح کے بغیر ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا تو اب نکاح میں کیا رکاوٹ ہے بچوں کو ویسے بھی میں بورڈنگ بھجوا رہی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم بچوں کو بورڈنگ بھجوا دو میں بھی ایک دوست کی مدد سے اپنا الگ کاروبار جمانے کی کوشش کر رہا ہوں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہوں...... ان شاء اللہ۔" وہ اس کی قربت میں مدہوش ہو رہی تھی ریان کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس رات اس کے گھر پر رکنا پڑا اور پھر جیسے ہی اس کی عدت ختم ہوئی دونوں نے کورٹ میں جا کر شادی رچا لی۔

زرنیلا کے دونوں بچے تاحال بے حد چپ چپ اور سہمے ہوئے دکھائی دیتے تھے اس کا بیٹا بارہویں سال میں جا رہا تھا جبکہ بیٹی ابھی آٹھویں سال میں تھی۔ ریان جب بھی بچوں کے سامنے آتا اسے عجیب سی شرمندگی محسوس ہوتی۔ دونوں بچوں کی آنکھوں میں اس کے لیے خفگی اور نفرت کا سرد سا احساس واضح ہوتا تھا تبھی اس کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ بچوں کا سامنا نہ کرے تاہم

زرنیلا کو اس بات کی پروا نہیں تھی زریان کو پانے کے بعد وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

خود زریان نے بھی اپنا تن من دھن اس پر وار دیا تھا فقط چند دنوں میں اس نے اسے اتنا پیار اور خوشیاں دی تھیں کہ اس کی پچھلی ساری محرومیوں کا ازالہ ہوگیا تھا۔ گھر میں ابھی کسی کو بھی اس کی ان نئی مصروفیات کی خبر نہیں تھی نہ ہی اس نے خبر ہونے دی تھی۔

وہ گھر سے ایبروڈ جانے کا بہانہ کرکے نکلا تھا اور زرنیلا کے ساتھ کراچی سے اسلام آباد آ بسا جہاں ہر دن ان دونوں کے لیے عید اور ہر رات شب برات تھی۔

زرنیلا کے دونوں بچے بورڈنگ میں تھے لہٰذا ان کی فکر بھی نہیں تھی وقت جیسے پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ بہت دنوں کے بعد اس روز اسے نیو بزنس پارٹنر کی طرف سے کاروبار میں دھوکے کے بعد اسے گھر یاد آیا تھا اور وہ زرنیلا کو بتا کر اس رات کراچی چلا آیا۔

شب کے ساڑھے بارہ بجے کا عالم تھا جب اس کی گاڑی اپنے گھر کے اندر داخل ہوئی تھی سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا مگر لان کی لائٹس آن تھیں اور وہیں اعظم ملک صاحب بے حد شکستہ سے بیٹھے جاگ رہے تھے۔ زریان کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت اس کا سامنا ان سے ہوگا تبھی وہ تھوڑا نروس ہوگیا تھا۔

"السلام علیکم پاپا۔" اعظم صاحب اسے دیکھ کر چونکے تھے۔

"وعلیکم السلام تم یہاں؟"

"جی.....ابھی ایک گھنٹہ پہلے آیا ہوں امی کیسی ہیں؟"

"مرگئی ہے۔"

"واٹ......"

"ہاں جو ماں کیں تم جیسے نافرمان و ناخلف بیٹوں کو جنم دیتی ہیں وہ وقت سے بہت پہلے مرجاتی ہیں۔"

"پاپا آپ کیا کہہ رہے ہیں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" اس کا دل بے حد زور سے دھڑکا تھا مگر اعظم ملک صاحب نے دوبارہ نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا وہ اس وقت بے حد نڈھال دکھائی دے رہے تھے۔

"جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ زریان! کیونکہ اب اس گھر کے در و دیوار کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"مگر کیوں؟" بڑی مشکل سے اس کے حلق سے یہ سوال نکلا تھا۔ اعظم ملک صاحب کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"کیوں کہ میں تمہیں اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے عاق کرچکا ہوں۔"

"واٹ.....مگر کیوں؟" ایک دم سے زمین جیسے اس کے پیروں تلے سے کھسکی تھی مگر اعظم ملک صاحب کے چہرے کی سرخی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اس کیوں کا جواب بھی خود سے پوچھنا کیونکہ میرا جواب شاید تمہیں اتنا شرمندہ نہ کرسکے۔"

"مگر بات کیا ہوئی ہے میں ایبروڈ تھا آپ کو بتا کر گیا تھا۔"

"تمہاری ایبروڈ کی کہانی میں دو ہفتے پہلے ہی جان چکا ہوں۔"

"کیا مطلب پاپا پلیز آپ کھل کر بتائیں آخر بات کیا ہے؟" اس بار فکر سے پوچھتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

اعظم صاحب کی آنکھوں کے گوشوں میں چھلکنے والی نمی اب گالوں پہ بہنے لگی تھی وہ بولے تو ان کا لہجہ بے حد شکستہ تھا۔

"کھل کر سننا چاہتے ہو تو سنو میں نے تمہیں تمہاری بے راہ روی اور سچے رشتوں کے ساتھ بے وفائی کے جرم میں اپنے دل اپنے گھر اور اپنے کاروبار سے عاق کردیا ہے۔ سمجھے نہیں بلکہ تم میرے جیتے جی دوبارہ نہ کبھی اس گھر میں قدم رکھو گے اور نہ ہی میرے مرنے کے بعد بھولے سے بھی میرے جنازے کو کندھا دو گے۔ آج کے بعد تمہیں لگتا اس گھر کے مکین تمہارے لیے مرچکے ہیں۔ وہ لڑکی جو تمہارے لیے اپنے شوہر کو ٹھکانے لگا چکی ہے مت بھولو کہ میں اس سے باخبر نہیں ہوں۔ دنیا جانے یا نہ جانے مگر میں جانتا ہوں کہ صرف تمہارے لیے اس بدبخت لڑکی نے اپنی دنیا و آخرت تباہ کی ہے وہ آگ جس کی لپیٹ میں لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں آئے ہوئے ہیں اس آگ نے میرے بیٹے کے ایمان کو بھی نگل لیا ہے اس بیٹے کو جو شادی شدہ ایک عدد بیٹے کا باپ ہے۔ مجھ پہ لازم ہے کہ میں

تمہیں کوڑے ماروں سنگسار کروں مگر میرے بوڑھے وجود میں اب اتنی ہمت نہیں رہی ہے سو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتے ہوئے میں تم سے لاتعلق ہو رہا ہوں۔"

"ایم سوری ابو! مگر آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے۔"

"میں ایسا کرچکا ہوں! تباہی و بربادی کا یہ راستہ تم نے خود اپنے لیے چنا ہے۔ میں اس میں تمہارا حصہ دار نہیں ہوں۔"

"ابو وہ ایسی لڑکی ہے نا ہی میرا اس کے ساتھ کوئی غلط تعلق ہے وہ میری بیوی ہے ابو! نکاح کیا ہے ہم دونوں نے کورٹ میں آپ ایک بار اس سے ملیں تو سہی۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس پر اور اس کے ساتھ ہی تم پر بھی! اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ کسی کی آنکھ کھلے اور وہ تمہیں یہاں دیکھے۔" رخ پھیرتے ہوئے اس بار جس حقارت سے انہوں نے کہا تھا ریان لب بھینچ کر رہ گیا۔

"جاؤ جا کر اس طوائف کے ساتھ اپنے دل کی خوشیاں پوری کرو مگر جانے سے پہلے میری بچی کو آزاد کر جانا۔"

ایک اور تھپڑ...... ایک اور دھچکا...... وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

"واٹ......؟"

"ہاں...... علینہ کی طلاق کی بات کر رہا ہوں تم اس کے قابل نہیں ہو۔"

"میں اس کے قابل ہوں یا نہیں یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے آپ کون ہوتے ہیں اس کی طلاق کا مطالبہ کرنے والے۔" وہ بھی انہی کا بیٹا تھا بے حد ضدی اور خود سر تبھی وہ بولے تھے۔

"باپ ہوں اس کا وہ ظالم باپ جس نے بنا اس کی رائے لیے تم جیسے نالائق بیٹے کے ساتھ زبردستی اس کی شادی کروادی۔"

"تو آپ کو تب سوچنا تھا اب دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے میں علینہ کو طلاق نہیں دوں گا۔" نہایت اٹل اور گستاخانہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر اس سے پہلے کہ اعظم صاحب اسے پکڑ کر کچھ کہتے وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا علینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بے خبر سو رہی تھی دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی ریان نے بس ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے اپنے بیٹے کو اس کے پہلو سے اٹھالیا۔ علینہ خاموشی سے دیکھتی رہ گئی وہ لاؤنج میں پہنچا تو صرف ایک لمحے کے لیے اعظم ملک صاحب کے پاس رکا تھا۔

"اپنے بیٹے کو لے جا رہا ہوں میں! آپ مجھے اپنی جائیداد سے عاق کرسکتے ہیں! میری اپنی اولاد سے نہیں۔" اعظم صاحب کو اس سے ایسے ہی اقدام کی توقع تھی تبھی وہ غصہ ہوئے تھے۔

"تم سے زیادہ اس بچے پر علینہ کا حق ہے! واپس کرو اسے۔"

"ہرگز نہیں! آپ مجھے میرے بیٹے سے محروم نہیں کرسکتے۔" بے حد خودسر لہجے میں کہتے ہوئے وہ پھر وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ پیچھے اعظم ملک صاحب اسے آوازیں دیتے رہ گئے تھے۔

علینہ بھی انہونی کے خیال سے پیچھے آئی تو ریان بیرونی گیٹ پار کرچکا تھا جبکہ اعظم ملک صاحب اس کے پیچھے تھے وہ لپک کر گیٹ کے قریب آئی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ریان گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکل چکا تھا وہ ہکا بکا سی دیکھتی رہ گئی۔

"پاپا ابو...... وہ میرے بیٹے کو اس وقت......" رنج کی شدت سے اس سے جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اعظم ملک صاحب نے پلٹ کر خاموشی سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"پریشان مت ہو صبح تک واپس لے آئے گا۔"

اپنی دانست میں انہوں نے تسلی دی تھی مگر...... وہ صبح پھر کبھی نہیں آئی تھی اسی رات لطیف آف موڑ کے ساتھ ریش ڈرائیو کرتے ہوئے ریان زبردست ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگیا تھا جس میں اس کا بیٹا جو ابھی صرف ایک سال کا تھا موقع پر ہی دم توڑ گیا جبکہ اس کا نچلا دھڑ متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے ہوش میں آنے پر اپنے گھر والوں کی بجائے زرنیا کو کال کروائی تھی اور پھر اسی نے اسے بتایا تھا کہ رات ایکسیڈنٹ میں وہ اپنے بیٹے کو کھو چکا تھا۔

زندگی میں حادثات ہوتے ہیں اور وقت کی گرد تلے دب کر رہ جاتے ہیں مگر کچھ حادثات ایسے ہوتے ہیں جو

انسان کو ریت کا ڈھیر بنا چھوڑتے ہیں۔ سال پر سال گزر جاتے ہیں مگر ان حادثات سے ملنے والے زخموں پر کبھی کھرنڈ نہیں آتا۔ ایسا چپ کا قفل لگتا ہے لبوں پر کہ انسان چاہے بھی تو لفظ زبان سے ادا نہیں ہوتے۔ کچھ ایسا ہی ریان ملک کے ساتھ ہوا تھا۔

اس پراتے ہوئے حادثے کے بعد اس کے لبوں کو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ چند دن زرمینا نے اس کا بہت خیال رکھا مگر جیسے ہی اسے پتا چلا کہ وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہو چکا ہے اور اب کبھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا اس نے اس کا خیال رکھنا چھوڑ دیا۔ سارا سارا دن وہ بھوکا پیاسا تاریک کمرے میں پڑا رہتا مگر اسے کمرے میں آ کر اس کا حال پوچھنے کی ضرورت بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔

وہ صبح گھر سے نکلی تھی اور اپنے معمول کے عین مطابق رات دیر سے گھر واپس آئی تھی۔ ریان کی جگہ اب ایک اور نئے لڑکے عباد نے لے لی تھی۔ ریان اس روز بہت دنوں کے بعد وہیل چیئر کے سہارے اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا سامنے لاؤنج میں زرمینا ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ چپک کر بیٹھی جو چیپ حرکتیں کر رہی تھی وہ دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ اس کی دانست میں وہ اس سے بیزار ہو سکتی تھی مگر بے وفائی نہیں کر سکتی تھی مگر اسے شاید یہ نہیں پتا تھا کہ بے وفا عورت جب ہوس کے رستے پر چل نکلے تو کوئی بھی ایک شخص ان کی منزل نہیں ہوتا۔

اس وقت زرمینا کی بے وفائی پر اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آ رکا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا زرمینا کی نظر اس کی طرف اٹھ گئی۔

"ارے ریان! تمہیں کچھ چاہیے؟"

"نہیں۔" خون ٹپکاتی آنکھوں سے بمشکل رخ پھیر کر اپنی آنکھوں کی نمی چھپائی تھی۔

"اوکے...... یہ عباد ہے میرا دوست اور عباد یہ ریان ہیں میرے شوہر۔ بتایا تھا ناں تمہیں کہ معذور ہیں چل نہیں سکتے۔" جتنی تکلیف اس کی بے وفائی نے دی تھی اس سے کہیں زیادہ تکلیف اس کی ڈھٹائی اور تعارف پر اسے ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ چپ رہا تھا۔

"ہم باہر جا رہے ہیں ڈنر کرنے تم ٹی وی لگا لو یا پھر لان میں بیٹھ جاؤ میں جلدی آ جاؤں گی او کے بائے۔" بنا کسی شرمندگی اور احساس کے وہ اس کی کسی بھی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس اجنبی مرد کے ساتھ ہال کمرے سے باہر نکل گئی۔ ریان کو لگا جیسے اسی ایک لمحے میں اس کا ریتیلا وجود کھنڈر ہو گیا ہو۔

مرنا بھلا اور کس کو کہتے ہیں؟ پچھلے چھ ماہ میں پہلی بار اسے اپنا گھر اور علینہ یاد آئی تھی اور وہ رات بھر اپنے کمرے میں خود کو قید کر کے روتا رہا تھا۔ وقت نے اسے معاف نہیں کیا تھا وہ پلٹ آیا تھا اسے زندگی کے کڑے اور اذیت ناک سبق سے روشناس کروانے کے لیے بس فرق صرف اتنا تھا کہ وقت کی بساط پر اس بار عرفان احمد صدیقی کی جگہ ریان ملک تھا۔

❁......❁......❁

ملک ہاؤس میں عائزہ ملک کی شادی عین ٹائم پر ملتوی کر دی گئی تھی کیونکہ تیز بخار کے بعد وہ ٹائیفائیڈ کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ پچھلے چار ماہ اس نے ہسپتال کے بستر پر گزارے تھے۔ جانے یہ سندال حسنات کی غیر متوقع بے وفائی کا غم تھا یا ایک قطعی ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کرنے کا جسے اب تک اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔

شگفتہ بیگم اور علینہ ساری ساری رات اس کے سرہانے بیٹھی اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔ پچھلے چار ماہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ جس میں اس کے سسرال سے کوئی اس کی خیر خیریت کے لیے نہ آیا ہو مگر...... اس سب کے باوجود ایک مستقل چپ تھی جو اس کے ہونٹوں پر ثبت ہو کر رہ گئی تھی بالکل ویسی ہی چپ جیسی علینہ ملک کے ہونٹوں پر لگی تھی جب سے ریان اس سے اس کا بیٹا چھین کر لے گیا تھا وہ روز مرتی تھی اور روز جیتی تھی۔

مریم بیگم کا دل اپنی دونوں بھتیجیوں کو دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ دوسری طرف آسیہ بیگم تھیں کہ جن کی آنکھیں ہر وقت نم رہتی تھیں اور وہ زیادہ وقت ذکر و اذکار میں ہی مصروف رہتیں۔

عائزہ کی طبیعت اب تیزی سے بہتر ہو رہی تھی لہٰذا ایک مرتبہ پھر اس کی شادی کے دن طے کر دیے گئے۔

معید چند دن رہ کر گاؤں واپس چلا گیا تھا تاہم اس نے

وعدہ کیا تھا کہ وہ شادی سے دو ہفتے پہلے ضرور بالضرور واپس آجائے گا مگر اس نے اپنا وعدہ وفا نہیں کیا تھا۔ اذہان البتہ خطرہ ٹلتے ہی ضرور پاکستان واپس آ گیا تھا ریان کی سرگرمیاں اس سے بھی پوشیدہ نہیں تھیں لہٰذا مجبوراً اسے ہی آفس میں ریان کی سیٹ سنبھالنی پڑی تھی۔ اس روز بہت دنوں کے بعد دل کے بے چین ہونے پر مرینہ بیگم نے معید کو کال ملائی تھی۔

"السلام علیکم!" دوسری بار کوشش کرنے پر ان کی کال پک کرلی گئی تھی مگر کال پک کرنے والا معید نہیں تھا۔ مرینہ بیگم کا دل زور سے دھڑک اٹھا اگلے دو تین لمحوں تک وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھیں۔

"ہیلو....." وہی شناسا آواز ایئر پیس سے دوبارہ ابھری تھی انہیں لگا جیسے پچیس سال کے بعد وہ آواز سن کر ان کے وجود پر طاری طلسم پھر سے ٹوٹ گیا ہو ان کے ہونٹ ہلکے سے کپکپائے تھے۔

"وعلیکم السلام....معید کہاں ہے؟" اور اس بار سناٹوں میں اترنے کی باری دوسرے وجود کی تھی شاید نہیں یقیناً ان کی آواز کو بھی پہچان لیا گیا تھا تبھی کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد انہیں اطلاع دی گئی تھی۔

"بیمار ہے.....ہسپتال میں داخل ہے۔" اور مرینہ بیگم کو لگا جیسے اس اطلاع کے ساتھ کسی نے ان کا دل کھینچ لیا ہو۔

"کک.....کیا.....مگر کیوں؟"

"فوڈ پوائزننگ ہوگیا تھا اس لیے ایک ہفتے سے ہسپتال میں داخل ہے۔" دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع انہیں شرمندگی کے سمندر میں غرق کرنے کے لیے کافی تھی پھر اس سے پہلے کہ جواد صاحب مزید کچھ کہتے انہوں نے آہستہ سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

دل ایک دم سے بہت بے چین ہو کر رہ گیا تھا ان کا اکلوتا بیٹا ہسپتال میں تھا اور انہیں خبر ہی نہیں تھی آنسو تھے کہ آپ ہی آپ گالوں پر ڈھلک آئے تھے تبھی معظم صاحب کی نگاہ ان پر پڑی تھی جو وہاں سے گزر رہے تھے۔

"مرینہ..... کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے؟" پاس آ کر انہوں نے ان کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا مرینہ بیگم کا صبر چھلک گیا۔ وہ بولیں تو ان کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"معید کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بھائی وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔"

"اوہ.....میرے خیال سے اس وقت تمہیں اس کے پاس ہونا چاہیے۔"

"مگر بھائی وہاں وہ سب....."

"ان سب کو بھول جاؤ مرینہ! وہ سب تمہارے بیٹے سے اہم نہیں ہیں ویسے بھی اس وقت تم وہاں ان سب کے ساتھ رہنے نہیں جارہیں صرف اپنے بیٹے سے ملنے جارہی ہو۔ میں بھائی صاحب کو بتا کر اذہان سے گاڑی نکالنے کا کہتا ہوں تم چادر لے لو۔" آناً فاناً معظم صاحب نے ان کی الجھن دور کردی تھی۔

مرینہ بیگم اگلے پانچ منٹ میں چادر لے کر نم آنکھوں کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھیں۔ ان کے گھر سے نکلتے ہی معظم صاحب نے جواد احسن صاحب کو کال ملائی تھی جو آج بھی ان کے بہترین دوست تھے چند منٹ رسمی بات چیت کے بعد انہوں نے ان سے معید کی طبیعت اور متعلقہ ہسپتال کا پوچھ لیا تھا۔

اذہان نے جس وقت گاڑی متعلقہ ہسپتال کی عمارت کے قریب روکی شام ڈھل رہی تھی جواد احسن صاحب مرینہ بیگم کی آمد سے باخبر نہیں تھے تبھی جس وقت مرینہ بیگم اور اذہان نے ایک نرس کی ہمراہی میں جیسے ہی معید کے کمرے میں قدم رکھا وہ ان پر نگاہ پڑتے ہی پتھر کے ہوگئے تھے کیسا حیران کن نظارہ تھا کہ پورے پچیس سال کے بعد ان کی آنکھیں وہ چہرہ دیکھ رہی تھیں جسے وہ آج بھی بھلا نہیں پائے تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ گزرے ہوئے پچیس سالوں میں وہ کئی بار بیمار ہوئے تھے مگر مرینہ بیگم نے ایک بار بھی نہ ان سے ملنے میں نہ کبھی فون پر ہی حال پوچھنا گوارہ کیا مگر اب بیٹے کی ذرا سی بیماری کا سن کر وہ اپنی ساری انا ساری تکالیف بھلا کر دوڑی چلی آئی تھیں۔ جواد صاحب مسکرائے تھے اور وہ اس مسکراہٹ میں چھپی گہری اذیت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً نظریں چرا کر معید کی طرف بڑھ آئی تھیں جو نڈھال سا کروٹ کے بل لیٹا خاصی خوشگوار حیرانی سے ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"امی آپ.....؟" صرف ایک پل لگا تھا اس نے اٹھ کر بیٹھنے میں مگر مرینہ بیگم دونوں ہاتھوں کے پیالے میں

اس کا چہرہ دے کر چومتے ہوئے رو پڑیں۔
"تم بیمار تھے اور مجھے بتانا تک گوارہ نہیں کیا؟ اتنی نفرت ہوگئی ہے اپنی ماں سے؟"
"اُف..... آپ سے کس نے کہا کہ میں بیمار ہوں' بس یونہی تھوڑی سی فوڈ پوائزنگ ہوگئی تھی' چلیں اب رونا بند کریں ناں' نہیں تو میں بالکل بات نہیں کروں گا۔" فوراً ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے دھمکی دی تھی جو پُراثر رہی۔ مریدہ بیگم نے فوراً اپنے آنسو صاف کر لیے تھے جس پر ایک دھیمی سی مسکان جواد صاحب کے لبوں کو چھوگئی۔
"کم آن..... میں بس آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے نہیں بتایا مگر آپ کی نظر میں ہمیشہ مشکوک ہی رہوں گا' کیا کروں جواد احسن کا بیٹا جو ہوا۔" اور اس کی اس بات پہ جہاں وہ شرمندہ ہوئی تھیں وہیں جواد صاحب بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔
معظم اور جواد صاحب کی طرح ازہان اور معید میں بھی بہت دوستی تھی۔ اس شام وہ دیر تک اس کے پاس بیٹھا گپیں لڑاتا رہا تھا۔ جواد صاحب رات کا کھانا وہیں لے آئے تھے مگر مریدہ بیگم نے معید کے بہت اصرار پر بھی دو نوالوں سے زیادہ نہیں کھایا تھا۔
رات کے تقریباً گیارہ بجنے والے تھے جب مریدہ بیگم کی وہیں ٹھہرنے کی ضد پر جواد صاحب ازہان کو آرام کی غرض سے گھر لے آئے تھے۔ بے حد نفیس و خوب صورت گھر جسے نہایت نفاست اور سلیقے سے سنوارا ہوا تھا' ازہان دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
رات کا کھانا وہ ہسپتال میں کھا چکا تھا' چائے کی طلب اسے نہیں تھی سو کچھ دیر جواد صاحب سے گپ شپ کے بعد وہ سونے کے لیے اٹھا تو جواد صاحب نے اسے معید کے کمرے میں پہنچا دیا۔ شاندار گھر کی طرح اپنی نفاست اور خوب صورتی میں وہ کمرا بھی اپنی مثال آپ تھا۔ ازہان کو اس کمرے کی ٹھنڈک میں ایک عجیب سی تسکین کا احساس ہوا تھا' ابھی دروازہ لاک کر کے بیڈ پر بیٹھنے کے بعد وہ اپنی بوٹ اتار رہا تھا کہ سامنے کھلتا اٹیچ باتھ کا دروازہ ہلکی سی کلک کے ساتھ کھل گیا اور اگلے ہی پل بھیگی لمبی زلفوں کے ساتھ چاندنی کی شباہت لیے ایک نفیس انجان لڑکی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ ازہان اسے دیکھ کر جتنا حیران ہوا

تھا اتنا ہی اس کی آنکھیں جیسے قطعی غیر اختیاری طور پر اس چہرے پر ثبت ہو کر رہ گئی تھیں' خود لڑکی کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔
"کون ہیں آپ؟" دوپٹہ جلدی سے شانوں پہ پھیلاتے ہوئے اس نے قدرے ناگواری سے پوچھا تھا۔
ازہان کو بے حد خفت محسوس ہوئی' کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ فوری طور پر کیا تعارف کروائے' تبھی جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ جواد صاحب جو ابھی گھر سے نکلنا ہی چاہتے تھے اسے کمرے سے باہر آتے دیکھ کر فوراً رک گئے۔
"کیا بات ہے بیٹا! کچھ چاہیے؟"
"نہیں....."
"تو پھر ریسٹ کرو باہر کیوں آ گئے؟"
"وہ..... اصل میں کمرا شاید معید کا نہیں ہے اندر کوئی خاتون ہیں۔"
"خاتون.....؟" ازہان کی اطلاع پر جواد صاحب بے حد حیرانی سے بڑبڑاتے ہوئے معید کے کمرے کی طرف آئے تھے' تبھی ان کا ٹکراؤ فیحا سے ہوا تھا جو ہاتھ میں چھوٹی بوتل پکڑے خود بھی کمرے سے باہر آ رہی تھی۔
"تم.....؟" جواد صاحب نے یوں حیرانی سے اس کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ فیحا نے ذرا سی نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پھر شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔
"ایم سوری ماموں وہ..... دراصل میرے کمرے کے باتھ میں پانی نہیں آ رہا تھا تو میں نے معید کا واش روم استعمال کر لیا' مجھے نہیں پتا تھا آج یہاں کوئی ٹھہرنے والا ہے۔"
"ٹھیک ہے' شاید میری ہی غلطی ہے مجھے پہلے کمرا چیک کرنا چاہیے تھا۔"
"میں جاؤں؟"
"ہوں۔" اسے رخصت کی اجازت دے کر وہ ازہان کی طرف پلٹے تھے۔
"ایم سوری ازہان! میں نے کمرا چیک نہیں کیا تھا بہرحال اب تم بے فکر ہو کر ریسٹ کرو' صبح ہوتے ہی ذرا ہسپتال کا چکر لگانا ہے' شاید مریدہ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔" مگر

مندی ان کے لہجے سے عیاں تھی وہ ذرا سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا۔ پچیس سال گزر جانے کے باوجود بھی ان کے دل میں اپنی بیوی کے لیے وہی فکر مندی اور محبت تھی۔ جواد صاحب اس کا کندھا تھپتھپا کر باہر نکل چکے تھے وہ سر و سا کمرے میں چلا آیا دل پر ابھی ابھی تازہ واردات ہوئی تھی وہ جو بھی کسی لڑکی کے لیے سنجیدہ نہ ہوتا تھا اس اچانک نگاہ کے حادثے پر جیسے چاروں شانے چت ہو کر رہ گیا۔

جانے وہ کون تھی اور کس حیثیت سے اس گھر میں وہ رہتی تھی پوری رات اسی کے بارے میں سوچتے گزر گئی تھی صبح فجر کی اذان میں ابھی کچھ وقت تھا جب اس نے اپنے کمرے کی ونڈو سے اسے باہر لان کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ کسی محصور ہوئی شہزادی کی طرح دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ اداس بیٹھی تھی اور ازہان اتنے فاصلے پر ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر بکھرا اضطراب محسوس کر سکتا تھا شاید یقیناً وہ رات بھر سے وہیں بیٹھی تھی۔ اس وقت جو سرخی اس کی آنکھوں میں دکھائی دے رہی تھی وہ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ رات بھر نہیں سوئی ازہان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

ادھر ہسپتال میں جواد صاحب نے جس وقت معید کے کمرے میں قدم رکھا معید دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا جبکہ مریبہ بیگم اس کے قریب پڑی کرسی پر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھے بیٹھے سوئی تھیں۔ کتنی تھکن تھی اس وقت ان کے چہرے پر...... وہ بے خود سے ان کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے رہے تھے کہ وہ ایک دم سے جاگ گئیں شاید غنودگی کے عالم میں بھی انہوں نے جواد صاحب کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا جواد صاحب ان کے یوں ہڑبڑا کر جاگنے پر بے ساختہ مسکرائے تھے۔

”مریبہ......“ پورے پچیس سال کے بعد انہوں نے اسے پکارا تھا مریبہ بیگم کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

”جی......“

”مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ اس کمرے سے باہر آ سکتی ہو؟“

”نہیں...... کیونکہ مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی‘ میں یہاں صرف اپنے بیٹے کو دیکھنے آئی ہوں۔“

”میں جانتا ہوں مجھے کوئی ایسی خوش فہمی نہیں ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہو گی پھر بھی پلیز صرف پانچ منٹ کے لیے میری بات سن لو۔“ اس بار وہ بہت عاجزی سے کہہ رہے تھے انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔

باہر بے حد ٹھنڈی مگر پرسکون ہوا چل رہی تھی مریبہ بیگم بیرونی گیٹ کی سیڑھیوں پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں جبکہ جواد صاحب ان سے قدرے فاصلے پر کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لمحوں تک تو انہیں سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں پھر قدرے گہری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”میں نہیں جانتا مریبہ کہ پچیس سال پہلے صرف اپنے مفاد کا سوچتے ہوئے جو فیصلہ تم نے کیا وہ صحیح تھا یا غلط مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میری زندگی میں آج بھی تمہاری کمی ہے‘ کبھی محسوس کر سکو تو معید کا درد محسوس کرنا وہ آج بھی کرب اندر کے کٹہروں میں رہتا ہے۔“

”میں اس سب کی ذمہ دار نہیں ہوں البتہ آپ ضرور اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ آپ ہی تھے جن کی وجہ سے پچیس سال پہلے میں اپنا ایک سال کا بچہ آپ لوگوں کے پاس چھوڑ کر آنے پر مجبور ہوئی تھی۔“ تلخی سے کہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ جواد صاحب نے لب بھینچ لیے۔

”اوکے...... اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں اس سب کا ذمہ دار ہوں تو پلیز مجھے معاف کر دو میں اپنے اکلوتے بیٹے کی زندگی میں مزید تنہائیاں نہیں بکھیر سکتا۔“

”ہونہہ...... پچیس سال بعد آپ کو خیال آیا ہے کہ آپ کے بیٹے کی زندگی تنہائیوں کی نذر ہو رہی ہے۔“ وہ پھر تلخی سے مسکرائی تھیں جواد صاحب انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

”چلو تو کیا‘ پچیس سال بعد ہی سہی تمہیں تو اب بھی نہیں آیا۔“

”میں یہاں آپ سے بحث کرنے کے لیے نہیں آئی۔“

”جانتا ہوں تم یہاں صرف اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہو مگر پھر بھی میں تم سے گزارش کروں گا مریبہ! پلیز صرف ایک بار ضرور معید کے بارے میں سوچنا‘ وہ خوش نہیں ہے۔“

”اس کا باپ تو خوش ہے نا‘ یہی کافی ہے۔“

”اس کے باپ کی بات مت کرنا‘ بہت سے حساب نکل آئیں گے تمہاری طرف۔“

"جواد پلیز... میں یہاں ماضی کی کسی راکھ کو کریدنا نہیں چاہتی جیسا چل رہا ہے بس ٹھیک ہے۔"

"اوکے جیسا تم پسند کرو، پچیس سال پہلے بھی تم اپنے فیصلوں میں آزاد تھیں آج بھی آزاد ہو میں نے نہ اس وقت تمہارے ساتھ کوئی زبردستی کی تھی نہ اب کروں گا جاؤ آرام کرو سوری میں نے تمہارا وقت برباد کیا۔" مرینہ بیگم کے تل بجھے پر انہوں نے بھی فوراً بات سمیٹ دی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں وہ فوراً اندر کوریڈور کی طرف بڑھ گئے پیچھے مرینہ بیگم کتنی ہی دیر تک وہیں بیٹھی چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھیں۔

✿ ✿ ✿

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی مرینہ بیگم نے یونہی ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا معید گہری نیند سو رہا تھا تاہم جواد صاحب وہاں نہیں تھے بلکہ انہوں نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکائے ہوئے پلکیں موند کر گزرے ہوئے لمحوں کا سفر طے کیا تھا۔

آج سے پچیس سال پہلے بالکل ملک کی طرح وہ بھی خاصی ضدی اور ہٹ دھرم ہوا کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ جواد احسن کے ساتھ ان کی پسند کی شادی ہوئی تھی جواد احسن ان کے یونیورسٹی فیلو تھے اور ان میں ہر وہ خوبی تھی جو کوئی بھی لڑکی اپنی زندگی کے ہمسفر میں دیکھنا پسند کرتی ہے مگر اس کے باوجود مرینہ بیگم کے لیے ان کا پرپوزل ریجیکٹ کردیا گیا اس ریجیکشن کی واحد وجہ جواد احسن صاحب کا دیہاتی ہونا تھا۔

مرینہ ملک کے گھر والے جانتے تھے کہ وہ گاؤں کے ماحول میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پائیں گی مگر ان کے سر پر تو عشق کا بھوت سوار تھا لہٰذا گھر والوں کے صاف اور دو ٹوک انکار کے بعد انہوں نے فطری ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرکے جواد احسن کے ساتھ کورٹ میرج کرلی۔ ادھر گھر والے ان کی کسی بھی سرگرمی سے بے خبر ان کا رشتہ طے کرکے شادی کی تاریخ بھی طے کر چکے تھے یعنی اپنی شادی سے صرف ایک ہفتہ پہلے انہوں نے اپنے گھر والوں پر یہ بم گرایا کہ وہ جواد احسن کے ساتھ کورٹ میرج کرچکی ہیں۔

ایک طوفان تھا جو اس وقت اس گھر کے مکینوں پر آیا تھا مگر رفتہ رفتہ اس طوفان کی شدت کم پڑ گئی اور ٹھیک ایک ہفتے بعد ان کے والد رئیس ملک نے انہیں جواد احسن کے ساتھ باعزت طریقے سے رخصت کردیا۔ اس شادی کو ابھی دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ رئیس ملک صاحب کی اچانک ہارٹ اٹیک سے موت ہوگئی مرینہ بیگم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اپنے محبوب باپ کو کھو دیں گی تاہم ان کے سسرال والوں نے انہیں باپ کا آخری دیدار بھی نہ کرنے دیا۔ ملک ہاؤس کی طرح جواد احسن کے گھر والے بھی ان دونوں کی کورٹ میرج پر سخت ناراض تھے یہی وجہ تھی کہ مرینہ بیگم کو وہاں زیادہ سختیوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ جو شگفتہ گلاب کی سی شبیہ رکھتی تھیں شادی کے فقط چار ماہ بعد خود اپنی شکل آئینے میں پہچاننے سے انکاری ہوگئیں۔ جواد صاحب کی پانچ بہنیں اور تین بھائی تھے آگے ان بہن بھائیوں کی اولادیں بھی تھیں لہٰذا اتنے سارے افراد کا کھانا بنانا وہ بھی سخت گرمی میں لکڑی کے چولہے پر انہیں تو سچ میں دن میں تارے نظر آگئے تھے۔

محبت کی قیمت بہت بھاری ادا کرنی پڑی تھی کپڑے روزانہ دھلتے تھے برتنوں کی دھلائی کی کوئی حد ہی نہیں تھی صرف ایک صفائی تھی جو ملازمہ کے ذمے تھی ورنہ تو سارے کام ہی ان پر آ پڑے تھے۔ بڑی جھڑکیاں کہنے کو علیحدہ تھیں مگر کھانے کے نام پر خود وہ نیم جان ہوگئی تھیں بعد اپنے بچوں کے لیے مرینہ بیگم کی ہمت فقط چار ماہ کے بعد ہی جواب دے گئی تھی چار ماہ کے بعد پہلی بار وہ جواد صاحب کے سامنے بند کمرے میں روئی تھیں مگر اس وقت وہ حیران رہ گئیں جب جواد صاحب نے جواب میں ان سے کہا۔

"یہ سب تو برداشت کرنا ہی پڑے گا مرینہ! کیونکہ اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب تو ہم نے خود کیا ہے تمہیں کیا پتا میں کیا کیا برداشت کرتا ہوں۔ اپنے بزرگوں کی نافرمانی کرکے جو غلط قدم ہم نے اٹھایا ہے اب اس کا ردعمل تو برداشت کرنا ہی پڑے گا مگر تم حوصلہ مت ہارو وقت کے ساتھ ساتھ ان سب کی رنجش جاتی رہے گی اور پھر سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔"

"میں اتنا لمبا انتظار نہیں کرسکتی جب آپ کے بڑے دونوں بھائی علیحدہ ہیں تو ہم علیحدہ کیوں نہیں ہوسکتے؟"

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ اس میں نی الوقت تو میرا خاندان مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو آج تک خاندان میں کوئی نہ کرسکا۔ ایسے میں، میں ان سب کی مزید ناراضگی مول نہیں لے سکتا۔"

"یہ چیٹنگ ہے جواد! تم نے مجھے خوش رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں کیا تھا اور اسی وعدے کو نبھانے کی پوری کوشش بھی کررہا ہوں، کہاں کمی دیکھی ہے تم نے میرے پیار میں۔ دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد رات میں صرف تمہاری خوشی کے لیے کیا نہیں کرتا؟ لیکن حالات ابھی میرے بس میں نہیں ہیں۔ تم اگر چاہتی ہو کہ تمہارے لیے میں سارے خاندان سے ٹکر لے لوں تو سوری مرینہ! فی الحال میں ایسا نہیں کرسکتا۔" گہری سانس بھرتے ہوئے جواد احسن نے معذوری ظاہر کی تھی۔ مرینہ ملک کو لگا کسی نے ان کا سانس روک دیا ہو۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے جواد!" وہ رودی تھیں جواد احسن کو غصہ آگیا۔

"کیا کررہا ہوں میں؟ یہ سب تمہارے گھر والوں کا کیا دھرا ہے۔ نہ وہ رشتے سے انکار کرتے، نہ میرے گھر والوں کو بے عزتی محسوس ہوتی، نہ ہمیں یوں مجبوراً کورٹ میرج کرنا پڑتی نہ یوں سب ہمارے خلاف ہوتے اب ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں مرینہ! یا تو ہم چپ چاپ سب برداشت کریں یا پھر اس رشتے کو ہی ختم کردیں۔ تم اچھی طرح سوچ کر مجھے بتادینا۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کردی تھی۔

مرینہ ملک کی آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھا گیا کل تک ایک ایک ادا پر سو سو بار قربان ہونے والا شخص آج شادی کے فقط چار ماہ بعد راستوں کو جدا کرنے کا کہہ رہا تھا۔ ان کی آنکھیں جیسے حیرت کی شدت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں مگر جواد احسن وہاں مزید نہیں رکے تھے۔

اس روز کے بعد جیسے ایک مستقل چپ ان کے ہونٹوں پر دھرنا دے کر بیٹھ گئی تھی۔ جواد صاحب نے جاب کے لیے کینیڈا اپلائی کیا ہوا تھا انہیں وہاں سے کال آگئی تو وہ مرینہ ملک کو زیر سماعت تسلیاں اور دلاسے تھما کر چلے گئے پیچھے مرینہ ملک جیسے تپتی زمین پر ننگے پاؤں آ کھڑی ہوئیں۔ مسلسل بے سکونی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ذلیل ہونا ان کا مقدر بن چکا تھا۔ جواد کینیڈا میں سیٹل ہوچکے تھے مگر انہیں مرینہ بیگم سے ڈائریکٹ بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں ان کے حاملہ ہونے کی خبر بھی نہ ملی شادی کے ڈیڑھ سال بعد جس وقت انہوں نے پہلی بار کینیڈا آنے کے بعد مرینہ بیگم سے بات کی وہ دردِ زہ سے چلا رہی تھیں ان کی چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا اور پہلی بار وہ بہت روئے تھے۔

اس رات جب وہ سرکاری اسپتال لائی گئی تھیں ان کی زندگی کے بچنے کے کوئی چانس دکھائی نہ دیتے تھے کیونکہ ان کی ساس اور سسر کسی صورت نہیں چاہتے تھے کہ وہ ہسپتال میں بچے کو جنم دیں لہٰذا تین چار گھنٹے تک وہ گھر پر مچھلی کی طرح تڑپتی رہی تھیں۔ اس رات بہت دیر تک چیخ چیخ کر وہ اپنے گھر والوں اور شوہر کو پکارتی رہی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آسکا تھا۔ صبح فجر کی اذان کے بعد جب ان کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی تو جواد کے فون اور ان کی منت پر انہیں بمشکل سرکاری اسپتال لایا گیا جہاں زندگی اور موت کی کڑی جنگ لڑنے کے بعد انہوں نے معید کو جنم دیا تھا۔

وہ آج بھی ان لمحوں کا تصور کرتی تھیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اگلے تین دن تک ان کی زندگی شدید خطرے کا شکار رہی تھی۔ تین دن کے بعد انہیں ہوش آیا تو جواد ان کے پاس تھے مگر انہوں نے ایک سے دوسری بار ان کا چہرہ نہیں دیکھا۔ بے شک وہ ان کا غلط انتخاب ثابت ہوئے تھے۔

ایک ہفتے کے بعد وہ گھر شفٹ ہوگئی تھیں اور اس ایک ہفتے میں جواد احسن نے ان کا بے حد خیال رکھا تھا۔ معید اس وقت آٹھ ماہ کا تھا جب ان کی زندگی ایک نئے بھونچال کا شکار ہوئی، جواد احسن معید کی پیدائش کے بعد دوبارہ دورہ کر واپس کینیڈا جاچکے تھے۔

وہ ایک بے حد سرد رات تھی مرینہ معید کے لیے دودھ لینے کچن میں آئیں تو انہوں نے وہیں کچن کے پچھواڑے سے جیٹھ کی چھوٹی نندوں کی سے فون پر بات کرتے سنا۔

"ساجد اب کیا مسئلہ ہے جواد بھائی آپا سے شادی

کررہے ہیں ناں پھر آپ کیوں اتنا غصہ کررہے ہیں؟ ٹھیک ہے انہوں نے اپنی مرضی کی ہے مگر ہم نے انہیں قبول تو نہیں کرلیا ناں۔ جو آپا کا حق ہے وہ کوئی اور کبھی نہیں لے سکتا' پرسوں جواد بھائی واپس آرہے ہیں اب پلیز کوئی نیا ایشو نہ کھڑا کردینا' نہیں تو اللہ کی قسم میں زہر کھا کر مرجاؤں گی بتا رہی ہوں تمہیں۔" بات واضح تھی مگر پھر بھی وہ سمجھ نہیں پائی تھیں۔ ان کا جسم ہولے ہولے کپکپا رہا تھا جبکہ دماغ جیسے فریز ہوگیا بھلا ایسے کیسے ہوسکتا تھا' جواد اس کے ہوتے ہوئے کسی اور سے کیسے شادی کرسکتے تھے؟

ساری رات اسی الجھن میں وہ کانٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی تھیں' وہ تو ابھی پہلے امتحانوں سے سنبھل نہیں پائی تھیں کہ یہ ایک نیا امتحان سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اپنی خوشیاں اور خواب پانے کی آخری منزل رہی تھی انہیں اب تک ان کا مقام بحال نہ ہوسکا تھا۔ تیسرے دن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب واقعی جواد چھ ماہ کے بعد دوبارہ پاکستان واپس آ گئے' وہ بھی بنا اطلاع کیے۔ مریم بیگم کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہورہا تھا۔ اس رات جب وہ سب سے مل کر فارغ ہوکر کمرے میں آئے تھے وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"آپ شادی کررہے ہیں؟" بنا دعا سلام کے انہوں نے پہلا سوال یہی پوچھا تھا' جواد صاحب کو ان سے اس سوال کی توقع نہیں تھی تبھی ان کے چہرے کا رنگ اڑا تھا اور انہوں نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"ہاں۔"

"کیوں؟" مریم بیگم کی آنکھیں جیسے دہکتا انگارہ ہورہی تھیں۔ جواد الحسن کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک اٹھے' بہت سے پل خاموشی کی نذر کرنے کے بعد وہ بولے تھے۔

"ضروری ہوگیا ہے اس لیے۔" مریم بیگم کو لگا جیسے کسی نے ان کا وجود تیز تلوار سے کاٹ دیا ہو' ان کی ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی جب ہی وہ مزید بولے تھے۔

"ساجدہ میری بچپن کی منگ ہے مجھے اس بات کا اس وقت بھی پتا تھا جب تم مجھے ملی تھیں اور میں نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا مگر میں نے اس منگنی کو کبھی تسلیم نہیں کیا کیونکہ میری اس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے اسی لیے جب میں نے اسی کو تمہارے گھر بھیجا وہ مجھ سے شرافی ہوگئیں مگر میری ضد کی وجہ سے کچھ کہا نہیں بعد میں تمہارے گھر والوں کے دولوک انکار کے بعد انہوں نے چچا کے گھر میری اور فاطمہ کی شادی کی تاریخ پکی کردی' ساجدہ کا بھائی ساجد فاطمہ کا شوہر ہے اور بچپن میں ہی ان دونوں کا نکاح ہوگیا ہے۔ میں نے تمہارے لیے بنا کسی بات کی پروا کیے سارے گھر والوں سے فائٹ کی اور تمہیں بیاہ کر یہاں لے آیا۔ ابا اور چچا کی جو بے عزتی میں نے کی وہ اپنی جگہ مگر اس اقدام سے ساجد اور فاطمہ کی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہی۔ اب اس بات کو چچا اور ساجد نے انا کا مسئلہ بنالیا ہے' وہ لوگ نہ فاطمہ کو طلاق دے رہے ہیں نہ اس کی رخصتی کروا رہے ہیں۔ ساجد کی بس ایک ہی ضد ہے کہ پہلے اس کے گھر سے اس کی بہن رخصت ہوگی پھر وہ میری بہن یعنی فاطمہ کو رخصت کروائے گا۔ ہماری شادی سے ہی یہ مسئلہ چل رہا ہے' اسی لیے میں اپنی اور تمہاری طرف سے گھر والوں کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ جس سے وہ ہمارے رشتے کو ذرا بھی کمزور کرسکیں مگر اب میں مزید تمہیں یہاں ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے اماں سے بات کی ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر میں ساجدہ سے نکاح کرکے اسے اس گھر میں لے آتا ہوں تو پھر میں تمہیں وہاں اپنے پاس کینیڈا میں رکھ سکتا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آرہی مریم' اس طرح ہم ایک ساتھ اپنی مرضی کی زندگی بھی گزار سکیں گے اور فاطمہ کا گھر بھی اجڑنے سے بچ جائے گا۔" اپنی بات مکمل کرنے کے بعد انہوں نے بڑی ملتجی نگاہوں سے مریم بیگم کی طرف دیکھا تھا مگر وہ اپنے حواس میں ہی کہاں رہی تھیں جو ان کی بات سمجھتیں ان کے اندر باہر سناٹا پھیل گیا تھا۔ کتنے آنسو تھے جو موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھیں۔

"آپ کے پہلے ہی مجھ پر بہت احسانات ہیں' خدا کا واسطہ ہے آپ کو مجھ پر ایک اور احسان مت کریں۔" ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی۔ جواد صاحب نے جیسے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا تھا مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھیں' دونوں بازو بیڈ کے کنارے پر ٹکائے وہ جیسے اوپر

آسمان پر کوئی چیز تلاش کررہی تھی۔

"قصور آپ مردوں کا نہیں ہے ہم عورتوں کا ہے جنہیں اپنے خوابوں کے علاوہ کچھ اور نظر بھی نہیں آتا نہ دنیا نہ آخرت نہ اپنے سگے خون کے رشتے نہ ان رشتوں کو پہنچنے والی تکلیف نہ اپنا مستقبل نہ مستقبل کی تباہ کاریاں کچھ بھی نہیں۔ بہرحال میں نے فیصلہ کرلیا ہے اب ہم مزید اکٹھے نہیں چل سکتے میں ابھی اور اسی وقت یہ گھر چھوڑ کر جارہی ہوں۔"

"واٹ..... تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟"

"ایسا ہی سمجھ لیں۔"

"جسٹ شٹ اپ میں یہ سب تمہارے لیے کررہا ہوں اور تم....."

"آپ کو اب میرے لیے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب جو بھی کرنا ہے وہ میں خود کروں گی اپنے لیے۔" اس نے اتنی نفرت اور بیگانگی سے کہا تھا کہ جواد احسن ساکت ہوئے دیکھتے رہ گئے تھے اگلے چند لمحوں میں اپنی ضروری چیزیں سمیٹ کر ایک بیگ میں ڈالنے کے بعد وہ معید کی طرف آئی تھیں جب جواد صاحب نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"اگر تم مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو تو میرے بیٹے پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں۔"

"یہ میرا بھی بیٹا ہے میں نے جنم دیا ہے۔"

"جنم دینے والی ماں ایسا سنگدلانہ فیصلہ نہیں کرتی۔"

"ٹھیک ہے اس شاندار گھر کے ساتھ میں نے آپ کا بیٹا بھی آپ کے سپرد کیا مگر میری ایک بات یاد رکھیے گا آپ اگر اس کی تربیت اور کردار میں کوئی کمی رہی تو میں مرتے دم تک آپ کو معاف نہیں کروں گی۔" انگلی اٹھا کر سرخ آنکھوں سے انہیں وارن کرتیں اس رات وہ ان کے گھر سے نکل آئی تھیں۔ باہر زوروں کی بارش ہورہی تھی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کا خوف اپنی جگہ تھا مگر بنا کسی بات کی پروا کیے گھر کا بیرونی گیٹ پار کرآئی تھیں۔ پیچھے جواد احسن صاحب نے کتنی ہی دیر بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھنے کے بعد دیوار پر مکے برسائے تھے۔

اگلی صبح وہ اپنے گھر میں بے ہوش پڑی تھیں اور دو دن کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کا بخار اتر چکا تھا اور وہ اپنے گھر میں تھیں وہ گھر کہ جہاں انہیں اپنے محبوب باپ کی وفات پر بھی آنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

جواد صاحب کا خیال تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے بغیر نہیں رہ سکیں گی اور مجبور ہوکر واپس چلی آئیں گی مگر ان کا یہ قیاس غلط ثابت ہوا تھا۔ پورے دو ہفتے گزر جانے کے بعد بھی وہ واپس نہیں آئی تھیں تبھی وہ بنا کسی کی پروا کیے اپنے چند ماہ کے بیٹے کو ساتھ لے کر اگلے کئی سالوں کے لیے کینیڈا چلے گئے تھے فاصلوں کی دیوار ابھی تو پھر بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔

معید اس وقت آٹھ سال کا تھا جب پاکستان واپسی پر جواد صاحب نے اسے مرینہ بیگم کی طرف بھیجا تھا۔ گزرے ہوئے ان آٹھ سالوں میں کئی تبدیلیاں آئی تھیں۔ جواد صاحب کی والدہ کی رحلت ہوگئی تھی جبکہ انہوں نے بنا کوئی پروا کیے ساجدہ سے شادی سے انکار کردیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد اس شہر میں ایک اچھی جگہ پر اس کا رشتہ طے ہوگیا۔ ان کی اپنی بہن فاطمہ کی شادی بھی ہوگئی والد فالج کا شکار ہوکر بستر سے لگ گئے سارا نظام تو درہم برہم ہوکر رہ گیا تھا اور اب جبکہ ساری عمر بھر کی قدر ہوئی تھی وہ انہیں واپسی کی راہ دکھارہے تھے بھلا اس سے بڑھ کر ان کی زندگی کے ساتھ محبت کا مذاق کیا ہوتا تھا؟ دن اچھا خاصا نکل آیا تھا وہ فجر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو معید بیدار ہوچکا تھا۔ مرینہ بیگم دعا مانگ کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے معید؟"

"فرسٹ کلاس..... آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟"

"نہیں....."

"امی پلیز..... کم از کم مجھ سے جھوٹ نہ بولا کریں آپ کی آنکھوں کی سرخی بتارہی ہے کہ آپ نہ صرف ساری رات جاگتی رہی ہیں بلکہ روتی رہی ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے معید! میں بس تمہاری طبیعت کی وجہ سے پریشان ہوں۔"

"میری طبیعت اب ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔"

"ٹھیک ہے نہیں ہوتی پریشان تم میرے ساتھ شہر چلو تم نے وعدہ کیا تھا شادی سے دو ہفتے پہلے گھر آلے گا۔"

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے امی! مگر سوری میں ابو کے بغیر اکیلا نہیں آؤں گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" انہیں شاک لگا تھا معید نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"امی پلیز! ابو کو معاف کردیں وہ اب آپ کی نفرت کے قابل نہیں رہے' ان کا دل ناکارہ ہوچکا ہے ڈاکٹرز نے ان کی زندگی کو رسکی قرار دے دیا ہے۔ امی میں مانتا ہوں ماضی میں آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے مگر اس زیادتی کے کفارہ میں نے اور پاپا نے بھی تکلیفیں اٹھائی ہیں آپ نہیں جانتیں۔ صرف آپ کو کھو دینے کے دکھ اور غصے میں پاپا نے اپنے سگے خون کے رشتوں کو خود پر حرام کرلیا۔ آپ تصور کرسکتی ہیں فقط چند ماہ کے بچے کو سنبھالنا اور پالنا ایک مرد کے لیے کتنا مشکل ہوسکتا ہے؟ کیا آپ تصور کرسکتی ہیں امی کہ ایک چھوٹا بچہ جس کی ماں زندہ ہو دنیا میں موجود ہو مگر پھر بھی وہ اس سے مل نہ سکتا ہو اسے دیکھ نہ سکتا ہو تو اس بچے کی زندگی کیسی ہوگی؟ روز رات میں جب وہ ڈر کر اٹھ جاتا ہو یا اسے چوٹ لگی ہو مگر اس کی ماں اس کے پاس نہ ہو کیا آپ اس بچے کی تکلیف کا اندازہ کرسکتی ہیں؟ نہیں آپ نہیں کرسکتیں آپ کو کیا پتا تنہائی کی تکلیف کیا ہوتی ہے؟ آپ تو اپنے سگے بھائیوں کے درمیان رہتی ہیں آپ کو اس انسان کے درد کا اندازہ کیسے ہوسکتا ہے جس کا کوئی بھائی بھی نہ ہو سوائے ماں باپ کے جس کے پاس کوئی اور رشتہ ہی نہ ہو۔" بولتے بولتے ایک دم سے اس کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ مریم بیگم کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل کاٹ ڈالا ہو یہ کیسا آئینہ تھا جو ان کا بیٹا انہیں دکھا رہا تھا۔

"امی میں مانتا ہوں آپ پاپا کی اور پاپا آپ کے گناہ گار ہوں گے مگر میرا کیا قصور تھا کہ مجھے سارے رشتوں سے محرومی کے ساتھ ساتھ جو دو رشتے میسر تھے ان میں سے بھی کسی ایک کی چوائس دے دی گئی باپ کے پاس رہوں تو ماں نہیں۔ ماں کے پاس رہوں تو باپ نہیں' کیوں امی کیا میں انسان نہیں ہوں' کیا میرے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا میری کوئی خواہشات نہیں ہیں؟ میں نظر کیوں نہیں آتا کسی کو؟" اب اس کی آنکھیں بھرآئی تھیں چہرہ پھیرتے ہوئے بہت ضبط کے باوجود وہ رو پڑا تھا مریم بیگم جیسے ساکت رہ گئی تھیں ان کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا جبکہ

ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش اتر آئی تھی۔ کیسا عجیب منظر تھا کہ پورے پچیس سال کے بعد ان کے اپنے بیٹے نے انہیں کٹہرے میں لاکھڑا کیا تھا۔ وہ بولنا چاہتی تھیں مگر ان کے لب جیسے ہلنے سے انکاری ہوگئے تھے معید کو بچوں کی طرح روتے دیکھ کر انہیں ایک دم سے جیسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی تھی' تبھی وہ بولا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے امی! میں اور پاپا اب یہاں نہیں رہیں گے ہم چلے جائیں گے یہاں سے روز روز کے مرنے سے بہتر ہے بندہ ایک بار ہی مر جائے۔" وہ ایک شاندار بھرپور مرد اس وقت بالکل ایک چھوٹا سا بچہ بنا ہوا تھا' مریم بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں انہیں لگا جیسے ان کا دل رک جائے گا۔

جواد صاحب نے جس وقت معید کے کمرے کی دہلیز پر قدم رکھے وہ معید کے بازو سے لگی زار و قطار رو رہی تھی جو آئینہ ان کے بیٹے نے انہیں دکھایا تھا اس آئینے میں انہیں اپنا چہرہ بے حد بدصورت نظر آرہا تھا۔ جواد صاحب بے حد پریشان سے آگے بڑھے تھے تبھی معید نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور ہلکے سے مسکراتے ہوئے وکٹری کا نشان بنا کر انہیں دکھا دیا۔

"کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے ناں؟" وہ سمجھ کر بھی اس کا اشارہ نہیں سمجھے تھے تبھی فکرمندی سے پوچھا تھا جواباً معید نے اپنی ماں کے گرد ہاتھ پھیلا کر انہیں اپنے چوڑے سینے میں سمولیا۔

"جی ابو سب ٹھیک ہے آپ سے پچیس سال اپنی روٹھی ہوئی بیوی منائی نہیں گئی مجھے دیکھیں میں نے صرف پچیس منٹ میں اپنی ماں کو منالیا۔"

"واقعی......؟" وہ حیران تھے معید نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں' پوچھ لیں امی سے ان کا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا۔" پہلی بار اس کی بھیگی آنکھوں میں عجیب سی چمک دکھائی دے رہی تھی انہیں اپنے دل میں بے حد سکون اترتا ہوا محسوس ہوا تبھی مریم بیگم بول اٹھیں۔

"ایم سوری جواد! میں بہت شرمندہ ہوں واقعی میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔"

"صرف بیٹے کے ساتھ؟" ان کے چہرے پر نظر

جمانے انہوں نے جس طرح سے پوچھا تھا وہ بے ساختہ نظر چرانے پر مجبور ہوگئی تھیں۔ تبھی وہ گہری سانس بھر کر رہ گئے تھے۔

"چلو شکر ہے تمہیں اپنے بیٹے کے ساتھ کی گئی زیادتی کا احساس تو ہوا۔"

"ابو پلیز...... میری ماں کو شرمندہ نہیں کریں اب یاد رکھیں اب یہ پچیس سال پہلے والی مریضہ نہیں ہیں میری ماں ہیں اب اگر آپ نے ذرا سا ان کا دل دکھایا، کوئی زیادتی کی تو میں سچ کہہ رہا ہوں میں لڑ پڑوں گا آپ سے۔" ہاتھ اٹھا کر وارن کرتے ہوئے اس نے ساتھ ہی آنکھ بھی ماری تھی جوابا وہ کھل کر ہنس پڑے ان کا دل چاہا وہ اپنے بیٹے کا منہ چوم لیں کیونکہ وہی تھا جس کی وجہ سے پورے پچیس سال کے بعد بالآخر انہیں اپنی محبت میں سرخروئی نصیب ہوئی تھی۔

تبھی انہوں نے ہنستے ہوئے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر بنا کچھ کہے فوری واپس پلٹ گئے کہ اس وقت سب سے ضروری کام ان کے لیے اپنے مالک کا شکر ادا کرنا تھا۔

❁.....❁.....❁

اگلی صبح معید ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آگیا تو اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر اتنی خوشی اور چمک تھی کہ خود فیحا بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اذہان ابھی سو رہا تھا جواد صاحب مریضہ بیگم کا ہاتھ تھامے انہیں ڈائننگ ٹیبل کے قریب لے آئے تھے۔

"فیحا بیٹے جلدی سے گرما گرم ناشتا لے آؤ دیکھو آج ایک شہزادی رستہ بھول کر ہمارے غریب خانے پر تشریف لے آئی ہیں۔" مریضہ بیگم مسکرائی تھیں جبکہ کچن کے دروازے پر کھڑی فیحا جیسے ساکت رہ گئی تھی اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ واقعی معید کی مما اس گھر میں واپس لوٹ آئی ہیں۔

"اوہ ہیلو...... بعد میں جی بھر کر حیران ہو لینا پہلے میری سویٹ مما کے لیے اچھا سا ناشتہ لے آؤ شاباش۔" معید نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے جتنے فرینک لہجے میں کہا تھا اس نے اسے اتنا فرینک کبھی نہیں دیکھا تھا تبھی وہ آگے بڑھی تھی اور بنا کسی ہچکچاہٹ کے سیدھی مریضہ بیگم کے گلے جا لگی تھی۔

"السلام علیکم مما! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! تم کیسی ہو بیٹے؟" بنا کسی جان پہچان کے انہوں نے اس کے سر پر پیار دیا تھا۔ تبھی وہ ان سے الگ ہوئی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں مما! اب آپ کو دیکھ کر اور بھی ٹھیک ہوگئی ہوں۔" اس کی نظریں معید پر تھیں، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا مریضہ بیگم ایک پل میں بہت کچھ سمجھ گئی تھیں تبھی جواد صاحب بولے تھے۔

"بیٹا اب ناشتا لے آؤ جلدی میری بیوی کل سے بھوکی ہے جانی! باقی باتیں ناشتے کے بعد کر لینا پلیز۔"

"جی ماموں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ کچن میں گھس گئی تھی۔

معید اذہان کے پاس چلا آیا تو اسی کے کمرے میں اس کے بیڈ پر سویا ہوا تھا اسے اور تو کچھ نہ سوجھا الارم اٹھا کر اس کا ٹائم سیٹ کر دیا اگلے ہی پل بے دردی سے بجتا الارم اس نے اذہان کے سر کے قریب رکھ دیا تھا جس پر وہ سخت کوفت کا شکار ہوتے ہوئے بیدار ہوا۔

"کیا مصیبت ہے یار؟" مندی مندی آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر اس نے الارم آف کیا اور جھنجلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم! صبح بخیر۔" جیسے ہی اس کی نظر معید پر پڑی وہ مسکرا دیا۔

"اوہ تو یہ تمہاری کارستانی تھی کب آئے ہسپتال سے؟" وہ اب تکیہ چھوڑ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا معید نے بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹتے ہوئے حسب عادت اس کی گود میں سر رکھ دیا۔

"جب دیکھ لیا میرے یار نے ویسے رات نیند نہیں آئی تھی کیا؟"

"ہاں یار...... مجھے اجنبی جگہ پر مشکل سے ہی نیند آتی ہے ابھی صبح اذان کے بعد آنکھ لگی تھی۔"

"اوہ پھر تو زیادتی ہوگئی تمہارے ساتھ۔"

"ہوں زیادتی تو ہوئی ہے لیکن چلو خیر معاف کیا۔" جس انداز میں اس نے کہا تھا معید کا کھل کر ہنسنا لازمی تھا۔

"مہربانی' چلو اب فریش ہو کر آ جاؤ باہر' تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔"

"سرپرائز؟"

"ہوں سرپرائز...... اٹھو جلدی شاباش۔" وہ بہت خوش اور فریش دکھائی دے رہا تھا ازہان کو ناچاہتے ہوئے بھی واش روم کا رخ کرنا پڑا پھر جس وقت تازہ دم ہوکر وہ باہر ناشتے کی میز پر آیا وہاں جواد صاحب اور مرینہ بیگم کو اکٹھے بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"پھپو...... واہ کیا سرپرائز ہے؟" وہ بھی خوش ہوا تھا' مرینہ بیگم بے ساختہ مسکرا دیں' تبھی جواد صاحب بولے تھے۔

"سب ہمارے بیٹے کا کمال ہے جس کام باپ نہ کرسکا وہ بیٹے نے کر دکھایا۔"

"ویری گڈ پھر تو ٹریٹ بنتی ہے جناب معید کی طرف۔"

"ٹریٹ بھی دے دیں گے یار! پہلے ناشتا تو کرو پھر مجھے اپنے ننھیال بھی جانا ہے۔" کرسی کھینچتے ہوئے معید نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہاں موجود سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

عین اسی اثنا میں فیحا نے اپنی سیٹ سنبھالی تھی ازہان کی نظر جس ان پر نظر پڑتے ہی بے ترتیب ہوئے تھی' تبھی جواد صاحب نے بتایا تھا۔

"یہ فیحا ہے فاطمہ کی بیٹی' ابھی تین سال قبل اس کے انتقال کے بعد میں اسے اپنے پاس لے آیا تھا۔"

"رباب......؟" مرینہ بیگم کے ہاتھ سے چمچ گرا تھا جبکہ ان کی آنکھوں میں بے حد حیرانی اور دکھ تھا' خود جواد صاحب کی آنکھیں بھی اداس ہوگئیں۔

"ہوں میرے کینیڈا جانے کے بعد ساجد نے رخصتی تو کروالی تھی مگر زندگی بھر فاطمہ کو سولی پر چڑھائے رکھا' صرف میرے غصے کی وجہ سے اس نے میری بہن کی زندگی جہنم بنادی اسے وقت سے پہلے بوڑھا اور کمزور کردیا جبکہ اس نے خود دوسری شادی بھی کرلی تھی بہرحال انسان حالات سے لڑسکتا ہے تقدیر سے نہیں۔" بہت نارمل لہجے میں وہ انہیں یہ روداد سنا رہے تھے مگر مرینہ بیگم کو لگا ان کا وجود زمین میں دھنستا جارہا ہو۔ وہ ساری عمر اسی بدگمانی اور تکلیف کا شکار رہیں کہ جواد صاحب نے ان کے ساتھ وفا نہیں کی' ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کے ہوگئے مگر یہ بھید تو اب کھلا تھا کہ وہ تو اب بھی صرف انہی کے تھے۔ جانے یہ دکھ کی شدت تھی کہ شرمندگی کی انتہا وہ اپنی سیٹ دھکیل کر اٹھی تھیں اور لاؤنج سے باہر نکل آئی تھیں' جواد صاحب بھی فوراً ان کے پیچھے لپکے تھے۔

"مرینہ......" باہر لان میں گلاب کی باڑ کے قریب کھڑی اب وہ شدت سے رو رہی تھیں۔ جواد صاحب نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟"

"جواد ایم سوری میں نہیں جانتی تھی میرا کیا ہوا ایک غلط فیصلہ اتنی زندگیاں برباد کردے گا۔ میں واقعی آپ کو نہیں سمجھ سکی پلیز مجھے معاف کردیں۔" پچپن چھپن سال کی عمر میں بھی وہ نو عمر لڑکیوں کی طرح بلک رہی تھی تبھی جواد صاحب نے ان کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر انہیں خود میں سمیٹ لیا تھا۔

"جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا مرینہ! اب رونے سے کچھ حاصل نہیں پلیز۔"

"مگر میں بہت گلٹی فیل کررہی ہوں' مجھے پہلے خبر ہوجاتی کاش......"

"پلیز مرینہ! جو ہوگیا اسے بھول جاؤ پلیز اتنے سالوں بعد مجھے اور میرے بیٹے کو خوش ہونے کا موقع ملا ہے پلیز تم ہماری خوشی کو یوں رو کر ماندمت کرو پلیز۔" وہ بہت لجاجت سے کہہ رہے تھے۔

مرینہ بیگم نے آہستہ سے آنسو پونچھ کر اپنے لب جواد حسن کے دائیں ہاتھ کی پشت پر ثبت کردیے۔

"میں آپ کی گناہ گار ہوں جواد اس قابل تو نہیں ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے پھر بھی پلیز آپ مجھے معاف کردیں۔ آپ نے معاف کردیا تو مجھے یقین ہے میرا اللہ بھی مجھے معاف کردے گا۔"

"ٹھیک ہے کردیا معاف' اب چلو ناشتا کرو پھر شہر کے لیے نکلتے ہیں۔" وہ آج بھی ویسے ہی تھے بے حد سادا اور سراپا محبت...... مرینہ بیگم کے اندر تک خود سے نفرت کی لہر اتر گئی۔ انہیں لگا جیسے گزرے ہوئے پچیس سال انہوں نے کالے پانیوں کی نذر کردیے ہوں' اندر ڈائننگ ہال میں معید' ازہان اور فیحا پریشان سے خاموش بیٹھے تھے' انہیں واپس آتے دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق لوٹ آئی تھی' مرینہ بیگم نے ایک نظر خاموشی سے سب کو دیکھا پھر اپنی

سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

"چلو معید اپنا اور پاپا کا بیگ تیار کرو شادی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں اور وہاں شہر میں سب ہمارا انتظار کررہے ہوں گے اور فیحا بیٹا آپ بھی اپنا بیگ تیار کرلو۔" ناشتے کے فوراً بعد انہوں نے حکم جاری کیا جس پر معید نے مسکرا کر جبکہ فیحا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"امی میں تو تیار ہوں آپ فیحا سے کہیں یا اپنے ساتھ ہمارے بیگ بھی تیار کرلے گی۔"

"تمہاری تیاری کا پتا لگ گیا ہے مجھے زیادہ ڈرامے بازی کی تو لگاؤں گی ایک۔" اس بار انہوں نے ذرا سا ڈپٹا تھا جواباً معید اور جواد صاحب دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

"دیکھ لیا ابو امی بہت پہنچی ہوئی چیز ہیں۔" وہ شرارتی ہورہا تھا فیحا نے ناشتہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ممانی میں ماموں اور معید کا بیگ تیار کردیتی ہوں مگر ایم سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکوں گی کیونکہ مجھے شہر میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔" مرینہ بیگم جو معید کی بات پر مسکرا رہی تھیں اب سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"صرف چند دن کی بات ہے فیحا۔"

"چند دن بھی نہیں رہ سکتی ممانی ایم سوری۔" وہ ماضی کے سارے قصے سے باخبر تھی مرینہ بیگم کو بے حد ندامت محسوس ہوئی تھی خود اذہان کا دل جیسے بجھ کر رہ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر کسی کا بھی بیگ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اذہان تم جیسے جاؤ شہر مظہر بھائی سے کہہ دینا میری مجبوری ہے میں نہیں آسکتی۔" وہ بھی فیحا کی اور پاجیت سے کہہ رہی تھیں۔ فیحا کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہتھیار پھینکنے پڑے تھے۔

"اوکے میں چل رہی ہوں آپ کے ساتھ۔" جیسے ہی اس نے کہا اذہان کے لب فوراً مسکرا اٹھے تھے جبکہ معید بھی ہنس دیا تھا۔

"دیکھا ابو کتنی سمجھدار ہیں میری امی بالکل مجھ پر گئی ہیں۔"

"ہاں کوئی شک نہیں۔" جواد صاحب بھی مسکرائے تھے۔

اسی روز شام میں وہ سب شہر کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

پچھلی رات کا پہر تھا عینا کی آنکھ اپنے سیل کی وائبریشن سے کھلی تھی اس نے نیند سے بوجھل پلکوں کو بمشکل وا کرکے اسکرین کو دیکھا وہاں ریان کا نام جگمگا رہا تھا۔ ایک دم اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی جبکہ ہاتھ کپکپانے لگے تھے اس سے پیشتر وہ اٹھ کر بیٹھتی تھی مگر تب تک کال بند ہوچکی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سیل پر ریان کے نمبر سے اکیس مسڈ کالز تھیں وہ حیران ہی تو رہ گئی پورے چھ ماہ کے بعد وہ شخص بھلا اتنی شدت سے اسے کیوں یاد کررہا تھا؟ اس سے پہلے کہ وہ اس سوال پر مزید الجھتی اس کا سیل پھر بجنا شروع ہوگیا تھا اس بار اس نے بنا کسی تاخیر کے فوراً کال پک کرلی تھی۔

"ہیلو......" اس کی مدھم سی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھائی رہی تھی پھر وہ بولا تھا۔

"کیسی ہو؟" عینا کی طرح اس کی آواز بھی بے حد بوجھل تھی جیسے وہ نشے میں ڈوب کر بول رہا ہو عینا کو لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ کچھ لمحوں تک باوجود کوشش کے وہ کچھ بول نہ پائی تو رو پڑی' ابھی وہ ڑ رہا تھا۔

"عینا......" مگر وہ اس کی پکار پر بغیر شدت سے روتی رہی۔

"عینا میری بات سنو پلیز......" اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ بول اٹھا اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنا پڑا تھا۔

"میں ملنا چاہتا ہوں کل تم سے کسی بھی قیمت پر پلیز......" جیسے ہی اس کے رونے کی شدت کم ہوئی اسے ریان کی آواز سنائی دی وہ مزید حیران ہوگئی۔

"کیوں......؟"

"تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس' واپس کرنی ہے۔"

"تو پھر کیوں نہیں آجاتے آپ؟"

"تم نہیں آسکتی ہیں؟" جتنا تڑپ کر اس نے پوچھا تھا۔ اتنی ہی بے بسی سے اس نے جواب دیا تھا' وہ پھر

چونک اٹھی۔

"کیوں...... کیوں نہیں آسکتے؟"

"بس کچھ مجبوریاں ہیں کل ملوگی تو سب بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے میرا اپنا کیسا ہے؟" اور اس سوال پر دوسری طرف پھر گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہے۔" کافی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا تھا عینا کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہوگیا۔

"کہاں مل سکتی ہوں میں آپ سے؟"

"میرے آفس آجانا پتا میں تمہیں ابھی میسج میں سینڈ کردوں گا لیکن گھر میں کسی کو بھی مت بتانا پلیز۔"

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ہوں۔"

"اوکے میں آجاؤں گی۔"

"شہریار کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"شگفتہ آنٹی اور باقی سب......؟"

"سب ٹھیک ہیں۔"

"اور تم......؟" بالکل اچانک اس نے پوچھا تھا عینا کے گلے میں پھر آنسوؤں کا پھندا لگ گیا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"شکر ہے مالک کا چلو اب سو جاؤ میں کل شام چار بجے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ریان کال بند نہ کرے مگر ایک منٹ کی چپ کے بعد اس نے آہستہ سے کال ڈراپ کردی تھی۔

اگلے روز ٹھیک شام چار بجے بنا کسی کو کچھ بتائے وہ ایک دوست سے ملنے کا بہانہ کرکے ڈرائیور کے ساتھ گھر سے نکل آئی تھی۔ ریان کی کال کے بعد اس کا ایک ایک پل جیسے سولی پر لٹکتے ہوئے گزرا تھا۔ ریان نے اپنے آفس کا جو ایڈریس اسے میسج میں سینڈ کیا تھا وہ اس ایڈریس پر پہنچ چکی تھی لہٰذا ڈرائیور کو واپس بھیج کر وہ سامنے موجود شاندار عمارت کی طرف بڑھ گئی۔

عمارت کے اندر کا ماحول باہر سے بھی زیادہ شاندار تھا' اس نے ریسپشن پر اپنا نام بتایا اور ریان ملک سے ملاقات کی درخواست کی جواباً گھنٹی بجی اسے ایک شاندار سے کمرے کی طرف بھیج دیا گیا شاید وہ پہلے ہی اس کے لیے اپنے اسٹاف کو ہدایت کرکے چکا تھا۔

عینا کو لگا جیسے اس کے قدم من من بھاری ہو رہے ہوں' جبکہ دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سامنے موجود دروازے پر ہلکی سی ناک کے بعد جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی سامنے موجود ریان ملک کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بے حد تھکی ہوئی آنکھوں کے نیچے بڑے بڑے حلقے' بے حد کمزور صحت' اوپر سے کافی روز کی بڑھی ہوئی شیو اسے کسی اور ہی ریان ملک سے ملا رہی تھی۔ ریان نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اور پھر ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر کر رہ گئی تھی۔

"آؤ عینا...... پلیز۔" وہ اسے اپنے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت دے رہا تھا عینا کسی روبوٹ کی مانند چلتی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" پہلا سوال ہوا تھا عینا نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹائیں۔

"ڈرائیور کے ساتھ۔"

"یہاں تک آنے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟"

"نہیں۔"

"اوکے...... کیا لوگی ٹھنڈا یا گرم؟"

"نہ ٹھنڈا نہ گرم صرف اپنا بچہ۔" عینا بے دردی سے اس نے کہا تھا اتنی ہی تیزی سے ریان کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی سی پھیل گئی تھی۔ اس نے ایک نظر ہاتھ میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھا پھر نظریں عینا کے تنے ہوئے چہرے پر گاڑ دیں۔

"وہ یہاں نہیں ہے۔"

"یہاں نہیں ہے تو کہاں ہے؟" اس بار اس نے سختی سے پوچھا تھا ریان نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"تم نے اس سے ملاقات کرنی ہے؟"

"ہاں۔"

"اوکے چلو پھر تم باہر میری گاڑی میں چل کر بیٹھو میں آتا ہوں۔" اسے ہدایت دینے کے ساتھ ہی اس نے انٹرکام اٹھا لیا تھا' اگلے دو منٹ میں مستعد ملازم اس کے سامنے موجود تھا۔

"جی سر۔"

"بیگم صاحب کو باہر میری گاڑی میں بٹھائیں میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"جی سر۔" تابعداری سے سر ہلاتا ملازم فوراً ہی اسے باہر ریان کی گاڑی تک لے آیا تھا۔ عینا مختلف خدشات کا شکار ہوئی چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

آسمان کالے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا وہ جانتی تھی ابھی کچھ ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی مگر پھر بھی وہ وہیں جمی رہی تھی کہ اس کا دل اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اسے گاڑی میں بیٹھے ابھی دس منٹ ہوئے ہوں گے جب اس نے ریان کو ذیل چیئر کی مدد سے آفس سے باہر آتے ہوئے دیکھا کوئی پہاڑ تھا جو اس وقت اس کی بصارتوں پر گرا تھا۔ آنکھیں جیسے سامنے موجود منظر دیکھ کر پھٹ گئی تھیں مگر ریان بنا پروا کیے بنا اس کی طرف دیکھے گاڑی کی دوسری طرف فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھا تھا' اس کے برابر میں مستعد ڈرائیور نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

آسمان پر چھائے گھنگھور بادل اب بارش کے قطروں کی صورت اپنے موتی لٹانا شروع ہو گئے تھے عینا خالی خالی نگاہوں سے راستوں کو تکتی اپنی سسکیاں دبائے بیٹھی رہی تھی۔ تقریباً پینتیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد شہر سے قدرے فاصلے پر ایک درمیانے درجے کے ریستوران کے سامنے گاڑی رکی تھی ڈرائیور نے مستعدی سے نکل کر عینا کی طرف کا گاڑی کا دروازہ کھولا تھا' وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت وجامد گاڑی سے نکل آئی تھی اور ریان ریستوران میں اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ بہت سے لمحے خاموشی کی نذر کرنے کے بعد بالآخر اس نے عینا کی طرف دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

"چار ماہ پہلے میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس رات میں گھر آیا تھا اور اپنے بیٹے کو تمہارے پہلو سے اٹھا کر لایا تھا اسی رات..... اسی ایکسیڈنٹ میں میری ٹانگیں ضائع ہو گئیں اور..." دانستہ رک کر اس نے عینا کی طرف دیکھا تھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اور.....؟" بہت آہستہ سے اس کے لبوں نے جنبش کی تھی۔

ریان کی زبان نے جیسے اس کا ساتھ دینے سے انکار

عروسِ عید

ہے نازو انداز سے سنورتی ہے
عید دلہن کی طرح سجتی ہے

ہماری زندگی میں ایک بار پھر یہ مسعود ساعت آ پہنچی ہے۔ رمضان المبارک کی آمد سے اور ماہ صیام کا چاند نظر آتے ہی عید کی تیاریاں بھی زور و شور سے شروع ہو جاتی ہیں۔ [illegible] خوش رنگ ملبوسات [illegible] ہاتھوں میں چوڑیوں کی کھنک [illegible] مسکراہٹوں کی چمک، بچوں کی قلقاریاں [illegible] نوجوانوں کی [illegible] [illegible] زندگی کی چہل پہل [illegible] عید [illegible] ان خوشیوں میں آنچل بھی آپ کے ہم قدم ہے۔ اس موقع پر قارئین کی دلچسپی [illegible] رکھتے [illegible] سوالات کے جواب [illegible] ارسال کریں۔

[illegible] عیدوں میں کوئی ایسی عید جس کی خوشگوار یادیں آج بھی [illegible] سسرال میں گزری پہلی عید یا آپ کا تجربہ کیسا رہا؟

۲۔ عیدی لیتے اور دیتے وقتوں میں مزہ آتا ہے آپ اپنی عیدی کس مصرف میں استعمال کرتی ہیں؟

۳۔ عید کے لیے تیاری پہلے سے [illegible] یا چھوٹا بڑا چاند رات کے لیے مخصوص رکھتی ہیں؟

۴۔ عید کے دن کوئی [illegible] سے بہت [illegible]؟

۵۔ عید کے موقع پر [illegible] یا عید سے [illegible]؟

ان تمام سوالات کے جوابات 10 جولائی تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کریں۔

کردیا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لب کاٹتے ہوئے اس نے جیسے اپنا حوصلہ جمع کیا تھا۔

"اور ہمارے بیٹے کی جان بھی....." جھجکتے ہوئے لہجے میں اس نے کہا تھا اتنی ہی تیزی کے ساتھ عینا کا دل ڈوبا تھا اسے لگا تھا جیسے وہیں تیورا کر گر پڑے گی سامنے بیٹھا وہ شخص جو بدقسمتی سے اس کا شوہر تھا وہی اس کے معصوم بیٹے کا قاتل بھی تھا اس کے لب ہل رہے تھے مگر وہ جیسے کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی۔

"میں تمہارا گناہ گار ہوں عینا! تم چاہو تو مجھے سنگسار کردو اُف تک نہیں کروں گا مگر مجھے تم سے ایک گلہ ہے اگر تم میری محبت کے جواب میں مجھ سے بے پروائی نہ برتتیں اتنی بیزار نہ ہوتیں تو شاید میں اس بربادی کے راستے کی طرف کبھی قدم نہ بڑھاتا۔ مرد کو اگر گھر میں سکون ملے تو وہ باہر نہیں بھٹکتا پتہ نہیں تم جیسی اور کتنی لڑکیاں ہوں گی جن کی سادگی اور بے نیازی نے ان کے شوہروں کو راہ راست سے بھٹکا دیا ہوگا۔ جانتی ہو ہم مرد ذات کو رنگ برنگی تتلیاں اچھی لگتی ہیں رنگ اچھے لگتے ہیں اگر یہ رنگ اسے گھر میں نظر نہ آئیں تو وہ ان کی تلاش پر مجبور ہو جاتے ہیں خیر بہرحال مجھے ابو نے اپنی جائیداد سے عاق کردیا ہے ان کے جیتے جی میں اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ یہ میری سزا ہے عینا! ساری عمر اس معذوری کے ساتھ جینا میری سزا ہے کیونکہ میں نے تم جیسی اچھی لڑکی کا دل دکھایا ہے تمہیں وہ درد دیا ہے جس کی اذیت بھی تم نہیں بھول سکتیں۔ میں چاہتا تو تمہارے حقوق ادا کرکے بھی یہ سب کرسکتا تھا مگر میں نے کیا اس میری عقل پہ پردہ پڑ گیا تھا۔ اپنی بربادی اور تباہی تک یہ ہی نہیں چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔" اب اس کی آنکھیں اور لہجہ بھرآیا تھا خود عینا کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر آنسو بے آواز گرتے رہے۔

"میں جا رہا ہوں عینا! ابھی تیس منٹ کے بعد میری فلائٹ ہے کہاں جا رہا ہوں نہیں جانتا مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب کبھی پلٹ کر اس وطن میں نہیں آنا کبھی بھی نہیں مگر میں جہاں بھی رہوں گا اپنے گھر والوں کی یاد کو سینے سے لگائے ان کی ہر لمحہ خیر گیری رکھوں گا۔ تم امی اور باقی سب سے کہنا مجھے معاف کردیں میں نے واقعی صرف اپنی ذات کی خوشی کے لیے ان سب کا بہت دل دکھایا ہے۔" اب اس کی آنکھیں سرخ ہونا شروع ہوگئی تھیں۔

عینا کا دل گہرے پاتال میں ڈوبتا چلا گیا کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکالا تھا اور میز پر رکھ دیا تھا۔

"یہ میرے پاس تمہاری امانت ہے میرے خیال میں خود اذیتی کی سولی چڑھ کر اس سے زیادہ میں تمہیں اور کچھ نہیں دے سکتا تھا۔"

اس کا بوجھل گمبھیر لہجہ اب ٹوٹ رہا تھا اس لمحے اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ سامنے پتھر ہوئی بیٹھی اس لڑکی کو زور سے اپنی باہوں میں بھینچ کر آخری بار چوم لے مگر..... اب اس کے پاس ایسا کوئی حق نہیں تھا عینا پتھر ہوئی بیٹھی رہی اسے پتا بھی نہ چل سکا کہ کب وہ آنکھوں میں ضبط کی شدت کی پیاس لیے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

وہ گھر واپس آئی تو ہر طرف سناٹا تھا بالکل ویسا ہی سناٹا جیسے اس کے اندر اترا تھا کسی روبوٹ کی مانند چپ چاپ چلتی وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور پھر بیڈ کے سائیڈ سے خواب آور گولیوں کی بوتل اٹھا کر تین چار گولیاں ہتھیلی پر رکھ کر ایک گلاس پانی کے ساتھ اس نے پھانک لیں کسی کی دنیا اجڑ جائے تو وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے وہ بھی ہوگئی تھی۔

اعظم صاحب کے پورشن میں اس وقت مریم بیگم جواد حسن اور ان کی بھابھی کو پروٹوکول مل رہا تھا سب وہیں اکٹھے ہوئے تھے کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی تھی اور عینا کی دنیا لٹ گئی تھی۔

(آخری حصہ ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

برف کے آنسو
نازیہ کنول نازی

کب تیرے ملنے کی تقریب بنا عید کا چاند
تیری یاد آئی تو دیکھا نہ گیا عید کا چاند
غم کے بادل تھے فضاؤں میں کچھ اس طرح چھائے
دل کی دنیا میں منور نہ ہوا عید کا چاند

یہی وہ موڑ ہے جاناں
جہاں آ کر ہمیشہ قافلے لٹتے ہوئے دیکھے
یقین مٹتے ہوئے دیکھے
یہی وہ موڑ ہے جاناں جہاں ہم کو بچھڑنا ہے
بظاہر مسکرا کر خوش نظر آ کر یہ کہنا ہے
کہ جو بچھڑا ہے کبھی واپس نہیں آتا
نئی منزل نئی چاہت تمہاری منتظر ہوگی
اب اگلے موڑ پر تم کو کسی سے پیار کرنا ہے
یہی ہر بار کرنا ہے
سنو جاناں
یہاں پر تجربے ہوتے تو ہیں لیکن کتابوں میں
دوران سب ادھوری خواہشوں میں
چلو اس بے حسی کو چھوڑ دو
تو کیا ... بناؤ تم؟
ہاں
یہی وہ موڑ ہے جاناں
جہاں ہم کو بچھڑنا ہے
یہیں دل ٹوٹتا ہے

❁ ❁ ❁

شام ڈھل رہی تھی دن بھر شدید گرمی کے بعد کرنوں کی تمازت سمیٹے سورج تھکا ماندہ سا افق کے اس پار غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی سامنے لان میں بکھرے خشک پتے جیسے اسے اپنی بے بسی و بے کلی کا مذاق اڑاتے محسوس ہورہے تھے۔ چند گھنٹوں پہلے اسی گھر سے نکلتے ہوئے وہ کتنی خوش تھی مگر اب چند گھنٹوں کے بعد اس کے قدموں نے جیسے اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تھا۔

واپسی کا سفر ہمیشہ تھکا دیتا ہے اور وہ بھی تھک گئی تھی۔

لان میں بکھرے خشک پتوں کو بے نیازی سے پاؤں تلے روندتے ہوئے جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئی اس کا ایک ایک عضو دکھ رہا تھا۔ ملازمہ نے اسے دیکھا اور کھانے کا پوچھا مگر وہ بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ جہاں پھیلی وحشت اور ویرانی کسی طور اس کے دل سے کم نہیں تھی۔

کپکپاتے ہاتھوں سے دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آ بیٹھی اور اس نے پرس سے وہ لفافہ نکالا جو ریان آخری تحفے کے طور پر اسے دے گیا تھا۔ اس کے خدشے کے عین مطابق وہ "طلاق نامہ" تھا۔ زندگی کے سفر میں اس کی اور ریان ملک کی جدائی کا آخری ثبوت تھا ایک ایسا آخری موڑ تھا جہاں دونوں کی منزلیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئی تھیں۔

ایک پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے دوسرا پاؤں بیڈ کے اوپر ہی موڑے بیٹھی وہ جیسے اس لمحے پتھر کی ہورہی تھی۔ وقت نے اسے برباد کردیا اور وہ شخص جو بدقسمتی سے اس کا ہمسفر تھا اس نے اس سے اپنا پیار اور اپنی اولاد تو چھینی ہی تھی اپنا نام بھی چھین لیا تھا۔ عینا کو لگا جیسے اس کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

اس کے گھر والے اس وقت اعظم ملک صاحب کے پورشن کی طرف گئے ہوئے تھے جہاں پچیس سال کے بعد مرینہ بیگم کے شوہر کی خاطریں ہورہی تھیں اور ان کا بیٹا معید بہت دیر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد بالآخر اپنے کسی کام سے گھر سے نکل گیا تھا۔

عینا کا دل چاہا وہ اپنی بربادی اور اپنے معصوم بچے کی ناگہانی موت پر بین کرے بچوں کی طرح بلک بلک کر روئے مگر...... وہ ایک آہ تک نہیں بھر سکی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے کسی دوزخ کی طرح جل رہی تھیں، سامنے دیوار پر لگے وال کلاک نے رات کا ایک بجایا تھا جب بے حد بے بس ہوکر اس نے ہتھیلی پر نیند کی چند گولیاں رکھیں اور ایک گلاس پانی کے ساتھ نگل لیں۔

اس کی زندگی میں وہ پہلی رات تھی جب بلا کسی مجبوری کے اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی صبح فجر کی اذان تک اس کا جسم دہک کر انگارہ بن چکا تھا۔

اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کے کمرے کا لاک ٹوٹا ہوا تھا اور پورے تین گھنٹے ہسپتال میں گزار کر اس کا معدہ واش کروانے کے بعد اس کے گھر والے اسے گھر واپس لے آئے تھے۔ اس وقت بھی سب اس کے گرد جمع تھے۔

شاید اس کی تباہی کی کہانی ان سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی بھی آسیہ بیگم اور شگفتہ بیگم رو رہی تھیں جبکہ قریب ہی متفکر سے کھڑے اعظم ملک صاحب اور معظم ملک صاحب یوں شرمندہ دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ اس کے گناہگار ہوں۔

عینا نے صرف ایک سرسری سی نگاہ ان سب پر ڈالنے کے بعد اگلے ہی پل پھر سے آنکھیں موند لی تھیں کہ اب اپنی بربادی کے بعد اسے کسی کے بھی دکھ، ہمدردی اور پچھتاوے سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

ہمدردیاں خلوص دلاسے تسلیاں
دل ٹوٹنے کے بعد تماشے بہت ہوئے

❁......❁......❁

"معید......" وارڈ روب کھولے وہ پوری طرح سے اپنے لیے ایک بہترین سوٹ کی تلاش میں تھا جب مرینہ بیگم کی پکار پر چونک کر پلٹتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا وہ کچھ بے چینی دکھائی دے رہی تھیں معید نے وارڈ روب کے پٹ فوراً بند کردیے۔

"جی امی---"

"مصروف تو نہیں ہو؟"

"نہیں امی کیوں خیریت؟"

"ہوں! خیریت ہی ہے کچھ بات کرنی تھی تم سے۔"

"حکم کریں۔"

"نہیں ایسے نہیں تم ادھر صوفے پر آکر بیٹھو سکون سے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے کی طرف کھینچ لائی تھیں۔ کریم کلر کے ڈریس پینٹ پر بلیک چیک والی شرٹ جس کے بازو اس نے کہنیوں تک فولڈ کیے ہوئے تھے اور کلائی پر بندھی قیمتی رسٹ واچ بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ بے شک وہ اس وقت رف سے حلیے میں بھی بے حد ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا۔ کتنی ہی دیر خاموشی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے بات شروع کی تھی۔

"عینا کیسی لڑکی ہے؟"

"بہت اچھی۔" وہ چونکا تھا مگر پھر بھی مرینہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سکون سے جواب دیا تھا۔

"کیا تم انٹرسٹڈ ہو اس میں؟" اس بار ان کے سوال پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے وہ جواب دینے کے بجائے الٹا ان سے سوال کر گیا۔

"آپ ایسا کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دو کیا تم انٹرسٹڈ ہو اس میں؟" وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھیں معید نے آہستہ سے رخ پھیر لیا۔

"نہیں۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہوں...... میں بھلا اپنی ماں سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟" وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے جواب پر یکدم سے مرینہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا تھا وہ مسکرائی تھیں۔

"میں جانتی تھی میرا بیٹا کبھی مجھ سے کچھ چھپا ہی نہیں سکتا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں امی؟"

"کچھ نہیں تم بتاؤ کیا فیہا کے علاوہ تم کسی اور لڑکی میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"اُف..... آج کیوں آپ میری پسند ناپسند کا کھاتہ کھول کر بیٹھ گئی ہیں امی؟" وہ جھنجلایا تھا مگر مرینہ بیگم نے پروا نہیں کی۔

"بتاؤ سعید! کیا تم کسی اور لڑکی میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"ہاں۔" اس بار ان کے سوال پر فوراً جواب دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا مرینہ بیگم کے اندر جیسے چھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔

"کون ہے وہ لڑکی؟"

"پتا نہیں کتنی سال ہوئے کوئی رابطہ نہیں۔" لب بھینچتے ہوئے بمشکل اس نے جواب دیا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھیں سعید کے اندر اضطراب بکھرنے لگا۔

"امی پلیز کیا ہم کسی اور ٹاپک پر بات کر سکتے ہیں؟"

"ہاں۔" ایک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے بھی آہستہ سے سر ہلایا تھا۔

"میں اور تمہارے ابو چاہتے ہیں کہ اب تم بھی شادی کرلو۔"

"اچھا..... خیال تو بہت نیک ہے مگر سوری میں ابھی اپنی ہاؤس جاب میں بہت مصروف ہوں۔" ذرا سا مسکراتے ہوئے اس نے پینٹ کی پاکٹس میں دونوں ہاتھ چھپائے تھے مرینہ بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"یہ کوئی ایسی مصروفیت نہیں ہے کہ تم شادی نہ کر سکو۔"

"امی پلیز کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ابھی ہم عائزہ کی شادی انجوائے کرنے آئے ہیں اور آپ میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔"

"ہاں ہوں تمہاری میرا دل بھی چاہتا ہے اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کا۔"

"مگر میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا امی پلیز۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے۔"

"بس میرا موڈ نہیں ہے۔"

"شادی موڈ دیکھ کر نہیں کی جاتی تم ہمیں اس لڑکی کا نام پتا بتاؤ میں اور تمہارے پاپا عائزہ کی شادی سے فارغ ہوتے ہی اس کے گھر چلے جائیں گے۔" جس انداز میں انہوں نے کہا تھا سعید کھل کر ہنس پڑا تھا۔

"اچھا جی؟"

"ہوں۔"

"آئی ایم سوری امی وہ لڑکی پاکستان میں نہیں رہتی ویسے بھی اس کے ماں باپ کبھی نہیں مانیں گے کیونکہ میں اس لڑکی سے پیار کرتا ہوں وہ مجھ سے پیار نہیں کرتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"پلیز چھوڑیں آپ اس بات کو کل عائزہ کی مہندی ہے مجھے ابھی بہت ضروری کام سے ایک دوست کی طرف جانا ہے واپسی پر بات ہوگی انشاءاللہ۔"

"سعید....." وہ بہت عجلت میں تھا مگر مرینہ بیگم نے پکار لیا۔

"جی امی۔" واش روم کی طرف جاتے جاتے وہ پھر پلٹا تھا تبھی وہ بولی تھیں۔

"فیہا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر وہ کسی کے ساتھ بھی بات نہیں کر رہی ہے میں چاہتی ہوں تم اسے ہسپتال لے جاؤ شاید وہ تمہارے ساتھ چلی جائے۔"

"کیوں کیا ہوا ہے؟"

رات وہ بہت لیٹ آیا تھا اور آتے ہی کمرے میں گھس کر سو گیا تھا تبھی اسے کسی بات کی خبر نہیں تھی۔ مرینہ بیگم ابھی سیدھی فیہا کے کمرے سے آ رہی تھیں جہاں وہ شدید بخار کی لپیٹ میں نڈھال کسی سے بات کرنے کو تیار نہیں تھی۔ رات بھی لیٹ سوئے تھے کسی کو بھی اس کا دھیان نہیں آیا تھا مگر صبح نماز کے وقت بھی جب وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تو سب سے پہلے اس کی فکر کرنے والی مرینہ

بیگم ہی تھیں انہوں نے ہی سب سے پہلے اس کا دروازہ بجایا تھا اور پھر سب کے جاگ جانے کے بعد ملازم کو ہدایت کرکے اس کے کمرے کا لاک تڑوانے والی بھی وہی تھیں۔ شروع دن سے ہی انہیں عائزہ کی نسبت عینا سے بہت پیار تھا‘ بھی وہ اس کے لیے بے چین تھیں اس وقت بھی معید کے سوال پر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ معید کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"امی... سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

"نہیں‘ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے معید! کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ پریشان ہوا تھا مرینہ بیگم کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

"وہ بہت تکلیف میں ہے معید! ریان نے اسے طلاق دے دی ہے۔"

"وہاٹ...؟" وہ جیسے پورا ہل کر رہ گیا تھا۔ "مگر کیوں؟"

"کسی اور کو پسند کرتا ہے ریان! اسی کی خاطر طلاق بھی دے دی اور بچہ بھی چھین کے لے گیا اس سے۔ تم دیکھو تو‘ ایک ہی رات میں کیا حالت بنالی ہے اس نے اپنی۔" مرینہ بیگم کی اطلاع نے یقیناً بہت تکلیف دی تھی۔ معید نے بازو پر دھرا سوٹ ... اور ... کمرے سے نکل گیا جو اذیت اس وقت اسے ہوئی تھی مرینہ بیگم اس اذیت سے ابھی آشنا نہیں تھیں۔ وہ سیدھا عینا کے کمرے کی طرف گیا تھا مگر اندر سے اس کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں‘ کچھ فنا ہوتے دل کے ساتھ وہ وہیں سے پلٹا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر سے نکل گیا کہ اس وقت اعصاب کو لگنے والا دھچکا بہت گہرا تھا۔

❁ ❁ ❁

رات بھر بارش برستی رہی تھی اور معید اس رات رات بھر گھر سے باہر رہا تھا۔ مرینہ بیگم اور جواد صاحب دونوں ہی اس کے لیے بہت پریشان رہے تھے ازہان نے اس کے سب دوستوں کو کال کرکے بھی پتا کرلیا تھا مگر وہ کہیں

بھی نہیں تھا۔
صبح کی اذان کے بعد جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا اس کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔ مرینہ بیگم جو ابھی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔ اس کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی فوراً ان کی طرف بھاگی تھیں۔
"معید......" وہ گاڑی سے نکل رہا تھا جب انہوں نے اسے پکارا تھا۔
"جی امی۔"
"کہاں چلے گئے تھے کل' تمہیں پتا ہے میں اور تمہارے ابو پوری رات ایک پل کے لیے بھی نہیں سوئے۔"
"ایمپوری میں دوست کی طرف نکل گیا تھا۔"
"کس دوست کی طرف؟ تمہارے سارے دوستوں کو اذہان نے کال کی تھی۔"
"اذہان کو میرے سارے دوستوں کا نہیں پتا امی۔" گاڑی کو لاک کرتے ہوئے وہ انہیں بہت مضطرب دکھائی دیا تھا' وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں معید؟"
"جی ٹھیک ہے' طبیعت کو کیا ہونا ہے؟" اس بار نظریں چراتے ہوئے وہ پھیکا سا مسکرایا' مرینہ بیگم ایک قدم آگے بڑھ آئیں۔
"طبیعت ٹھیک ہے تو آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں تمہاری؟"
"رات بھر جاگ کر مووی دیکھتے رہے ہیں امی! پلیز آپ پریشان نہ ہوں' بنا کی طبیعت کیسی ہے اب؟"
"ٹھیک ہے۔" الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بس یہی کہہ سکی تھیں۔
"چلیں ٹھیک ہے آپ نماز پڑھ لیں' میں اب تھوڑی دیر سو لوں گا' رات میں پھر مصروف رہنا ہے۔"
"ٹھیک ہے۔" ان کے اثبات میں سر ہلاتے ہی وہ فوراً لمبے لمبے ڈگ بھرتا لان سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اُدھر اذہان کی آنکھ کھلی تو فجر نماز فجر کی ادائیگی کے بعد دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے لان کی سیڑھیوں پر اداس بیٹھی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بیڈ سے اتر کر کھڑکی میں کھڑا اسے یوں سب سے بے نیاز اداس بیٹھے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے کے بعد معید کی آنکھ کھلی تو وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔
"کہاں تھے ساری رات' تمہیں پتا ہے تمہاری وجہ سے سب کتنے پریشان رہے ہیں؟"
"ہوں پتا ہے۔" ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھتے ہوئے اس نے پھر کروٹ بدل لی تھی' وہ جل کر رہ گیا۔
"سالے پتا تھا تو کیوں تنگ کیا؟"
"سالا نہیں ہوں میں تمہارا' نہ ہو سکتا ہوں' خدا را وہ ہندی فلمیں کم دیکھا کرو۔"
"چلو ٹھیک ہے کم دیکھ لوں گا۔ تم بتاؤ کہاں تھے ساری رات؟"
"بس لاہور کی سڑکوں پر خاک چھانتا پھر رہا تھا۔"
"کیوں؟ اب تو چھپھو اور پھوپھا بھی آگئے ہیں اب کیا ٹینشن ہے تمہاری؟"
"بہت ٹینشن ہیں ابھی بھی' تم بتاؤ قبر کے فرشتوں کی طرح صبح ہی صبح حساب کتاب لینے کے لیے کیوں نازل ہو گئے ہو؟" اب وہ سیدھا ہوا مگر اب بھی تکیہ اس کے بازوؤں میں دبا تھا۔ اذہان اس کے برابر میں نیم دراز ہو گیا۔
"تیرا حساب کتاب کلیئر ہے' تجھ سے کیا حساب کتاب کرنا' بس اطلاع دینے آیا تھا تجھے کہ آج عائزہ کی مہندی ہے اور گھر میں مہمان آنے شروع ہو گئے ہیں مگر تم ابھی تک بے شرموں کی طرح کمرے میں گھسے پڑے ہو' وہاں ابو اور چاچو' پھوپھا جی سے تمہارا پوچھ پوچھ کر تھک گئے ہیں۔"
"اچھا؟"
"ہوں ایک اور بات بھی پوچھنی تھی۔"
"پوچھو......"
"حنا کیسی لڑکی ہے؟"

"کیوں..... تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یار پلیز کبھی تو سوال پر سوال کیے بغیر جواب دے دیا کرو۔"

"او کے اچھی لڑکی ہے بلکہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"کیا تم انٹرسٹڈ ہو اس میں؟"

"تم سے کہا ہے اس نے؟"

"نہیں ویسے ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"بات بھی بتا دوں گا پہلے تم کلیئر کرو کیا تم اس میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"نہیں میری بہن ہے وہ۔"

"واقعی.....؟" مرینہ بیگم کی طرح اذہان کا چہرہ بھی خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ وہ بے حد حیران رہ گیا۔

"ہوں واقعی اب تم بتاؤ کل سے سب فرداً فرداً مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟"

"واٹ..... اور کس نے پوچھا ہے؟"

"امی بھی پوچھ رہی تھیں کل شام۔"

"تو وہ شاید میری طرح ان کے دل میں بھی یہی ہوگا۔"

"تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"مجھے وہ اچھی لگتی ہے معید! شادی کرنا چاہتا ہوں میں اس سے۔"

"بکواس تو نہیں کر رہے؟"

"نہیں یار سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ہوں..... پھر تو اچھی بات ہے مگر وہ نہیں مانے گی۔"

"کیوں؟" ایک دم سے اس کا چہرہ بجھا تھا۔

"بس ایک بار دل ٹوٹا ہے اس کا بار بار اعتبار نہیں کرے گی وہ۔"

"کس نے دل توڑا ہے اس کا؟"

"پتا نہیں شاید اس کی دوست کا کوئی بھائی تھا شادی بھی طے ہوگئی تھی مگر عین برات والے روز اسے پتا چلا کہ وہ تو پہلے سے شادی شدہ تھا اور اس کے تین بچے بھی تھے جبکہ پہلی شادی بھی لو میرج تھی اس کی۔"

"اوہ....." وہ افسردہ ہوا معید بستر سے اٹھ گیا۔

"چلو اب تم تھوڑا انتظار کرو میں شاور لے کر آتا ہوں۔"

اسے بیڈ پر نیم دراز چھوڑ کر وہ اپنے کپڑے اٹھاتا واش روم میں گھس گیا تھا تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ واش روم سے نکلا تو اذہان وہاں نہیں تھا اس نے ایک نظر بے ترتیب کمرے پر ڈالی پھر انگلیوں سے بال سنوارتا کمرے سے باہر نکل آیا جہاں ہال میں مرینہ بیگم جیسے اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

"اٹھ گئے معید؟" اسے دیکھ کر وہ فوراً اٹھتے ہوئے اس کے قریب آئی تھیں۔ معید نے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں گھسا لیے۔

"السلام علیکم امی!"

"وعلیکم السلام اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"ٹھیک ہوں امی مجھے کیا ہونا ہے پلیز آپ پریشان نہ ہوں۔"

"کیسے پریشان نہ ہوں ماں ہوں میں تمہاری ساری رات ایک پل کے لیے بھی تمہاری وجہ سے نہیں سو سکی میں مگر تمہیں کیا تم نے پہلے کب میری پروا کی ہے جو اب کرو گے۔"

"امی پلیز کیا ہوگیا ہے آپ کو ایسا تو مت کہیں۔"

"کیوں نہ کہوں تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کل تمہاری وجہ سے میں نے اور تمہارے پاپا نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے کتنی شرمندگی کا سامنا کیا ہے یہاں سب کی جان پر بنی تھی اور تم وہاں حرا سے دوست کے ساتھ مووی دیکھتے رہے ایک پل کے لیے بھی تمہیں ہماری پریشانی کا خیال نہیں آیا۔"

"ایم سوری اب چھوڑ دیں اس بات کو..... پلیز۔"

اس کی آنکھیں اب بھی سرخ تھیں جبکہ چہرہ ستا ہوا دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ ساری رات جاگ کر بہت بے چین رہا ہو۔ تبھی وہ اسے زبردستی ناشتے کی میز کی طرف کھینچ لائی تھیں۔

"ابو کہاں ہیں..... کیا ابھی تک سو رہے ہیں؟"

"نہیں، تمہارے ماموں کے ساتھ کسی کام سے باہر گئے ہیں، مجھ سے کہہ رہے تھے تمہیں نہ اٹھاؤں مگر میں نے بتادیا کہ رات بھر تم اپنے کسی دوست کے ساتھ جاگ کر کام میں مصروف رہے ہو اسی لیے اٹھانا مناسب نہیں۔" وہ اسے چائے ڈال کر دیتے ہوئے تفصیل بتارہی تھیں، معید نے کل کا اخبار دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اوہ امی! آپ بھی نہ بس، میں جاگ ہی رہا تھا اٹھا لیتیں۔"

"بس چپ کرو تم، رات عینا کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی، بخار اتر ہی نہیں رہا تھا اوپر سے اس نے گولیاں بھی زیادہ کھالی تھیں، بڑی مشکل سے جان بچی ہے، سچ پوچھو تو میرا دل اسے دیکھ کر بہت کٹتا ہے۔"

"اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟" بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے اس نے لب بھینچے تھے، مرینہ بیگم اس کے سامنے ہی ٹک گئیں۔

"کیسی طبیعت ہونی ہے، کل سے نہ آنکھیں [illegible] رہی ہے نہ کچھ کھا پی رہی ہے نہ ہی کسی سے بات کررہی ہے۔ سب اسے لے کر بہت پریشان ہیں مگر [illegible] دیکھو کہ کوئی بھی اس موقع پر اس کا [illegible] بات۔ بھائی صاحب نہیں چاہتے کہ کسی کی رشتہ دار یا عائزہ کے سسرال والوں کو عینا کی بربادی کا پتا چلے، وہ جلد از جلد عائزہ کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اور مزید اب اس معاملے میں کوئی بھی رکاوٹ برداشت نہیں کرسکتے اس لیے عینا کی دلجوئی کرنے کی بجائے سب شادی کی تیاریوں میں لگے ہیں۔"

"یہ تو ظلم ہے امی! اس لڑکی پر قیامت ٹوٹ گئی اور کسی کے پاس اس کے آنسو پونچھنے کا بھی وقت نہیں؟" معید کو دکھ ہوا تھا، مرینہ بیگم نے نظریں چرالیں۔

"سب مجبور ہیں معید! عائزہ کی شادی ہم سب کے لیے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے ایسے میں اگر کسی کو عینا کی بربادی کا پتا چلے گا تو پتا نہیں کیسی کیسی باتیں بنیں گی، سب ہمارے گھر پر انگلیاں اٹھائیں گے اسی لیے بھائی صاحب مصلحتاً اس بات کو چھپا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں اسے۔" فوراً چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

عینا بیڈ پر چت لیٹے چھت کو گھور رہی تھی جبکہ اس کا چہرہ بخار کی حدت سے تمتمارہا تھا، معید ہلکی سی دستک کے بعد اس کے کمرے میں چلا آیا۔

"السلام علیکم!" اس کا زرد حال دیکھ کر اس کا دل کٹتا تھا مگر اس نے چہرے پر زبردستی مسکان سجالی تھی۔ عینا اسے قریب پاکر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیسی ہو؟ [illegible] کہ تم نے کل رات خودکشی کی کوشش کی تھی؟" [illegible] کر وہ اس کے بیڈ کے قریب [illegible] نے گھٹنوں میں منہ چھپالیا۔

"ایسی کوئی بات [illegible] میری زندگی اتنی آسانی سے میرا پیچھا چھوڑنے والی نہیں ہے" قدرے تلخی سے کہتے ہوئے اس [illegible] گیا تھا، معید کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"[illegible] زندگی سے پیچھا کیوں چھڑانا چاہتی ہو؟"

"پتا نہیں۔" اب وہ رو رہی تھی، معید کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

"عینا....." عجیب یاسیت سے اس نے اسے پکارا تھا مگر عینا نے جواب نہیں دیا۔

"عینا تم اتنی کمزور تو کبھی بھی نہیں تھیں، مجھے ہمیشہ تمہاری بہادری پر فخر رہا ہے، تمہیں یاد ہے بچپن میں ایک بار جب تم میرے ساتھ سائیکل پر بیٹھی تھیں اور میں نے تمہیں شرارت سے گرادیا تھا تب تمہیں کتنی چوٹ لگی تھی مگر تم نے کوئی واویلا نہیں کیا تھا، تم خاموشی سے اپنا بہتا ہوا خون دیکھتی رہی تھیں۔"

"اسی خاموشی کی تو سزا مل رہی ہے۔"

"ایسا نہیں کہتے عینا! اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے، وہ اپنے پیاروں کو آزمائش کی بھٹی میں ڈال کر کندن ضرور بناتا ہے مگر انہیں کبھی بے آسرا نہیں چھوڑتا، خیر میں

یہاں تمہیں کوئی لیکچر دینے نہیں آیا بلکہ تمہاری طبیعت معلوم کرنے آیا ہوں دکھاؤ بخار کیسا ہے اب؟" اپنائیت سے کہتے ہوئے اس نے اٹھ کر عینا کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو آگ کی طرح جل رہی تھی۔

"اوہ تمہیں تو اب بھی بہت تیز بخار ہے پتا نہیں ہوش کیسے سلامت ہیں تمہارے بہرحال میں دوا بھجواتا ہوں وہ کھا لینا اور رفیعہ کو کہتا ہوں وہ تمہاری پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھ دے گی۔ اصل میں شادی والا گھر ہے سب ہی اپنی اپنی جگہ مختلف کاموں میں پھنسے ہوئے ہیں تم مائنڈ مت کرنا پلیز۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا عینا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرآ ئیں۔

"مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں شاید یہ سب میری تقدیر میں لکھا تھا کہ میری تعلیم ادھوری چھڑوا کر میری مرضی کے خلاف زبردستی میری شادی کردی اور پھر میرا شوہر مجھے صرف اس لیے ٹھکرا کر چلا گیا ہے کہ میں ایک گھریلو لڑکی کیوں ہوں۔ دنیا کی دوسری ماڈرن لڑکیوں کی طرح فیشن کیوں نہیں کرتی؟ میرے ایک سال کے معصوم بچے کو مجھ سے چھین کر صرف اس لیے موت کے حوالے کردیا کہ اس کے باپ کو اس کے دادا نے اپنی جائیداد سے عاق کردیا؟ آپ جائیں یہاں سے مجھے کسی کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔" اب وہ رو پڑی تھی معید جیسے تاسف زدہ سا ہوگیا۔

"کیا کہہ رہی ہو عینا! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہوا ہے کوئی نہیں جانتا میں کس قیامت سے گزری ہوں ریان نے ایکسیڈنٹ میں میرا بچہ گنوا دیا اور اپنی ٹانگیں بھی۔ اس لیے اس نے مجھے آزاد کردیا مگر تایا ابو اس سے پہلے ہی اسے اپنی جائیداد اور اس گھر سے عاق کرچکے ہیں وہ زندگی میں کبھی اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا کبھی بھی نہیں۔" اس بار وہ معید کا ہاتھ تھام کر اس پر اپنا سر ٹکائے روتی رہی تھی۔

معید کے اندر آتش فشاں سے پھٹتے رہے اس کا ہاتھ عینا کے آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا مگر اس نے اسے رونے دیا۔ کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جن کا آنسوؤں کے ذریعے باہر نکل جانا ہی بہتر ہوتا ہے نہیں تو وہ اندر ہی اندر گھاؤ بن کر بدن کو چاٹ جاتے ہیں۔

زندگی میں دوسری بار وہ شدید تکلیف سے گزر رہا تھا اس سے پہلے یہ تکلیف اسے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب اس نے اپنی تعلیم کے دوران پاکستان فون کرنے پر مرینہ بیگم سے عینا کی اچانک شادی کا سنا تھا۔ روح جسم سے کیسے نکلتی ہے کوئی اس وقت اس سے پوچھتا پورے ایک ہفتے وہ بستر سے اٹھ نہیں سکا تھا اور اب ایک مرتبہ پھر اس کا دل اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔

کل عائزہ کی مہندی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کہیں چلا جائے کسی ایسی دنیا میں جہاں کسی دکھ اور بے سکونی کا نام تک نہ ہو مگر یہ بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس رات بہت دنوں کے بعد پھر اس نے کمرا بند کرکے بہت زیادہ سگریٹ نوشی کی تھی۔

❁......❁......❁

اگر میں یہ کہوں تم سے
کہ تم بن نامکمل ہوں
تو کیا تکمیل ممکن ہے؟

مہندی کا فنکشن اپنے عروج پر تھا سب گہما گہمی میں مشغول تھے پیلے سوٹ میں ملبوس سرسوں کے مرجھائے ہوئے پھول کی مانند سر جھکائے بیٹھی عائزہ یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے اسے عمر قید کی سزا سنائی جارہی ہو جبکہ اس کے پہلو میں بیٹھا نعیم خوب ہنس رہا تھا۔

عینا نے صرف ایک نظر سر اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھا پھر کچن میں چلی آئی۔ اس کی سوجھی ہوئی سرخ آنکھوں سے اس وقت بھی آنسو بہہ رہے تھے جبکہ پورا وجود یوں دہک رہا تھا جیسے انگارہ ہو۔ نعیم کے پہلو میں بیٹھے معید نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظر پھیر لی تھی۔

کچن میں آنے کے بعد عینا نے کئی بار آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے تھے مگر ان آنکھوں کی

جلن اور ایک عجیب سی چبھن بدستور قائم رہی تھی۔
گھر کے سبھی افراد چپ چپ سے تھے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ کئی بار ملتوی ہوئی شادی کے اس موقع پر کسی بھی رشتہ دار یا عائزہ کے سسرال والوں کو عینا پر ٹوٹی قیامت کا پتا چلے تبھی اس نے بھی اپنے آنسو جیسے رگڑ لیے تھے مگر آنکھیں کسی بھی طرح خشک ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔
زعیم کی فیملی بہت خوش دکھائی دے رہی تھی اس نے دل ہی دل میں چھلکتے آنسوؤں کے ساتھ اپنی بہن کی سچی اور دائمی خوشیوں کے لیے ڈھیر سی دعائیں مانگ ڈالیں۔
وہ ابھی برتن دھو کر پلٹ رہی تھی جب معید وہاں چلا آیا ڈارک گرے شلوار قمیص میں ملبوس اس کی شاندار شخصیت بے حد چارمنگ دکھائی دے رہی تھی۔ عینا نے اسے دیکھتے ہی جلدی سے رخ پھیرا تھا مبادا وہ اس کی بھیگی ہوئی پلکیں نہ دیکھ لے۔
"عینا......"
"جی۔"
"چائے مل سکتی ہے ایک کپ؟"
"ہوں ابھی بنا رہی ہوں۔"
"طبیعت کیسی ہے اب؟"
"ٹھیک ہے۔"
"مگر مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہی۔" دونوں بازو سینے پر باندھے وہ دروازے کی ایک پٹ سے ٹیک لگائے کھڑا اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عینا کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں تبھی وہ قریب آیا تھا۔
"تمہیں پتا ہے اس دنیا کی سب سے اسٹوپڈ لڑکی کون ہے عینا معظم علی۔" کن اکھیوں سے وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عینا کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے عین اسی پل اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی شفاف انگلیوں کی پوروں پر چن لیے تھے کچھ دیر یونہی یاسیت سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد وہ بولا۔
"ہم دوست ہیں عینا! اتنا پرایا تو نہیں ہوا میں کہ تم اپنے غم بھی مجھ سے شیئر نہ کرسکو۔" وہ شاید گلہ کررہا تھا عینا نے آہستہ سے رخ پھیرلیا۔
"چلو اوپر ٹیرس پر چل کر بات کرتے ہیں یہاں کھڑے ہوکر کام کرنے کے لیے بہت ملازمائیں ہیں گھر میں۔"
"نہیں میں......"
"عینا میں تمہاری کوئی بات نہیں سننے والا چلو پلیز۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی بہانہ کرتی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے سیڑھیوں کی طرف لے آیا تھا عینا سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ گئی جبکہ وہ اس سے دو سیڑھیاں نیچے بیٹھ گیا تھا۔ کچھ پل خاموشی کی نذر کرنے کے بعد بالآخر وہ بولا۔
"تمہیں پتا ہے عینا! آج کے دور میں سب سے خوش نصیب لڑکی کون ہے؟"
"[illegible] شاید وہ لڑکی جسے کسی مرد کا سچا اور مخلص پیار [illegible]"
"[illegible] اپنی زندگی میں بہت سی لڑکیوں سے پیار کرتے ہیں یا ہر نئی منزل نئی گام پر مگر وہ سب کی عزت نہیں کرتے عینا! بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں مرد چاہنے کے ساتھ ساتھ ان کی عزت بھی کرتے ہیں اور وہی خوش نصیب لڑکیاں ہوتی ہیں مگر ہمارے ہاں کی عورت کا المیہ یہ ہے عینا کہ وہ کسی بھی مرد کے پیار کے لیے اپنا تن من دھن یہاں تک کہ عزت جو کسی بھی عورت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتی ہے کو داؤ پر لگا دیتی ہیں چاہے وہ پیار محض اک فریب ہی کیوں نہ ہو حالانکہ عورت کی ذات سے اگر عزت کو نکال دیا جائے تو باقی کچھ بھی نہیں رہتا۔ عزت کے سرمائے سے محروم عورت سوائے ایک کھلونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر پھر بھی...... خیر تم ساری بات تو سمجھ ہی گئی ہوگی ناں اور ہمارے ہاں کی عورت شاید کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔"
جانے وہ اسے کیا سمجھانے کی کوشش کررہا تھا عینا خاموشی سے اس کے حرکت کرتے لبوں کو دیکھتی رہی تھی تبھی وہ پھر بولا۔

"بہر حال میں نے ماموں سے تمہارے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی بات کرلی ہے ابھی کچھ ٹائم ہے تمہارے پاس بہتر ہوگا اگر تم ذہنی طور پر خود کو اس کے لیے تیار کرلو۔"

"نہیں...... میں یونیورسٹی نہیں جانا چاہتی۔"

"کیوں؟"

"بس میں اب نہیں پڑھ پاؤں گی۔"

"میں پڑھاؤں گا اور تم پڑھوگی بھی؟"

"معید پلیز...... میرا دل نہیں لگے گا۔"

"لگ جائے گا تم فکر نہ کرو لڑکیوں کے دل بہت جلدی لگ جاتے ہیں۔" وہ اس کے فرار کی ساری راہیں مسدود کیے بیٹھا تھا عنا دونوں ہاتھ مسل کر رہ گئی۔

"ایک بات پوچھوں، سچ سچ بتاؤ گی؟"

"ہوں......"

"بہت پیار کرتی ہو ریان سے؟" عنا کو امید نہیں تھی کہ وہ اس سے ایسا بھی کوئی سوال کرسکتا ہے تبھی اس کا دل دھڑکا تھا اور پلکیں تیزی سے جھکی تھیں۔

"نہیں، مگر وہ میرا شوہر تھا میرے بچے کا باپ تھا اسے اس طرح سے کھونا نہیں چاہتی تھی۔"

"وہ تمہارا نہیں تھا کیونکہ اگر وہ تمہارا ہوتا تو کبھی کسی اور کی زلفوں کا اسیر نہ ہوتا۔" معید کے چہرے پر ایک ہلکی سا اطمینان کی لہر چھلکی تھی عنا گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی رہ گئی۔

"مجھے افسوس ہے عنا مگر حقیقت یہی ہے ریان کو تم سے کبھی بھی پیار نہیں تھا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"جانتی ہو تو اس کے لیے اپنی زندگی کو مزید برباد مت کرو پلیز۔"

"جتنی برباد ہو چکی ہے اس کے بعد اب میرے لیے زندگی میں کچھ نہیں بچا معید۔"

"ایسا نہیں کہتے، خیر چلو اب تم ریسٹ کرو، میں میڈیسن لکھوا رہا ہوں وہ لے لینا۔" وہ اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا عنا آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتی فوراً سیڑھیوں سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ اس وقت واقعی اسے آرام کی بہت اشد ضرورت تھی۔

❁......❁......❁

مہندی کا فنکشن جاری تھا اور زعیم کے پہلو میں بیٹھی عائزہ کی گردن مسلسل سر جھکائے بیٹھے رہنے سے دکھنے لگی تھی۔

اس کا دل اس لمحے بہت اذیت محسوس کر رہا تھا جبکہ زعیم کے ملبوس سے اٹھتی دلفریب خوشبو الگ پریشان کیے دے رہی تھی اوپر سے وہ جتنا سمٹ رہی تھی زعیم اتنا ہی پھیل کر اس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا بار بار کبھی اس کے ہاتھ اور کبھی کندھا جیسے ہی اس کے وجود سے مس ہوتے وہ جھنجلا کر رہ جاتی۔

اس نے ایک دو بار نظر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا مگر کوئی بھی اس وقت وہاں اس کی مدد کے لیے موجود نہیں تھا عجیب بے بسی سے اس کی جھکی [illegible] جیسے درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا زعیم اور اس کی ساری فیملی وہیں موجود تھی اور وہ لوگ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ عائزہ کا دل چاہا وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کردے تبھی معید وہاں چلا آیا اور عائزہ نے اس کی آواز سنتے ہی بے ساختہ پہلو بدلا تھا کیونکہ معید کے آنے سے صوفے پر اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے زعیم پھر اس سے قریب ہوگیا تھا مگر اس بار اس سے برداشت نہ ہوا تو بول اٹھی۔

"معید بھائی۔" اس کی پکار پر معید کے ساتھ ساتھ زعیم بھی چونکا تھا۔

"ہوں۔"

"میں تھک گئی ہوں ریسٹ کرنا چاہتی ہوں پلیز۔"

"اوکے میں آنٹی سے کہتا ہوں تقریب ختم کریں آپ تھوڑا انتظار کریں پلیز۔" اسے تسلی دیتا وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تبھی زعیم نے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا تو عائزہ کو ایسا لگا جیسے اس نے بجلی کی کسی ننگے تار کو چھو لیا ہو فوری طور پر اس نے اپنا ہاتھ زعیم کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف اس کی گرفت مضبوط تھی عائزہ کو اپنا ہاتھ اس کی گرفت میں جکڑا ہوا محسوس ہوا تھا اور

بے بسی کے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔"

"چھڑا لو اگر چھڑا سکتی ہو تو میں نے تو چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما۔" فوراً ہی اس کا سرد سا جواب بھی موصول ہوگیا تھا وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی آنسو تھے کہ آنکھوں میں مچل رہے تھے مگر وہ اس "چینڈو" شخص کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی تبھی کی ضبط سے کام لے رہی تھی۔

"آپ اس زور زبردستی سے سوائے نفرت کے اور کچھ حاصل نہیں کرسکتے۔"

"چلو محبت نہ سہی نفرت ہی سہی کچھ تو ملے گا ہے ناں آپ سے۔" وہ بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی کہ مرینہ بیگم وہاں چلی آئیں۔

"زعیم...... بیٹے کھانا لگ گیا ہے آپ کھانا کھالو عائزہ بھی تھک گئی ہوگی تھوڑا آرام کرلے بہت رات ہوگئی ہے۔"

"جی آنٹی۔" لب دبا کر فرمانبرداری سے کہتے ہوئے اس نے اٹھتے اٹھتے اتنی زور سے عائزہ کا ہاتھ دبایا تھا کہ وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔

"جنگلی۔"

بنا کسی کی پروا کیے وہ بے ساختہ ہی بڑبڑا کر مسکرا دیا تھا عائزہ اپنے کمرے میں آئی تو اس کی آنکھوں سے جل جل آنسو بہہ رہے تھے۔ نوچ نوچ کر ہر چیز اتارتے ہوئے اس نے بے پروائی سے ادھر ادھر پھینک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کمرہ لاک کرکے نیچے قالین پر بیٹھتے ہوئے بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگا کر وہ رونا شروع ہوئی تو پھر آنسو سسکیوں میں بدل گئے مگر وہ چپ نہ ہوئی۔

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب وہ شدید پیاس کے ہاتھوں مجبور ہوکر کمرے سے نکلی اور کچن میں چلی آئی جہاں پہلے ہی معید کھڑا اپنے لیے کافی پھینٹ رہا تھا آہٹ کی آواز پر اس نے پلٹ کر عائزہ کی طرف دیکھا تھا۔

"عائزہ آپ؟"

"جی بھائی، بہت پیاس لگی تھی پانی پینے چلی آئی۔"

"ہوں اور کھانا؟"

"سوری کھانے کی بھوک نہیں ہے۔"

"اور کھانے کی بھوک کیوں نہیں ہے؟"

"پتا نہیں۔" ہمیشہ کی طرح وہ بھی مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"او کے کافی پیئو گی؟"

"ہوں۔"

"چلو بیٹھو یہاں میں بناتا ہوں ابھی ایک اور کپ۔" کچن میں رکھی کھانے کی چھوٹی ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ فوراً پلٹا تو عائزہ نڈھال سی وہیں بیٹھ گئی مرینہ بیگم کے کمرے سے اذہان کے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں اس نے چپ چاپ سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"یہ کافی مگر پہلے یہ کچھ بریانی کھالو، میں نے ابھی گرم کی ہے خالی پیٹ کافی پینا اچھی بات نہیں۔" کرسی گھسیٹ کر کچھ ہی لمحوں کے بعد اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے وہ اسے ہدایت کر رہا تھا۔

عائزہ نے چپ چاپ سر اثبات میں ہلایا وہ ابھی بریانی کے دو لقمے ہی لے پائی تھی جب معید نے کافی کا کپ دونوں ہاتھوں میں جکڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"عائزہ اگر میں یہ کہوں کہ تم میرے لیے بالکل میری چھوٹی سگی بہن کی طرح ہو اور یہ بھی کہ میں نے ہمیشہ سے خود کو تمہارا سگا بھائی سمجھا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گی؟"

"ہوں......" عائزہ نے بریانی چھوڑ دی تھی۔ معید نے نظریں اس کے ستے ہوئے چہرے پر ٹکا دیں۔

"تھینکس اس اعتماد کے لیے۔" وہ شاید اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا عائزہ خاموش رہی تبھی وہ پھر بولا۔

"میں زعیم کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں وہ ایک پڑھا لکھا بہت سمجھدار انسان ہے میری نظر نے آج تک اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اگر ایک بھائی کی نظر سے

دیکھوں تب بھی اپنی بہن کے لیے میں اس سے بہتر شخص تلاش نہیں کرسکتا۔ پھر بھی تم اس شادی سے خوش نہیں ہو صرف اس لیے کہ وہ ایک دیہاتی شخص ہے؟"

"بھائی پلیز، میں اس شخص کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم نہ کرو مگر میں کرنا چاہتا ہوں صرف اسی لیے کہ وہ دیہات میں رہتا ہے تم اسے رد نہیں کرسکتی، عائزہ۔"

"میرے رد کرنے سے کیا ہوتا ہے بھائی، سو بار رد کروں تب بھی شادی اسی کے ساتھ ہونی ہے۔"

"مگر تم رد کیوں کرو؟ وہ تمہاری عزت کرتا ہے تمہیں پوری عزت اور ایمانداری کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے تم میری طرف دیکھو کیا میری شخصیت میں تمہیں کوئی کمی نظر آتی ہے میں نے بھی دیہات میں زندگی گزاری ہے تو کیا میں جاہل ہوں کیا میرے اندر سلیقہ نہیں شاید تمہیں برا لگے مگر یہ حقیقت ہے عائزہ، جو عزت اور پیار تمہیں زعیم جیسا ایک دیہاتی مرد دے سکتا ہے وہ شاید شہر کا کوئی لائق فائق لڑکا بھی نہ دے سکے میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تم لڑکیاں ہمیشہ سراب کی خواہش کیوں کرتی ہو؟ پانی سے بھرے سایہ دار بادلوں کی طرف کیوں نہیں دیکھتیں؟"

"بھائی میرا زعیم سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں کسی دیہات میں زندگی بسر نہیں کرسکتی۔"

"تو کیا ہوا زعیم کا شہر میں بزنس ہے اس کا سارا دن شہر میں گزرتا ہے تم کہو گی تو وہ یہیں گھر خرید لے گا عائزہ اس پر بھروسہ تو کرو۔"

"ٹھیک ہے بھائی، اب میں جاؤں بہت سخت نیند آرہی ہے۔" معید کی لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں اس نے ہاتھ میں پکڑا کافی کا کپ دوبارہ ٹیبل پر رکھا تو وہ شخص استہزائیہ ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ شب بخیر، مگر میری باتوں پر غور ضرور کرنا تم نہیں چاہو گی پھر بھی سب کچھ ہو کر رہے گا تو کیا بہتر نہیں ہے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں تمہاری خوشی شامل ہو۔"

"ٹھیک ہے بھائی شب بخیر۔"

وہ اس قصے سے بے زار تھی مگر چونکہ معید کی عزت کرتی تھی تبھی اس نے کچھ کہا نہیں تھا معید اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر وہیں بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

کمرے میں مدھم سا بلب روشن تھا۔ دروازہ مکمل بند نہیں تھا تبھی ہلکی سی روشنی کی ایک پتلی سی لکیر دروازے کی درز سے چھن کر باہر سیڑھیوں پر پڑ رہی تھی جہاں زرنیلا آفندی کا بیٹا علی دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اپنا چہرہ لیے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ شب کے بارہ بج رہے تھے مگر زرنیلا ابھی تک اندر جاگ رہی تھی اس کی ماں کی اس کی بیٹی بس آج پھر اس کا انتظار کرتے کرتے روتے روتے سو گئی تھی۔

عثمان آفندی کی وفات کو دو سال ہونے کو آئے تھے مگر وہ اپنے گھر والوں سے ابھی تک اسے یاد کر کے روتے تھے دونوں کی نظر میں زرنیلا کا مقام متاثر ہو رہا تھا کیونکہ وہ اس کی بدکرداری کے کئی مناظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔

ریان ملک اسے چھوڑ کر جاچکا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی کیونکہ ریان کی جگہ اب عباد نصیر نے لے لی تھی زرنیلا کے لیے اس نے نا صرف اپنی بچپن کی منگیتر کو ٹھکرا دیا تھا بلکہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اس سے شادی کے لیے فائٹ بھی کر رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ ریان کی طرح وہ بھی اسے پانے کے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر آجائے گا کیونکہ وہ جال ہی اتنا مضبوط پھیلا لی تھی کہ شکار کا اس سے بچ نکل جانا ممکن ہی نہیں رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بہت سرشاری اسی کے ساتھ گھر واپس لوٹی تھی اور اس کے بیٹے نے اسے بہت نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا کوئی لاوا سا تھا جو اس کے اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ عباد کو رخصت کرنے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں آئی تو اس کا بیٹا بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا وہ اسے دیکھ کر چونکی۔

"ارے علی بیٹا آپ ابھی تک سوئے نہیں؟"

"نہیں۔" علی کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا مبادا وہ اس کی آنکھوں میں باپ کے لیے نفرت نہ دیکھ لے۔

"کیوں؟" وہ پلٹ کر اس کے مقابل آگئی۔

"کیا آج پھر پاپا یاد آرہے ہیں؟"

"نہیں۔" رباب بھی چپ چاپ سا تھا۔

"پھر....." اب کے اس نے بھنوئیں اچکائی تھیں تبھی علی نے سر اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں آپ کا انتظار کررہا تھا مجھے آپ کا زیادہ دیر گھر سے باہر رہنا اچھا نہیں لگتا۔"

"اوہ..... تو یہ بات ہے مگر بیٹا امی شوق سے تو گھر سے باہر نہیں رہتی سو کام ہیں جو امی کو کرنے ہوتے ہیں آپ کے پاپا تو رہے نہیں اب اور آپ ابھی بہت چھوٹے ہیں تو سارے کام امی کو ہی کرنے ہوتے ہیں نا آپ ٹائم پر سو جایا کرو شاباش۔"

"امی یہ عباد انکل کون ہیں؟"

"آپ کے پاپا کے دوست ہیں بیٹا۔"

"پاپا کے دوست ہیں تو آپ ان سے کیوں ملتی ہیں؟" اس کا بیٹا آج اس کے سامنے [illegible] تو وہ شپٹا گئی۔

"آپ کی عمر ان باتوں پر توجہ دینے [illegible] علی، جاؤ سو جاؤ جاکر۔" اب وہ اسے ڈانٹ رہی تھی [illegible] وہ ٹس سے مس تک نہیں ہورہا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں سونا مجھے نیند نہیں آتی امی۔"

"نہیں آتی نیند تو اپنے کمرے میں جاکر پڑھو میرا دماغ خراب مت کرو۔" غصے نے اس کا چہرہ سرخ کردیا تھا علی خاموشی سے سر جھکائے اس کے کمرے سے نکل آیا اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ اپنے کمرے میں واپس آیا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ سامنے ٹیبلٹ پر عرفان کی تصویر رکھی ہوئی تھی اس نے وہ تصویر اٹھائی اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیچے زمین پر بیٹھ گیا جانے کیوں آج پھر اسے اپنا باپ بہت یاد آرہا تھا۔ کتنے خطوط تھے جو

وہ دونوں بھائی بہن اپنے اسکول کی کاپیاں پھاڑ کر روز اپنے باپ کے نام لکھتے تھے اور چھپا دیتے تھے۔

اس وقت بھی گھٹنوں پر تھوڑی ٹکائے وہ تصویر کو دیکھتے ہوئے رو رہا تھا جب اس کی دس سالہ بہن بستر سے اتر کر اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔

"بھائی..... آپ پھر رو رہے ہو؟"

"نہیں۔" بہن کو دیکھ کر اس نے جلدی سے آنسو صاف کرلیے تھے۔

"کیا آج پاپا پھر یاد آرہے ہیں؟" وہ ہنوز اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہوں....." [illegible] اقرار کرنا پڑا تب ہی وہ بولی۔

"مجھے بھی پاپا بہت یاد آرہے تھے پتا ہے بھائی ریان انکل ایک مرتبہ [illegible] کہہ رہے تھے کہ امی نے ان کے لیے ہمارے پاپا کی جان لے لی اور امی نے یہ مانا بھی۔"

"تمہیں [illegible] بات کا؟" وہ بری طرح چونکا تو

[illegible]

[illegible] نے خود سنا تھا میں اس وقت گھر پر تھی امی نے [illegible] ریان انکل سے شادی کرنے کے لیے ہمارے پاپا کو جان سے مار دیا۔"

اب سحر کی آواز بھی بھرا رہی تھی چودہ سالہ علی کو لگا جیسے کسی نے اس کے وجود میں پارہ بھر دیا ہو اس کی شریانیں جیسے پھٹنے لگی تھیں اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی سو نہیں سکا تھا اگلے روز جب ان کی کچھ چھٹیاں ابھی باقی تھیں زرنیلا نے ان دونوں کو پھر سے زبردستی بورڈنگ بھجوا دیا تھا یہ اس سے تقریباً ایک ماہ بعد کی بات تھی جب عباد فقیر نے زرنیلا کا بر تھ ڈے اس کے گھر پر سیلیبریٹ کرنے کا عندیہ دیا تھا۔

زرنیلا بے حد خوش تھی بلیک شیفون کی پھولدار ساڑھی میں اس کا روپہلا وجود جیسے دمک رہا تھا۔ اس کے اور عباد کے درمیان ساری حدود کب کی پار ہوچکی تھیں لہٰذا آج اس نے خصوصی طور پر اپنے آپ کو پور پور عباد فقیر کے لیے سجایا تھا۔

دونوں نے رات کا کھانا باہر ہوٹل سے کھایا تھا کیک کاٹنے کی رسم البتہ گھر پہ ہی ادا ہوئی تھی لاؤنج میں سارا اہتمام کیا گیا تھا چند قریبی لوگ بھی انوائیٹڈ تھے جو کیک کٹنے کے بعد آہستہ آہستہ رخصت ہو گئے تھے زرنیلا کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ اس کا بیٹا اسے بتائے بغیر اس کے برتھ ڈے پر گھر آ سکتا تھا وہ مکمل طور پر اپنی خوشی میں پاگل تھی مدہوش تھی اور اسی مدہوشی میں اس نے عباد نقیر پر اپنی چاہتوں اور پیاس کے دریا وہیں لاؤنج میں بہانے شروع کر دیے تھے اور اس کا بیٹا جو تھوڑی دیر پہلے اس کی غیر موجودگی میں گھر آیا تھا اپنے کمرے کی کھڑکی سے ایک ایک منظر چھپ کر دیکھتا رہا اور روتا رہا۔

ماں کسی بھی انسان کی پہچان اور اس کا غرور و فخر ہوتی ہے مگر اس کی پہچان دھندلی پڑتی جا رہی تھی اس کا غرور و فخر خاک میں ملتا جا رہا تھا جو کچھ اس رات اس نے دیکھا تھا اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا یہی وجہ تھی کہ آنے والے دنوں میں اس کے لبوں پر مزید چپ کے تالے لگ گئے تھے۔

اس روز پریکٹیکل کے دوران اس نے اپنی ٹیچر کو کہتے سنا تھا کہ "پارا" (دھات) خطرناک ہوتا ہے اگر کوئی انسان غلطی سے کھا لے تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے تبھی اس کے ذہن نے ایک نئے طرز پر سوچنا شروع کر دیا تھا اور یہ بہت سے دن سوچنے کا نتیجہ ہی تھا کہ اگلے تین ماہ کے بعد جب وہ ایک ہفتہ کی چھٹیوں میں گھر آیا تو اس کے بیگ میں پارا موجود تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ماں کی طرز زندگی کا اثر اس کی معصوم بہن پر پڑے اور پھر اپنی ماں کی طرح وہ بھی تباہی و بربادی کے رستے پر نکل پڑے تبھی اس روز جب زرنیلا اور عباد نے پھر رات اکٹھی گزاری تھی اس نے ساری رات جاگ کر رونے کے بعد صبح زرنیلا سے پہلے ہی اٹھ کر دودھ میں وہ پارا شامل کر دیا تھا۔ عباد بچوں کی موجودگی کی وجہ سے زرنیلا کے اصرار کے باوجود بنا ناشتا کے لیے نکل گیا تھا مگر زرنیلا نے اپنے لیے خود ناشتہ تیار کیا ملازمہ چھٹی پر تھی اور گھر میں سوائے اس کے اور اس کے بچوں کے اور کوئی نہیں تھا۔

ناشتہ تیار کرنے کے بعد وہ بچوں کو جگائے بغیر اکیلی ہی ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ بیٹھی تھی۔ مکھن لگا بریڈ اور دودھ اس کا فیورٹ ناشتا تھا تبھی ٹیبل پر پڑا اخبار اٹھا کر سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ سے ناشتا شروع کر دیا تھا۔

بڑھے ہوئے ناخنوں پر لائٹ پنک کلر کی نیل پالش لگی تھی سر کے بال ابھی اس نے کل ہی ترشوائے تھے جبکہ بھنوئیں تو وہ خود ہی روز سیٹ کر لیتی پاؤں کے ناخن بھی جدید تراش خراش کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے دوپٹے سے اسے ویسے ہی الرجی تھی سردیوں میں بھی دوپٹا گلے میں ڈال لیتی تو اس کا دم گھٹنے لگتا تھا نماز تو شاید اس نے زندگی میں کبھی پڑھی نہیں تھی خدا نے اس پر

غزل

ہم جو ہر روز نئی صبح کیا کرتے ہیں
تیرے گلشن کے مہکنے کی دعا کرتے ہیں
جن کو ہے اپنے معبود پہ یقین کامل
شب کو اٹھ اٹھ کر وہ سجدے ادا کرتے ہیں
شور سا شور بپا ہوتا ہے خانۂ دل میں
جب بھی ہم تجھ سے بچھڑنے کا سنا کرتے ہیں
کون جانے محبت میں کیے وعدوں کا!
پاس ہم اہل مہر و وفا کرتے ہیں
ہم ہر روز منڈیروں پہ جلاتے ہیں دیے
اور کچھ لوگ انہیں روز ہوا کرتے ہیں
وہ بھی آئے تجھے کئی لوگ تسلی دینے
جانے وہ لوگ میرے کون ہوا کرتے ہیں؟
کون سمجھے گا انہیں یار جو اوروں کے لیے
اپنے تن کو جلا کر بھی ضیا کرتے ہیں
یہ وہ دنیا ہے جہاں غرض ہے سب سے آگے
بنا مطلب کے کہاں لوگ ملا کرتے ہیں

سباس گل ــ رحیم یار خان

احسان عظیم کیا تھا کہ اسے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت میں سے پیدا کیا تھا مگر اس کی بدنصیبی کہ اس نے اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں صرف دنیا کماتے ہوئے خود اپنے اعمال بد سے اپنے اوپر جنت کے دروازے بند کرلیے تھے اور دوزخ کس نے دیکھی ہے دنیا میں؟ یہ اس کی سوچ تھی۔

اس روز ناشتے کے دوران ہی خود اپنے بیٹے کے ہاتھوں موت کے منہ میں جاتے ہوئے وہ بری طرح تڑپ رہی تھی مگر کوئی نہیں تھا اس وقت جو اس کے کام آتا۔ اخبار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا دنیا کی زندگی جو اسے لگتا تھا کبھی ختم ہی نہیں ہوگی اس کی آنکھوں کے سامنے ماند پڑتی جارہی تھی دونوں ہاتھوں سے اپنا گلہ پکڑے اس نے چلانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔ مارے تکلیف اور بے بسی کے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ مگر یہ تکلیف تو خود اس نے اپنے لیے منتخب کی تھی گمراہی کے راستے پر چلتے ہوئے وہ یہ بھول گئی تھی کہ زندگی چاہے کتنی ہی حسین کیوں نا ہو موت اذیت ناک ہی ہوتی ہے۔

اس کا بیٹا اس کی دسترس سے دور تھا۔

شدید ترین تکلیف سے سانس جیسے [illegible] لگی تھی نظروں کے سامنے زمین آسمان گھومنے لگے تھے۔ اس نے کلمہ پڑھنے کی کوشش کی مگر اسے کلمہ یاد ہی نہیں آرہا تھا اسے لگ رہا تھا اس اچانک چھٹنے والی شدید تکلیف سے وہ بے ہوش ہوکر گرجائے گی اور پھر کچھ لمحوں کے بعد دوبارہ اس کی آنکھ کھل جائے گی وہ زندہ ہوگی اور دنیا میں ہوگی اس نے آنکھیں بند ہونے سے پہلے اپنے بچوں کو یاد کیا... باری باری دونوں کے چہرے اس کی نگاہوں میں گھومے تھے پھر عثمان، ریان اور مہاد کے چہرے تصور میں آئے تھے۔ وہ چہروں میں الجھتی چلی گئی اور اس کی زندگی کسی ریشمی ملبوس کی طرح اس کی دسترس سے پھسلتی چلی گئی۔

لوح قلم پر ایک اور انسانی زندگی کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوچکا تھا مگر کون جانتا تھا کہ اس باب میں صرف خسارے ہی خسارے رقم تھے۔

❁ ❁ ❁

بہت دنوں کے بعد لان میں ہلکی ہلکی دھوپ بکھری تھی۔

سندان حسن کی تین سالہ بیٹی وہیں اس کے قریب لان میں مٹی سے کھیل رہی تھی جبکہ اس کی بیوی زرنگار رات دیر تک ایک گیٹ ٹوگیدر پارٹی میں شریک رہنے کے سبب ابھی تک کمرا بند کیے سو رہی تھی۔ دو سال ہوئے تھے اس کی ماں کو وفات پائے جن دنوں اس کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کی ماں نے [illegible] کو ایسا دل پر لیا کہ بستر سے لگ کر رہ گئیں [illegible] بیٹے کی عمر بھر کی معذوری کے تصور نے انہیں [illegible] اور وہ وقت سے پہلے زندگی [illegible] ان کی رحلت کے بعد اس کی بہن [illegible] ہاتھوں سے نکلتی چلی گئی اور ایک رات [illegible] کہ جب وہ اس کی معذوری سے فائدہ اٹھا کر [illegible] تاریکی میں گھر سے بھاگ گئی۔

قدرت کی طرف سے مکافات عمل ہوتا ہے مگر انسان سمجھتے نہیں، وہ دوسروں کی عزتوں کو پامال کیا کرتا تھا...

اس کے وہ بد اعمال اب اسے واپسی کا رستہ دکھا رہے تھے۔ ماں کی وفات کے بعد دوسری بار وہ کمرا بند کرکے رویا اور پھر مزید خاموش ہوگیا سارا سارا دن خاموش بیٹھا دور خلاؤں میں تکتا رہتا۔ کئی کئی گھنٹے بھوکا پیاسا کمرے میں ایک ہی کروٹ پر پڑا رہتا اس کی ٹانگ کا زخم بھی اب خراب ہورہا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی اپنے نفس کے ہاتھوں جتنے گناہ وہ کرچکا تھا ان کی یہ سزا بہت کم تھی وہ چاہتا تھا کہ اس کے وجود میں کیڑے پڑجائیں مگر کوئی اس کا پرسان حال نہ ہو زرنگار اس پر پستی کی نظر کرتی تھی اور وہ ناخوشی سے برداشت کرپاتا تھا۔

صرف اسے اذیت دینے کے لیے اس نے بیٹی پیدا کی تھی وہ دل سے چاہتی تھی کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہو اور جس روز اس کے گھر بیٹی نے جنم لیا وہ شدید درد میں ہونے

کے باوجود بے حد مسرور تھی۔

اس کا باپ جو پہلے ہی جوان بیٹے کی معذوری، بیوی کی رحلت اور بیٹی کے گھر سے بھاگنے کی بدنامی کے بعد بے حد ٹوٹ چکا تھا آفس سے آنے کے بعد اسے اور اس کی بیٹی کو سنبھالتا تھا باپ کے آنے تک وہ بے بس سا یونہی کمرے میں بے حال پڑا رہتا تھا مگر زرنگار اس کی طرف ایک نظر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ کوشش کرے تو وہ چل سکتا ہے مگر وہ کوشش ہی نہیں کرتا تھا۔

اپنی بیٹی کے پیدا ہونے سے پہلے وہ بار وہ خودکشی کی کوشش کر چکا تھا مگر دونوں بار بچ گیا شاید موت بھی ابھی اس پر مہربان نہیں ہوئی تھی۔

اسے اپنے باپ پر ترس آتا جو دن بھر آفس میں کھپنے کے بعد پھر ان دونوں باپ بیٹی کے کاموں میں لگ جاتے زرنگار نے اپنی مصروفیات ڈھونڈلی تھیں رات دیر تک اس کی ماں کی طرح وہ بھی کسی پارٹی کبھی کسی نائٹ فنکشن میں شریک ہوتی اور دن میں سارا دن سوتی رہتی پہلے کچھ دنوں سے اس نے مردوں سے دوستی بھی شروع کر دی تھی اور وہ مرد اب اس کے ساتھ اس کے گھر آتے تھے بالکل ویسے ہی جیسے سندان اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ان کے گھر جاتا تھا مگر جب وہ نہیں جانتا تھا کہ ایک روز یہ سب اعمال پلٹ کر کیچڑ کی طرح خود اس کی اپنی ذات پر آگریں گے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔

اس کے دوست اب بھی آتے تھے مگر اب ان کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی تھی ہوتی بھی تو سندان کو اچھا نہیں لگتا تھا اسے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا سوائے اپنی بیٹی کی ننھی منی شرارتوں کے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ کب کا تیسری بار خودکشی کی کوشش کر چکا ہوتا۔

وہ اوائل سردیوں کے دن تھے زرنگار گھر پر نہیں تھی اور وہ اپنے ایک دوست کے پاس لان میں بیٹھا تھا جبکہ اس کے پاپا آفس کے لیے نکل گئے تھے تبھی اس کی بیٹی نیند سے جاگ کر بیڈ سے نیچے اتر آئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف آ گئی چونکہ اس کا بیڈروم پہلے اوپر والے فلور پر تھا جہاں زرنگار اور بچی وہیں سوتی تھیں جبکہ وہ اور اس کے پاپا نیچے والے کمروں میں سوتے تھے وجہ سندان کی معذوری تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے دوست کے ساتھ کاروبار اور اپنی صحت کے متعلق ڈسکس کر رہا تھا جب اچانک اسے اپنی بیٹی کی چیخوں اور رونے کی آواز سنائی دی۔ اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا فوراً سے پیشتر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر اس کوشش میں لڑکھڑا کر گر گیا تھا زندگی میں پہلی بار اسے اپنی معذوری پر رونا آیا تھا۔

اس کے دوست نے اس کی کیفیت کو سمجھا اور خود اٹھ کر اسے سنبھالنے کے بعد وہ اندر کی طرف دوڑا گئے پانچ منٹ کے بعد جب وہ واپس لان کی طرف آیا تو سندان کی بیٹی اس کی بانہوں میں بے ہوشی کی حالت میں تھی اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا سندان کی جیسے کسی نے جان نکال لی۔ اس کا دوست اس وقت اسے اور اس کی بیٹی کو لے کر قریبی کلینک گیا اور پھر بچی کے ہوش میں آنے تک وہ اس کے پاس ہی بیٹھا رہا سندان اس کا بہت مشکور تھا اس وقت وہ اس کے لیے کسی رحمت کے فرشتے سے کم نہیں تھا۔

شام میں زرنگار جلدی گھر واپس آ گئی تھی مگر اس سے پہلے وہ اپنے پاپا سے خوب لڑ چکا تھا کہ ان لوگوں نے اسے بتائے بغیر ایک کروڑ کے بھاری حق مہر کے عوض اس کی شادی زرنگار جیسی بے حس لڑکی سے کیوں کی آج اگر ان کے حالات خراب نہ ہوتے تو وہ کب کا زرنگار کو فارغ کر چکا ہوتا اس کے پاپا اس سے شرمندہ تھے مگر اب ان کے اختیار میں بھی کچھ نہیں رہا تھا۔

زرنگار سرشاری کمرے میں آئی تو وہ بچی کو گود میں لیے بیٹھا تھا جبکہ اس کی آنکھیں جیسے لہو ٹپکا رہی تھیں وہ تھکی اور نہ چاہتے ہوئے بھی لپک کر قریب چلی آئی تھی۔

"کیا ہوا ہے کیسے لگی چوٹ؟"

"پتا نہیں۔"

"پتا نہیں، سارا دن بے کار گھر میں پڑے رہتے ہو ایک چھوٹی سی بچی کا خیال نہیں رکھ سکتے؟"

"جسٹ شٹ اپ" پہلی بار اس کے طنز پر وہ شیر کی طرح دھاڑا تھا زرنگار حیران ہوئی۔

"واہ بھئی کمال ہو گیا اپنی بیٹی بستر سے گری تو یہ حال ہے دوسروں کی بیٹیوں کو ان کے ماں باپ کی نظروں سے گرا دیتے تھے ساری دنیا کی نظروں میں دو کوڑی کا کر دیتے تھے تب کیوں دل نہیں تڑپا تھا کیوں وہ کسی کی بیٹیاں نہیں تھیں؟"

"بکواس بند کرو اپنی اگر میں دو سال سے لبوں پر چپ کا قفل ڈالے ہوئے ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم مجھ پر خدائی شروع کر دو میں نے جو کیا اس کے لیے میں اپنے رب کو جواب دہ ہوں وہی مجھے سزا و جزا دینے کا حق رکھتا ہے تم خدا نہیں ہو جو ہر وقت اذیت کا دوزخ دہکائے رکھو میرے لیے نہ ہی میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔" پہلی بار زرنگار نے اسے اس درجہ غصہ میں دیکھا تھا۔

"میری ماں بھی تمہارے جیسی عورت تھی اس نے ہرگز ایک مسلم عورت کی طرح ہماری پرورش نہیں کی بچپن میں صرف ایک بار قاری صاحب سے قرآن پاک پڑھوا کر اس نے سمجھ لیا کہ اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی میں جو بھی کرتا تھا اپنی ماں کو آ کر بتاتا تھا مگر میری ماں نے کبھی مجھے نہیں ڈانٹا بھی نہیں کہا کہ میں جو کر رہا ہوں وہ غلط ہے ماں کی گود کسی بھی انسان کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے جو باتیں انسان اپنی ماں سے سیکھتا ہے وہ ساری زندگی اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جاتی ہیں مگر میری ماں نے دنیا کی بہت سی الٹرا ماڈرن ماؤں کی طرح بھی اس بات کو نہیں سمجھا۔ شوہر کو کاٹھ کا الو بنا کر اپنی بھی دنیا و آخرت برباد کی اور ہماری بھی مگر میں کاٹھ کا الو نہیں ہوں میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا جو کچھ ہم نے اپنی ماں سے سیکھا وہی سب میری بیٹی تم سے سیکھے اور اپنی دنیا و آخرت تباہ کرے میں اپنے اعمال کی سزا خود بھگتوں گا اپنی بیٹی کو اس کا شکار نہیں بننے دوں گا تبھی تم؟" غصے نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا زرنگار چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تبھی اس نے رخ پھیرا تھا۔

"میں جانتا ہوں غلط ہوں گناہ گار ہوں اسلامی نظام حکومت رائج ہوتا تو شاید اب تک کب کا سنگسار کیا جا چکا ہوتا مگر میں کبھی کسی لڑکی کو بازو سے پکڑ کر زبردستی اس کے گھر سے نکال کر نہیں لایا لڑکیاں خود اپنی خواہشات کو پامال کرنے کے لیے قریب آتی ہیں ورنہ بہت سی لڑکیاں تھیں جن سے میں نے فلرٹ کرنا چاہا تھا مگر نہیں کر سکا ان کی حیا اور پردے نے میرے اندر شیطان کو بھی قریب آنے ہی نہیں دیا تھا وہ میرے چکر میں نہیں آئیں شاید ان کی حیا اور پردے [illegible] ہی میرے جیسے جانے کتنے آوارہ لڑکوں کو [illegible] نہیں ہوئی تھی کہ ان کے ساتھ کچھ برا کیا جائے [illegible] کتنا بھی بڑا شیطان ہو کسی لڑکی کے ساتھ [illegible] نہیں کر سکتا جب تک وہ لڑکی خود [illegible] بربادی کی اجازت نہ دے۔" وہ اسے بتا رہا تھا زرنگار [illegible] کی طرف بڑھ گئی۔

"لڑکیاں مجبور ہوتی ہیں بعض اوقات ان کے حالات انہیں مجبور کر دیتے ہیں وہ خواب دیکھنے پر جن کی تعبیر سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں ہوتی۔" زرنگار انگلیوں سے انگوٹھیاں اتارنے لگی۔

"تمہارے حالات خراب نہیں ہیں پھر تم کیوں خود کو جہنم کا ایندھن بنانے پر تلی ہوئی ہو کیا تم ایک ماں کے فرائض اور شوہر کے حقوق نہیں جانتیں۔"

"جانتی ہوں مگر میرا شوہر اس قابل نہیں ہے کہ اس کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔"

"ٹھیک ہے شاید مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر جس راستے پر تم چل رہی ہو وہ راستہ صرف میری تباہی نہیں ہے تم خود بھی تباہ ہو سکتی ہو اس پر۔"

"کوئی بات نہیں تمہاری بربادی، ذلت و رسوائی کے عوض اگر مجھے خود بھی برباد ہونا پڑتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں بہت لطف آتا ہے مجھے جب پارٹی میں لوگ مجھے شراب پیتے دیکھ کر تمہارے حوالے سے پہچانتے ہیں [illegible]

باہنوں میں باہنیں ڈال کر جب میں کسی ریستوران میں داخل ہوتی ہوں تو سندان حسن کی بیوی کہہ کر پکارتے ہیں میری بے حیائی دیکھ کر تم پر تف بھیجتے ہیں سو سو باتیں کرتے ہیں تمہاری غیرت کا مذاق اڑاتے ہیں مجھے بہت مزا آتا ہے۔" وہ اس کے ضبط کا امتحان لے رہی تھی سندان لب بھینچ کر رہ گیا۔

زندگی میں بعض موڑ ایسے آتے ہیں جب انسان بہت کچھ کرنا چاہتا ہے مگر وہ خود کو بے بسی کی انتہا پر کھڑا محسوس کرتا ہے سندان حسن کی زندگی میں وہ موڑ بھی ایسا ہی ایک موڑ تھا اس رات صبح فجر تک وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا مگر وہ رات اس کی زندگی میں ایک انقلابی رات ثابت ہوئی تھی بہت سے مشکل فیصلے تھے جو اس رات اس نے کیے تھے۔

اسے خود کو بدلنا تھا اپنی زندگی کو معذوری کی نذر کرنے کے بجائے بامقصد بنانا تھا اور اس کے لیے اسے اپنے پاپا کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کی مدد کی بھی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے لیے ایک کیئر ٹیکر کا ایڈ اخبار میں دے دیا اور ایک ہفتے کے اندر اندر اسے ایک نوجوان خوبرو لڑکی مل گئی جو اپنے گھریلو حالات سے مجبور جانے کیسی کیسی ہوس پار کرنے پر مجبور تھی سندان نے اس کے تمام حالات جان کر اسے اپائنٹ کر لیا۔

اب یہ ہوتا تھا کہ وہ اس کی بیٹی کو بھی سنبھالتی تھی اور اسے بھی سندان کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کے علاوہ وہ اس کا منہ بھی دھلواتی تھی اس کے سر میں تیل کی مالش بھی کرتی تھی اسے روز ایکسر سائز بھی کراتی تھی اس کے مہمانوں کو بھی ڈیل کرتی تھی چھوٹی سی چھوٹی بات کے لیے بھی وہ اسے آواز دیتا تھا اور وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی۔

عظیم صاحب اس لڑکی حیا کے آ جانے سے بہت خوش تھے انہیں بہت آرام مل گیا تھا اس سے اور یہ بات زرنگار سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اس روز سنڈے تھا عظیم صاحب اور سندان اکٹھے بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے جبکہ حیا دعا کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی تبھی ناشتے کے دوران سندان نے عظیم صاحب سے کہا تھا۔

"پاپا مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"ہوں کہوں بیٹے کیا بات ہے؟" وہ فوراً متوجہ ہوئے تھے سندان نے ہاتھ میں پکڑے کافی کے مگ کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔

"پاپا میں حیا سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ اچھی لڑکی ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے اندر انسانیت ہے بہت سے کام وہ صرف انسانیت کے ناطے کرتی ہے پیسوں کے لیے نہیں پھر مجھے اس کی ضرورت ہے ایک بیوی کی حیثیت سے وہ جیسے میری خدمت کر سکتی ہے ملازمہ کی حیثیت سے نہیں کر سکتی مجھے خود بھی گوارا نہیں کہ ملازمہ کی حیثیت سے وہ میرے قریب آئے مجھے چھوئے میرے کام کرے پھر میری بیٹی کو بھی جیسے وہ سنبھال سکتی ہے اور سنبھال رہی ہے میں اس سے بہت خوش ہوں زرنگار میری منزل نہیں ہے پاپا اس کے پاس نہ میرے لیے وقت ہے نہ پیار ہے اور نہ ہی میری بیٹی کے لیے اس نے یہ شادی صرف مجھ سے اپنی بہن کا انتقام لینے کے لیے کی ہے میں اسے ڈائیورس نہیں دے سکتا مگر دوسری شادی تو کر سکتا ہوں نا...... پاپا ایک ایسی لڑکی سے جو چاہے خوبصورت نہ ہو مگر اسے اپنے حقوق و فرائض کا خیال رکھنا آتا ہو جس کا دل پتھر سے نہیں گوشت کے لوتھڑے سے بنا ہو جسے میری عزت کرنی آتی ہو اور میری بیٹی کی اچھی تربیت کر سکے بھی۔"

"ہوں یہ تو بہت اچھی بات ہے! کیا حیا مان جائے گی؟"

"جی پاپا میں اس سے بات کر چکا ہوں سب کچھ بتا بھی چکا ہوں وہ بہت خوش ہے اصل میں اس کی ماں نہیں ہے باپ نے دوسری شادی کر کے سوتیلی ماں کو سر پر لا بٹھایا سوتیلی ماں بھی ایسی کہ جس کے پہلے سے چار بچے تھے اب نا صرف وہ عورت اسے پریشان کرتی ہے بلکہ اس کے بیٹے بھی تنگ کرنے سے باز نہیں آتے کئی بار وہ لوگ

اس کا سودا کر چکے ہیں کیونکہ ماں کے بعد دو سال پہلے وہ باپ کی شفقت سے بھی محروم ہو چکی ہے۔"

"پھر تو یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے بیٹے کیونکہ میرے خیال میں تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔"

"جی پاپا تھینک یو۔" وہ مسکرایا تو عظیم صاحب لاؤنج میں اس کے گال تھپتھپا کر رہ گئے تھے۔ رات میں جب وہ اپنی فیورٹ مووی دیکھ رہا تھا زرنگار کی گھر واپسی پر اس نے اسے بتایا تھا۔

"میں شادی کر رہا ہوں تمہیں اگر کوئی اعتراض ہے تو شوق سے میری جان چھوڑ کر جا سکتی ہو۔"

"واٹ؟" وہ جو سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔

"کیا کہا ابھی تم نے...... تم شادی کر رہے ہو؟"

"ہوں......"

"ہاہا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کون عقل کی اندھی شادی کر رہی ہے تم سے؟" حسب معمول اس نے اس کا مذاق اڑایا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"کل دیکھ لینا اسی گھر میں آ کر بیٹھی ہو گی۔"

"اچھا اس کا مطلب ہے کل یہ تماشہ دیکھنے کے لیے میں اپنی ساری مصروفیات ترک کر دوں؟"

"نہیں...... ضروری نہیں تمہاری غیر موجودگی میں بھی شادی کر سکتا ہوں میں تمہیں میرے لیے اپنی مصروفیات ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو کل دیکھیں گے کس کی عقل پر پتھر پڑے ہیں جو اس اندھے کنوئیں میں گرنے جا رہی ہے۔" اس کا لہجہ ابھی استہزائیہ تھا سندان نے گہری سانس بھرتے ہوئے آہستہ سے پلکیں موند لیں اگلے روز زرنگار گھر پر رہی اور عظیم صاحب بھی۔

ظہر کی نماز کے بعد مولوی صاحب اور سندان کے دوست گواہ کی حیثیت سے آ گئے مگر زرنگار بے چینی سے لڑکی کو ڈھونڈ رہی تھی جانے کیوں اس کا دل بے چین سا تھا۔ حیا کچن میں کھڑی ملازمہ سے اپنے لیے چائے کا آرڈر دے

مرد کی خوب صورتی

مرد کی خوب صورتی کیا ہوتی ہے بھلا؟

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کی بڑی سے بڑی خطا معاف کر دیتا ہے۔

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو روٹی، کپڑا اور پناہ دے کر احسان نہیں کرتا بلکہ مشکور نظر آتا ہے۔

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو وحشت کے گھوڑے پر سوار ہو کر عورت کی انا کی دھجیاں نہیں اڑاتا۔

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو مانگے بنا عورت کو محبت دیتا ہے۔

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو محض نفسانی خواہشات کا آلہ نہیں سمجھتا۔

❖ خوب صورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو دنیا کا خوب صورت ترین پھول سمجھتا ہے جو تپتا کا پھول گرم سانس کی گرمی نہیں سہہ سکتا وہ عورت کو اپنے مزاج کی تپش سے جلا کر راکھ نہیں کرتا ہے۔

(بشریٰ رحمان کے ناول "خوبصورت" سے اقتباس)

ارم اقبال۔۔۔ فیصل آباد

کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی تقریباً پانچ منٹ کے بعد حیا نے اسے کمرے میں چائے پہنچا دی تھی۔

چائے پینے کے بعد وہ یونہی بے مقصد کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلتی رہی۔ اس کی بہن حیا کے کمرے میں سو رہی تھی وہ لیپ اس کی عادی نہیں رہی تھی اور زرنگار کو اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ چند لمحے یونہی بے چینی سے ادھر اُدھر چکر کاٹنے کے بعد بالآخر وہ نیچے ہال کمرے میں چلی آئی جہاں سرخ شیفون کا دوپٹہ اوڑھے حیا سندان کے پہلو میں بیٹھی تھی اور سندان نکاح کے بعد اپنے دوستوں سے مصافحہ کرتا اپنی شادی کی مبارک باد وصول کر رہا تھا۔ عظیم صاحب کے چہرے سے چھلکتی خوشی بھی اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا وجود ایک دم سے پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو گیا ہو کس قدر بے یقینی سے اس نے

سامنے ہال کمرے کا منظر دیکھا اور چکرا کر رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

برات آ گئی تھی۔ عائزہ کو لگا جیسے اس کا جنازہ تیار ہو رہا ہو اور دفنانے میں بس چند گھنٹے ہی باقی رہ گئے ہوں کسی دیہات میں سادی زندگی بسر کرنے کا تصور ہی اسے اندر سے کھائے جا رہا تھا اوپر سے ذعیم جیسا ڈھیٹ اور بے حس دیہاتی مرد جس میں انسانیت نامی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔

فیحا مایوں کے فنکشن سے لے کر اس کی رخصتی تک ہر لمحہ اس کے ساتھ ساتھ رہی تھی اور اب بھی اس کی ماں نے اس کے ساتھ ہی بھیجا تھا تاکہ عائزہ اگر کہیں اپنی نادانی سے کوئی بات بگاڑے تو وہ اپنی سمجھداری سے سنبھال لے اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ذعیم کا گاؤں اس کے شہر سے کتنی مسافت پر ہے پہلی بار ایسا اتفاق ہوا تھا کہ وہ اپنے شہر سے کسی گاؤں کی طرف سفر کر رہی تھی اور اس سفر کی طوالت نے حقیقی معنوں میں اس کی ہمت توڑ دی تھی۔

ایک تو گرمی دوسرا بھاری بھرکم لباس اور تیسرا اتنا فاصلہ کر تے بیٹھے اس کی کمر جواب دے گئی وہ اپنے گھر والوں کے ظلم پر جتنا بھی غصہ کرتی کم تھا۔ وہ لوگ تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد صبح فجر سے پہلے نکلے تھے اور اب سارا دن ڈھل گیا تھا مگر گاڑی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ بے بس تھی۔

عصر کی اذان کے قریب کہیں ذعیم کا گاؤں شروع ہوا اور اس نے جیسے سکون کی سانس لی وہ کسی فاتح کی طرح بڑے فخر سے مرینہ بیگم اور فیحا کو اپنی زمینوں کے۔ قصے اور اس سال ہوئی فصلوں کی کارکردگی کا بتا رہا تھا۔

ہوا کے سنگ آتی کھیتوں کی خوشبو سانسوں سے ٹکرا رہی اسے ایک عجیب سے احساس سے دوچار کر رہی تھی یونہی ذرا سا سر اٹھا کر اس نے دیکھا شام کی ہلکی نارنجی روشنی میں ارد گرد تاحد نگاہ پھیلی ہری بھری فصلیں ایک عجیب سا سہانا منظر پیش کر رہی تھیں اس نے تھک کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ بہت فرق تھا گاؤں اور شہر کی زندگی میں تقریباً دس منٹ کے بعد گاڑی ایک بڑے سے پختہ گھر کے

سامنے رکی تھی جسے خوب سجایا گیا تھا لوگوں کا ایک جم غفیر جیسے ان کا منتظر کھڑا تھا۔ زعیم جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلا سب نے اسے گھیر لیا عائزہ نے اس منظر کو مزید خوف بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

زعیم اگلے دو منٹ کے بعد ہی سب سے معذرت کرتا نماز کے لیے چلا گیا جبکہ وہ جیسے انسانوں کے جھنڈ کے نرغے میں آ گئی تھی اس نے کبھی انسانوں کا ایسا ہجوم اور وارفتگیاں نہیں دیکھی تھیں تبھی اس کا دل گھبرا رہا تھا البتہ مرینہ بیگم اور فیہا ہنوز خوش اور فریش دکھائی دے رہی تھیں شاید ان کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔ مارے تھکن کے عائزہ کی کمر جیسے ٹوٹنے کو تھی مگر افسوس وہاں سبھی رسموں میں لگے تھے کسی کو بھی اس کی تھکن کا احساس نہیں تھا۔

تقریباً بیس ہزار گز پر بنی وہ حویلی نما گھر بھی اس وقت وہاں اکٹھے ہوئے بھانت بھانت کے لوگوں کی وجہ سے تنگ پڑ رہا تھا زعیم کی دلہن دیکھنے کے شوق میں عورتیں جیسے ایک دوسرے کو کچل رہی تھیں یوں جیسے وہ کوئی انسان نہ ہو عجوبہ ہو۔ تمام در و دیوار پر نیا رنگ و روغن ہوا تھا۔ وسیع و عریض صحن میں پیپل اور شہتوت کے گھنے سایہ دار درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ایک طرف غسل خانے کے پاس بڑا سا ہینڈ پمپ لگا تھا اور وہیں سائیڈ میں [illegible] خوب صورت پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ دوسری [illegible] سے لگی ایک دیوار کے قریب بڑا سا تندور لگا تھا جس سے اٹھتا دھواں اور روٹیوں کی سوندھی سوندھی خوشبو پورے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی۔

عائزہ نے سر جھکائے جھکائے اپنے پہلو میں بیٹھی مرینہ بیگم کا ہاتھ زور سے دبا دیا تبھی وہ اس کی طرف جھکی تھیں۔

"پھپھو مجھے واش روم جانا ہے اور بہت تھکن بھی محسوس ہو رہی ہے مجھے لگتا ہے میں بے ہوش ہونے والی ہوں۔" منمنا کر بہت دھیمے لہجے میں اس نے کہا تو مرینہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔ اگلے دو منٹ کے بعد ہی بنا کسی کی پروا کیے اسے زعیم کے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ عائزہ کو کمرے میں آتے ہی عجیب سے سکون کا احساس ہوا کمرا کیا تھا ایک ریاست تھی جس کے سحر میں کھو کر وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

وہاں گاؤں میں کوئی اتنی شان و شوکت سے بھی رہتا ہوگا اسے یقین نہیں آ رہا تھا بڑے سے جہازی سائز بیڈ کے اوپر زعیم کی بڑی خوب صورت تصویر لگی تھی عائزہ نا چاہتے ہوئے بھی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی بلاشبہ وہ شخص بے حد خوب صورت تھا۔ عائزہ کو اپنی نظریں سامنے موجود سیاہ چمکدار مقناطیسی نگاہوں سے چھڑانی مشکل ہو گئیں۔ پہلی بار اس نے زعیم ملک کو دیکھا تھا اور جیسے پتھر کی ہو گئی تھی صرف چند لمحوں کی بات تھی اور ان چند لمحوں میں وہ جیسے اپنا سب کچھ ہار [illegible] گئی تھی ایک عجیب سی برقی رو جو اچانک ہی اس کے [illegible] وجود میں سرایت کر گئی تھی۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی [illegible] چند لمحوں میں اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔

[illegible] نظریں چرا کر وہ دونوں ہاتھ [illegible] ہوئے وہیں بیٹھی تو اس کا دل یکبارگی [illegible] تھا۔

سامنے لگے بلیک وال کلاک میں چھوٹے چھوٹے ہیروں کی مانند دمکتی سوئیاں رات کے بارہ بجا رہی تھیں مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ عائزہ کا دل اس شخص سے سامنے کا تصور کر کے پھر سے بے چین ہوا تھا بھلا وہ اس شخص کا سامنا کس منہ سے کرے گی؟

پریشانی سی پریشانی تھی ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ اچانک اس کے کمرے کا دروازہ ہلکے سے بجا اور اس کے ساتھ ہی عائزہ کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

برف کے آنسو
نازیہ کنول نازی

کب عشق کیا' کس سے کیا جھوٹ ہے یارو
بس بھول بھی جاؤ' جو بھی ہم سے سنا ہو
اب میری غزل کا بھی تقاضا ہے تجھ سے
انداز و ادا کا کوئی اسلوب نیا ہو

یہ راکھ راکھ زمیں اپنی ذات کی قسمت
تم اپنی نیند بچاؤ' تم اپنے خواب چنو
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پہ دھیان کیا دینا
تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حروف سنو
تمہارے شہر کی گلیوں میں سیلِ رنگ بخیر
تمہارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ راہ گزر کہ جہاں لحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہیں پہ ابر جھکے آسمان ملتے رہیں
نہیں ضروری کہ ہر اجنبی کی بات سنو
ہر اک صدا پہ دھڑکنا بھی دل کا ٹھیک نہیں
سکوتِ حلقۂ زنجیر بھی کیوں ٹوٹے بھلا
صبا کا ساتھ نبھانا جنوں پہ قرض نہیں
ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کتنی کس کے ساتھ بیت گئی
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے
کہ فصلِ بخششِ موجِ فرات بیت گئی
وہ ایک پل تھا جسے تم نے نوچ ڈالا تھا
وہ ایک صدی تھی کہ بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے تمہیں خبر ہوگی
چراغ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی

رات کے تقریباً سوا بارہ بجے کا ٹائم تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ ہلکے سے ناک ہوا اور وہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی مگر کمرے میں داخل ہونے والا زعیم نہیں تھا وہ اس کی بڑی بھابی نزہت تھیں جو دروازہ بھیڑ کر ایک نظر اس کے سجے سنورے روپ پر ڈالنے کے بعد اس کی قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"فریش ہوجاؤ عائزہ! میں کھانا بھجوا رہی ہوں کھا لینا۔ اتنے لمبے سفر کے بعد تھکن کے ساتھ ساتھ یقیناً بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔" آتے ہی انہوں نے ہدایت جاری کی۔

"نہیں شکریہ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بھوک نہیں ہے پھر بھی تھوڑا سا کھا لینا زعیم کی کال آئی تھی ابھی وہ آج رات نہیں آ پائے گا۔" نزہت بھابی کی قطعی غیر متوقع اطلاع پر اس نے فوراً چونک کر سر اٹھایا' وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں عائزہ نے نظر پھیر لی۔

اسے لگا جیسے زعیم نے اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا ہے مگر نزہت آپا نے فوراً ہی اس کے اس غلط خیال کی تردید کردی۔

"زعیم کی طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا' اصل میں ادھر گاؤں میں زیادہ لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں اسی لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا کر ایک دوسرے کی جان لے لیتے ہیں پھر چاہے کتنی ہی اذیت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ عمریں بیت جاتی ہیں مگر جیلوں سے رہائی نصیب نہیں ہوتی' ابھی دیکھو تھوڑی سی زمین کے لیے سگے چچا نے اکلوتے بھتیجے کی جان لے لی۔"

نزہت آپا بے حد سادہ اور ہمدرد خاتون تھیں۔

عائزہ جو پہلے ہی دیہاتی ماحول سے خوف زدہ تھی مزید پریشان ہوگئی تبھی انہوں نے اسے تسلی دی۔

”پریشان مت ہونا زعیم شہر گیا ہے صبح تک آجائے گا۔ تم نہا کر سکون سے سو جانا میں کھانا بھجوا رہی ہوں وہ بھی کھا لینا۔“ اسے ہدایت کرتیں اگلے ہی پل وہ اٹھ گئی تھیں۔ عائزہ نفی یا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی یا اسے لگا جیسے نزہت آپا اسے صرف یہی اطلاع دینے آئی تھیں کہ زعیم آج رات نہیں آئے گا وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی‘ کسی بھی گاؤں میں بسر ہونے والی وہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی۔

باہر یقیناً بارش ہو رہی تھی اور دور کہیں کسی کھیت سے جھینگروں کے بولنے کی آوازیں بھی مسلسل سنائی دے رہی تھیں‘ کبھی کبھی کسی گیدڑ یا گائے وغیرہ کی آوازیں بھی کان میں پڑ رہی تھیں مگر وہ ہر خوف و احساس سے بے نیاز ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا زیور اتار رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے زعیم کی تصویر کو دیکھتے ہوئے جو چند نرم گرم سے احساسات دل میں بیدار ہوئے تھے وہ بھی چپ چاپ سو گئے۔

نزہت آپا نے کھانا بھجوا دیا تھا مگر عائزہ نے وصول کرنے کے بعد ایک نظر ڈالے بغیر سائیڈ میں رکھ دیا اسے اس وقت سوائے سکون کے اور کسی چیز کی طلب نہیں تھی۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آئی تو اسے اپنا کمرا بے حد یاد آیا‘ وہ کمرا جو بچپن سے آس کا اور عینا کا رازدار تھا جس کے در و دیوار میں ان دونوں کے دکھ اور آنسو چھپے تھے۔ ریان ملک سے شادی کے بعد عینا نے وہ کمرا چھوڑ دیا تھا مگر عائزہ اب بھی اسے لاک کر کے آئی تھی۔

بچپن سے لے کر اب تک اس نے کبھی اپنی کوئی چیز نہ چھوڑی تھی ناں کسی کے ساتھ شیئر کی تھی سوائے کمرے اور سندان حسن کے‘ اس سندان حسن کے جو اسے بھولا نہیں تھا مگر وہ خود اسے بھلانے کے جتن کر رہی تھی۔ سندان کے بعد اسے عینا یاد آئی تھی جسے وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ پیار کرتی تھی‘ جس کا دکھ اور آنسو اسے اندر سے کاٹتے تھے مگر وہ اس کے معاملے میں قطعی بے بس تھی۔ عینا کے بعد آپ ہی آپ اس کا دھیان ریان ملک کی طرف چلا گیا جو اسے کبھی کسی روپ میں بھی اچھا نہیں لگا تھا اور صرف ریان ہی کیا وہ تایا کی ساری اولاد سے خار کھاتی تھی اور کیوں کھاتی تھی‘ اس کی وجہ خود اسے بھی معلوم نہیں تھی۔ شاید تایا کی حاکمیت تھی‘ جس نے اسے ان کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں سے بھی متنفر کر دیا تھا‘ دھیان کے پنچھی جواز سے تو پھر اڑتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی۔

زعیم صبح چار بجے اپنے دوست کا پوسٹ مارٹم کروا کر اس کی ڈیڈ باڈی گاؤں واپس لایا تھا ساتھ ہی شہر میں اس نے مرحوم کے لواحقین کی جانب سے ایف آئی آر بھی درج کروا دی تھی۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ گھر واپس آیا تو صرف ماں جی ہی جاگ رہی تھیں باقی سب تھک کر مدہوش سو رہے تھے۔ ماں جی بھی تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں‘ وہ تھکا تھکا سا انہی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

ماں جی اس کے کپڑے پر خون کے سرخ دھبوں کا جائزہ لے رہی تھیں یقیناً مرنے والے کا خون بہت بے دردی سے بہا تھا‘ بھی تسبیح مکمل کرنے کے بعد وہ بولی تھیں۔

”شہزادو تو تیرے ساتھ شہر گیا تھا ناں پتر! پھر چاچے کے ہاتھ کیسے لگ گیا؟“ زعیم نے ان کا سوال سنا اور آہستہ سے پلکیں موند لی تھیں۔

”وہ شہر سے واپس بھی میرے ساتھ ہی آیا تھا ماں جی! مہندی اور برات کے فنکشن میں اپنے سارے ارمان پورے کیے تھے اس نے مگر برات کی واپسی کے بعد میں مسجد چلا گیا اور وہ اپنے گھر‘ اس کے چچا کو کسی نے بتا دیا تھا کہ وہ اکیلا ہے‘ بس گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس نے اور اس کے بیٹوں نے کھیتوں میں چھپ کر اس کی راہ دیکھی اور پھر اس کے قریب آنے پر بندوق تان لی انہیں چند روز پہلے ہونے والے پانی کے مسئلے پر جھگڑے کا غصہ تھا اسی غصے میں دونوں طرف سے لڑائی شروع ہوئی اور بالآخر میرا دوست زندگی ہار گیا۔“ بات مکمل کرتے ہی اس کا لہجہ بھرا گیا تھا‘ ماں جی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرآئیں۔

”اللہ بڑا باخبر اور انصاف کرنے والا ہے پتر! اس کی گرفت سے کبھی کسی ظالم کی چھوٹ نہیں ہوگی‘ تو حوصلہ

رکھ اور جا کر کپڑے بدل پھر صبح ہونی ہے تو میں تیرے ساتھ چلتی ہوں پتا نہیں نمانی ماں اور بہنیں کس حال میں ہوں گی۔"

"جی ماں جی! میں تھوڑا بندوبست کر کے آپ کو لے جاتا ہوں اس کی طرف' صبح دس بجے جنازہ ہے اور سارے انتظامات بھی مجھے ہی کرنے ہیں۔" تھکے تھکے سے لہجے میں کہتا وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں عائزہ منے منے سے میک اپ کے ساتھ سادا سوٹ میں ملبوس اس کے بیڈ پر گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ دروازہ لاک کر کے پلٹا تو اسے بے خبری سے اپنے بستر پر ایستادہ دیکھ کر چونک گیا' پچھلے دس گھنٹوں میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس کی شادی ہوئی ہے اور وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جو اس کی ضد بن گئی تھی جانے رات بھر وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی رہی ہوگی۔

تبھی تھکن سے ٹوٹتے وجود کے ساتھ بمشکل اس کے خوب صورت سراپے سے نگاہ چراتے ہوئے وہ واش روم میں گھسا اور تقریباً بیس منٹ کے بعد فریش ہو کر باہر نکلا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی اس نے نماز پڑھی پھر بنا عائزہ کو ڈسٹرب کیے آنکھوں پر تکیہ رکھ کر لیٹ گیا۔ پہلو میں سوئی وہ مغرور سی حسین لڑکی دنیا کی آخری حسین لڑکی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اس کی ضد بن گئی تھی اور اپنی ضد وہ کبھی چھوڑتا نہیں تھا۔

اس وقت عائزہ کے وجود سے اٹھنے والی دلفریب سی خوشبو اسے ڈسٹرب کر رہی تھی مگر وہ خود پر ضبط کے کڑے خول چڑھائے بے نیاز بنا سونے کی کوشش کرتا رہا۔ کل اس کا ولیمہ تھا مگر اسے شہزاد کے کیس کے سلسلے میں بے حد مصروف رہنا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح وہ بیدار ہوا تو عائزہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی جبکہ اس کی چوڑیوں کی مدھر کھنک سے زعیم کی آنکھ کھل گئی زعیم نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر تکیہ ورے بانہوں میں دباتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"السلام علیکم! دیہاتی زندگی کی پہلی حسین صبح مبارک۔" وہ چونکی اور بے ساختہ پلٹ کر اسے دیکھا...... وہ پرشوق نگاہوں سے سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیسی گزری رات؟ یقیناً میرے نہ آنے کی خبر سن کر بہت سکون کی نیند آئی ہوگی۔ ایک قطعی ناپسندیدہ پینڈو شوہر کی قربت سے نجات جو مل گئی تھی۔" وہ اسے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' عائزہ چاہنے کے باوجود نگاہ نہ پھیر سکی۔

"کیا دیکھ رہی ہو یقین نہیں آ رہا ناں کہ زعیم ملک جیسا ایک روایتی پینڈو شخص' تم جیسی بے وقوف اور گھمنڈی لڑکی کو شکست دے سکتا ہے۔" اب وہ بستر سے اتر کر اس کے قریب چلا آیا' عائزہ بے ساختہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں جانتی ہوں پینڈو جو ٹھان لیتے ہیں وہ کر کے چھوڑتے ہیں۔"

"بالکل......" وہ مسکرایا اور عائزہ بے اختیار رخ پھیرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

"یاد رکھنا ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔" جھک کر ایک نازک سا نیکلس ڈریسنگ کی دراز سے نکالتے ہوئے وہ اس کے کان میں گنگنایا تھا' عائزہ کا پورا وجود جیسے دہک اٹھا۔

"یہ تمہارا منہ دکھائی کا تحفہ آج ولیمے کی تقریب میں پہن لینا۔" اگلے ہی پل اس نے وہ نیکلس اس کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی پلٹ کر واش روم میں گھس گیا' دس بجے شہزاد کا جنازہ تھا اور اسے ابھی بہت سے کام نپٹانے تھے۔

❁......❁......❁

رات تقریباً ساڑھے دس بجے ولیمے کی تقریب ختم ہوئی مگر زعیم گھر نہیں آیا تھا۔

عائزہ کا دل اپنی اس درجہ تذلیل پر جل کر راکھ ہو گیا مگر اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا' بی اماں اور دیگر لوگ شہزاد کی ناگہانی موت پر رنجیدہ تھے ساتھ ساتھ وہ زعیم کی مجبوری اور مصروفیات کا رونا بھی رو رہے تھے کئی بار اسے کال بھی کی تھی مگر اس کا سیل مسلسل آف جا رہا تھا۔

فریحہ نے تھوڑی دیر اسے کمپنی دینے کی کوشش کی مگر وہ چپ کی دیوی بن کر بیٹھی رہی' اس کا دل کسی سے بھی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تھی' مریم بیگم اور فریحہ کھانا کھاتے ہی شہر روانہ ہوگئے تھے اسے ڈھیروں رونا آیا۔ جن کے بعد اس کے لبوں سے بھی مسکراہٹ جیسے روٹھ گئی' کپڑے تبدیل کرنے کے بعد بیڈ پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دیے وہ جانے کتنی ہی دیر تک روتی رہی۔

رات کے تقریباً تین بجے کا وقت تھا پورا گاؤں پرسکون اور گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا جب وہ تھکے تھکے بوجھل انداز میں آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ عائزہ پچھلے چار گھنٹوں سے مسلسل رو رہی تھی' آہٹ کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا زعیم کمرے میں داخل ہونے کے بعد اب دروازہ لاک کر رہا تھا اس نے جلدی سے آنکھیں خشک کرلیں مگر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اب بستر پر بیٹھا اپنے پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلے ہی پل وہ بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں چاروں شانے چت لیٹ گیا اور یونہی لیٹے لیٹے اس نے آنکھیں بند کیے گہری سانس کھینچی تھی۔ وہ شاید اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا' تھوڑی دیر بعد اعصاب کا تناؤ قدرے کم ہوا تو اس کی نظر قریب ہی بیٹھی عائزہ پر پڑی جس کا وجود اب بھی ہچکیوں کی زد میں تھا۔

''کیا ہوا..... آپ ابھی تک سوئی نہیں؟''

''نہیں.....'' وہ بولنا نہیں چاہتی تھی مگر بے اختیار اس کے لبوں سے نکل گیا تھا۔ زعیم پہلو کے بل لیٹتے ہوئے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو تکیہ بنائے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔'' وہ اس کے اس طرح دیکھنے سے چڑ گئی تھی تبھی رخ پھیر گئی باہر بارش شروع ہوگئی تھی اور تیز و تند ہواؤں کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا تھا تبھی مویشیوں کے باڑے میں ہونے والی ہلچل اب وہاں بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ زعیم نے موبائل نکالا اور ملازم کو ضروری ہدایات دینے لگا عائزہ اسے مصروف دیکھ کر بیڈ سے نیچے اتر آئی اس کا گلا مسلسل رونے سے بے حد خشک ہو رہا تھا مگر کمرے میں پانی نہیں تھا جبکہ رات کے اس پہر کمرے سے باہر جانے کی اس کی ہمت نہیں تھی۔

وہ اٹھی اور سامنے کی طرف مویشیوں کے احاطے کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے قریب آ کھڑی ہوئی فقط چند لمحوں میں کھڑکی سے چھن کر آنے والی ہواؤں کے ساتھ بارش نے اسے اچھا خاصا بھگو دیا تھا۔ زعیم ملازم کو ضروری ہدایات دینے کے بعد بیڈ پر نیم دراز ہوگیا۔

''مانا کہ شہر میں لوگوں کی رات جلدی نہیں ہوتی مگر ایسا بھی کیا کہ پوری رات ڈھلنے تک رات کا نشہ ہی ختم نہ ہو۔'' تکیہ بانہوں میں دبائے وہ اسے دیکھ رہا تھا' عائزہ چپ چاپ پلٹ آئی۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا میری شادی اتنی ڈل اور بورنگ ہوگی اور میں اپنی زندگی کے اس نئے موڑ پر یوں اچانک سے شہزاد جیسے اپنے ایک عظیم دوست کو کھو دوں گا۔'' اب وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی پلکیں بند تھیں' عائزہ و شا کنڈی لگاتے دیکھتی رہتی۔

''آپ کہنا چاہتے کہ میں سبز قدم ہوں۔''

''نہیں' خیر چھوڑو میرا کمرا کیسا لگا آپ کو؟ کسی چیز کی کمی تو محسوس نہیں ہوئی؟'' ایک لمحے میں وہ بات بدل گیا تھا۔ عائزہ پلکوں میں آئی نمی کو بمشکل چھپے دھکیلتے ہوئے صوفے پر ٹک گئی۔

''نہیں۔''

''شکریہ' میں کوشش کروں گا میری زندگی میں آنے کے بعد اب آپ کو کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو۔'' وہ کہہ رہا تھا اور عائزہ کے اندر دھواں بھرتا جا رہا تھا۔

''آپ کی اس ذرہ نوازی کا شکریہ مگر مجھے اب کسی چیز کی کمی سے فرق نہیں پڑتا آپ پلیز میرے لیے پریشان

نہ ہوں۔"

"جانتا ہوں محبت کو کھو دینے کے بعد ہر شے بے کار لگتی ہے خواہ کتنی ہی ضروری اور حسین کیوں نہ ہو۔" بلقیس ہنوز بند کیے وہ کہہ رہا تھا جب عائزہ نے بے حد چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا دل اس لمحے بہت شدت سے دھڑکا تھا جانے وہ کس محبت کے کھو جانے کی بات کر رہا تھا۔ چند پل خاموشی کی نذر کرنے کے بعد وہ پھر بولا۔

"شہر کی لڑکیاں میری کمزوری کبھی نہیں رہیں میں شاید کبھی بھی یوں آپ سے زبردستی شادی نہ کرتا اگر آپ سفیان حسن جیسے لوفر اور بدنام شخص کے ہاتھوں برباد نہ ہو رہی ہوتیں۔ آپ نہیں جانتیں مگر میں جانتا ہوں میرے بابا کے آپ کی فیملی کے ساتھ کتنے گہرے مراسم ہیں ملک ہاؤس میں آنے والا کوئی بھی طوفان انہیں پریشان کیے بغیر نہیں گزرتا اور میں اپنے بابا کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ربان ملک کی طرح آپ بھی اپنے خاندان کا نام روشن کریں اور اس کا اثر آپ کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ میرے بابا اور ماں جی کی زندگی پر پڑے ان کا مان اور یقین ٹوٹے انہیں اذیت اور تکلیف ہو اسی لیے آپ کو اپنے نام کے ساتھ زبردستی باندھا ورنہ میں یقین جھپٹ کر کھانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ خیر بے فکر رہنا آپ کی مرضی کے بغیر کبھی آپ کے قریب نہیں آؤں گا جب کبھی آپ کو میری ضرورت محسوس ہو بتا دینا شوہر کے فرائض ادا کر دوں گا بصورت دیگر آپ جیسے چاہیں یہاں زندگی گزار سکتی ہیں کوئی روک ٹوک یا پریشانی نہیں ہوگی۔" لفظ چابک کی صورت لگتے ہیں اور جسم ہی نہیں روح کی کھال ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں اسے بھی اس لمحے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس کی زندگی اور اس کی فیملی کے ہر راز سے آشنا تھا مگر وہ کتنی بے خبر تھی اسے لگا تھا جیسے وہ کسی پہاڑ تلے دب گئی ہو ذرا سی ہمت بھی نہیں رہی تھی اس میں کہ نظر اٹھا کر زعیم کی آنکھوں میں دیکھ لیتی۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ اس کی زندگی کے ہر پہلو سے آشنائی کے باوجود اسے اپنی

زندگی میں گھسیٹ لایا تھا اور اب جانے آئندہ زندگی میں ان کے ساتھ وہ کیا سلوک کرنے والا تھا۔ وہ تزبذب کا شکار ہر لمحہ بار آنے لگا جن لمحوں میں اس نے زعیم کی بے عزتی کی تھی اور اسے ٹھکرایا تھا کیا سوچا ہوگا اس نے اس لڑکی کے بارے میں کہ اس کی پسند اتنی گھٹیا نکلی؟

اسے دل لگانے کے لیے سندان حسن جیسا بدکردار شخص ہی ملا۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر آنسو جیسے کہیں اندر ہی برف ہو گئے تھے۔ وہ اسے کردار کا کتنا ہلکا سمجھ رہا تھا عائزہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تبھی وہ کروٹ بدل کر پھر بولا۔

"بہرحال میں کوشش کروں گا آئندہ آپ کے ذاتی معاملات میں کم دلچسپی رکھوں آپ بھی میری عزت کا خیال رکھیے گا پلیز کیونکہ پتا تو ہے آپ کو ہر دیہاتی لوگ عزت کے معاملے میں کتنے جذباتی ہوتے ہیں۔" وہ چابک برسا رہا تھا عائزہ کا سر جھکتا چلا گیا۔

اگلے پانچ منٹ کے بعد اسے بے جوابی سونپ کر وہ خود گہری نیند میں چلا گیا تھا عائزہ کو لگا شاید وہ اب کبھی اپنی زندگی کی حقیقی خوشیوں کو نہیں پا سکے گی وہ شخص صرف ضدی ہی نہیں تھا بلکہ بے حد گھناؤنا اور چالاک بھی تھا اس رات وہ ایک لمحے کے لیے بھی نا سو سکی تھی۔

دو ہفتے یونہی بیت گئے تھے زعیم صرف چند منٹ کے لیے گھر آتا پھر وہ سارا وقت کمرے کی دیواروں کا منہ تکتی رہتی۔ شادی کی دعوتوں پر بھی ماں جی یا نزہت آپا ہی اس کے ساتھ جاتی تھیں۔ وہ صاف دامن بچا لیتا ماں جی اسے شہزاد کے گھر بھی لے کر گئی تھیں جو سات بہنوں کا اکلوتا بھائی اور گھر کا واحد مرد کفیل تھا۔ اپنے باپ کی جائیداد کا اکلوتا وارث مگر انسانیت کے بدترین روپ کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ عائزہ اس کی ماں اور بہنوں کا حال دیکھ کر پورے سات دن سکون سے نہیں سو سکی تھی دیہات کی زندگی اور دیہاتی لوگوں کی جہالت اس کے دل میں مزید بڑھ گئی تھی اور اب وہ پہلے سے زیادہ بے چین ہو کر رہ گئی تھی۔

ماں جی پورے گاؤں میں بڑے فخر سے اسے متعارف کرواتی پھرتی تھیں خود گاؤں کی عورتیں اسے رک رک کر بڑے اشتیاق سے دیکھتیں کہ وہ چھوٹے چوہدری کی شہری بیوی تھی۔ بے حد نفاست پسند اور کم گو اسے کہیں بھی آنے جانے کا شوق نہیں تھا وہ اپنے سسرال کے افراد کی بے انتہا محبت اور اپنائیت کے باوجود ان میں گھل مل نہیں سکی تھی۔

پچھلے دو ہفتوں میں وہ صرف دوبار اپنے گھر گئی تھی اور بے حد مختصر وقت کے لیے اس نے عنایا کسی سے بھی اپنی رکھ شیئر نہیں کیا تھا وہ جتنے وقت وہاں رہی بالکل خاموش ہی رہی تھی۔ ماں جی سے اس کی یہ چپ زیادہ دن تک پوشیدہ نہ رہ سکی تبھی انہوں نے زعیم کو مجبور کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ شہر میں رکھے جب تک وہ خود شہر میں مصروف ہے اور وہ مان گیا تھا۔

اس روز صبح سے بارش ہو رہی تھی وہ زعیم کے ساتھ شہر آئی تھی جو اسے ملک ہاؤس چھوڑ کر خود اپنے کسی کام سے نکل گیا تھا شگفتہ بیگم آسیہ بیگم کے ساتھ کسی رشتہ دار کے ہاں گئی تھیں جبکہ مریم پھوپو اور فہد اپنے گھر واپس چلے گئے تھے گھر میں اس وقت صرف عنایا تھی اور وہ بھی لان میں پودوں کی صفائی ستھرائی میں مشغول تھی عائزہ کو دیکھ کر اس نے پانی کا پائپ پودوں میں چھوڑ دیا تھا۔

"السلام علیکم! کیسی ہو؟"

"وعلیکم السلام! ٹھیک تم سناؤ۔" اس کے گلے لگ کر وہ پاس ہی کین کی چیئر پر ٹک گئی تھی عنایا اس کا ہاتھ تھام کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اکیلی آئی ہو؟"

"نہیں زعیم ساتھ آیا تھا کسی ضروری کام کی وجہ سے باہر سے ہی چلا گیا۔"

"ہوں..... جہاں تک میرا خیال ہے تمہاری طرح وہ بھی مجھے اس شادی سے خوش نہیں لگتا۔"

"تمہارا خیال درست ہے عنایا! وہ خوش نہیں ہے کیونکہ اسے میرے ماضی کا پتا ہے سندان حسن سے میری وابستگی کا پتا ہے اسے ریان بھائی کی تمام مصروفیات کا بھی پتا ہے۔"

"اف..... کیا اس نے تم سے کچھ کہا؟"

"زیادہ نہیں' مگر مجھ پر میری اوقات واضح کررہی میں جو اس سے نفرت کرتی تھی صرف اس لیے کہ وہ دیہات سے تعلق رکھتا ہے اس نے مجھے بتادیا کہ اس کی نظر میں میں کیا ہوں اور میرا کیا مقام ہے۔" اب کہ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلکی تھی عینا کا دل جیسے ڈوب گیا۔

"پتا نہیں عائزہ ہمارے ماں باپ سے ایسی کیا خطا ہوئی کہ جس کی سزائیں ہمیں یعنی ان کی اولاد کو مل رہی ہے ہم نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا' کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی پھر ہمارے ساتھ یہ سب کیوں ہورہا ہے۔"

"اس بات کی تو مجھے بھی سمجھ نہیں آرہی' خیر تم چھوڑو یہ سب اور یہ بتاؤ امی اور باقی لوگ کہاں ہیں' زمان بھائی کے بارے میں کوئی خبر ملی؟"

"نہیں کوئی خبر نہیں بس اتنا پتا چلا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلے گئے ہیں اور وہ لڑکی جس نے ان کی زندگی برباد کی' خود بھی زندہ نہیں رہ سکی اس کے اپنے سگے بیٹے نے اس کی جان لے لی اور اب اس بچے کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا کہ وہ کہاں چھپ گیا ہے جو بھی اس عورت کا ذکر کرتا ہے اس کے لہجے میں نفرت ہوتی ہے لوگ اسے گالیاں دیتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں آخر ایسے لوگ اپنے انجام سے بے خبر کیوں ہوتے ہیں' دوسروں کی کہانیوں سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے' صرف چند ناآسودہ خواہشات کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں' کیا ہاتھ آتا ہے آخر ان کے؟" وہ رنجیدہ تھی' عائزہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ دنیا مکافات عمل ہے عینا! یہاں اپنے ہاتھوں بوئے اعمال کی فصل تو کاٹنی ہی پڑتی ہے جبکہ اس کی اجرت آخرت میں ملے گی۔"

"ہوں' صحیح کہتی ہو چلو اندر چلتے ہیں امی بتول خالہ کی طرف گئی ہیں انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا پرسوں تو خیریت دریافت کرنے چلی گئیں۔ مریم پھوپو اور فیضہ گاؤں واپس چلے گئے کیونکہ معید کی جاب اسٹارٹ ہوگئی ہے۔"

"گڈ..... ویسے معید بھائی اپنی دلہن کے بہت چکے ہیں۔"

"ہوں اس میں تو کوئی شک نہیں' پھوپو نے معید کے لیے تایا ابو سے بات کی ہے میرا مطلب ہے وہ مجھے معید کی دلہن بنانا چاہتی ہیں مگر میں نے صاف انکار کردیا۔ اس بار میں اپنے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہونے دوں گی' ادھر ازہان نے بھی فیضہ کو پرپوز کروایا ہے مگر فیضہ نے انکار کردیا۔"

"کیا..... مگر کیوں؟"

"پتا نہیں شاید ہماری طرح اس کے اندر بھی کہیں بے اعتباری کی چوٹ لگی ہے۔"

"پھر بھی اسے یوں ایک دم سے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا' کچھ وقت تو لے سکتی تھی وہ اور یہ تم کیا حماقت کررہی ہو معید بھائی جیسے آئیڈیل شخص کو ٹھکرا رہی ہو پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔"

"پاگل ہی ہوگئی ہوں جو کچھ میں نے برداشت کیا اس کے بعد کوئی بھی شخص نارمل نہیں رہ سکتا پھر میں خود کو معید کے قابل بھی نہیں سمجھتی وہ ایک آئیڈیل شخص ہے اسے اس کے جیسی ہی کوئی بہت پیاری بہترین لڑکی ملنی چاہیے۔"

"تم بھی ایک بہت پیاری اور بہترین لڑکی ہو عینا!"

"نہیں عائزہ! اگر میں ایک بہترین لڑکی ہوتی تو زمان بھی میرے ہوتے ہوئے کسی اور عورت کی طرف نہ دیکھتے۔"

"سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے عینا! کچھ مرد بہت کم ظرف ہوتے ہیں' اچھے برے کی پہچان نہیں ہوتی انہیں۔"

"کچھ بھی ہو دوبارہ خود کو آزمائش میں نہیں ڈالنا..... بس۔" عینا کا لہجہ حتمی تھا' عائزہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

مغرب سے کچھ پہلے زعیم اسے لینے آگیا تھا' اعظم ملک صاحب نے فوراً کھانے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ عشاء سے کچھ پہلے وہ کھانا کھا کر ملک ہاؤس سے نکلے تھے مگر زعیم اسے واپس گاؤں نہیں لایا تھا بلکہ وہیں شہر میں اس کا جو گھر تھا ادھر لے آیا۔

عائزہ نے گاڑی رکنے پر بے حد حیرانی سے اس کی طرف دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس کا سیل بج

رہا تھا اور وہ گاڑی کا انجن آف کرتے ہوئے پوری طرح سیل کی طرف متوجہ تھا۔

"جی نگہت! خیریت؟" کال پک ہوتے ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے عائزہ نے بے ساختہ چونک کر پھر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں! میں ہوں ناں۔ بعد میں تفصیل سے بات کرتا ہوں ابھی آپ اچھا سا کھانا کھاؤ اور جو میڈیسن میں لے کر آیا تھا وہ لو پھر اگلی بات سنوں گا میں او کے۔" جتنی محبت اور اپنائیت سے وہ کہہ رہا تھا عائزہ کا متوجہ ہونا ضروری تھا مگر زعیم کو اس کی پروا نہیں تھی۔ کال کٹ کر کے سیل پھر سے پاکٹ میں ڈالتے ہوئے وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا عائزہ کو مجبوراً اس کی تقلید کرنی پڑی۔

نجر بے حد لگژری تھا دو بیڈ روم اٹیچڈ باتھ ایک ڈرائنگ روم ایک کچن لاؤنج گیلری وہ ایک ایک چیز پر نگاہ ڈالتی خاموشی سے زعیم کے پیچھے قدم اٹھا رہی تھی۔ سب سے پہلے زعیم نے جس کمرے کا دروازہ کھولا وہ ایک بے حد نفیس کمرا تھا یوں جیسے کبھی کسی نے اسے استعمال ہی نہ کیا ہو جبکہ دوسرے کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے جیسے چکر آ گیا تھا۔

مسلا ہوا بستر' قالین پر بکھرے مختلف اشیاء کے خالی ریپر' بیڈ سے ملحقہ ٹیبل پر پڑی شراب کی استعمال شدہ ہاف بوتل اور گلاس' سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑوں سے بھرا ایش ٹرے اور دیواروں پر چسپاں مختلف ہالی ووڈ اور بالی ووڈ اسٹارز کی نیم عریاں تصاویر وہ محض ایک نظر ڈال کر دہلیز پر ٹھٹک گئی تھی۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ شخص ایسے شوق بھی رکھتا ہوگا زعیم نے شاید اس کے خیالات پڑھ لیے تھے تبھی وہ ایک نظر بکھرے ہوئے کمرے پر ڈالنے کے بعد پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ایم سوری! اصل میں یہ گھر میرے ساتھ میرا ایک روم میٹ دوست شیئر کر رہا تھا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں یہ سب ہوگا۔ پچھلے ایک ہفتے سے میں ادھر ٹھہرا بھی نہیں ہوں' بہرحال سوری اگین۔" وہ شرمندہ بھی نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا عائزہ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تاہم زعیم نے اسی وقت وہ سب تصاویر دیواروں سے ہٹا کر پھاڑ دی تھیں۔

"آپ میرے بیڈ روم میں قیام کر لینا' میں یہاں سو جایا کروں گا۔" وہ اسے اطلاع دے رہا تھا عائزہ چپ ہی رہی اسے اس کے کسی بھی فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

"کچن میں نے چیک کر لیا ہے وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے پھر بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا میں لا دوں گا۔" اس کی خاموشی پر اس نے پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا وہ رخ پھیر گئی۔

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے سوائے سکون کے۔"

"سوری وہ میں نہیں دے سکتا وہ تو انسان کے اعمال ہی اسے دے سکتے ہیں۔"

"ہوں...... جانتی ہوں اسی لیے آپ سے ایسی کوئی امید نہیں رکھی پتا نہیں میرے لیے اپنا گھر کیسے چھوڑ کر آ گئے آپ؟" عائزہ کے لہجے میں ہلکی سی چبھن تھی زعیم زیر لب مسکرا دیا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں یہاں آپ کی خواہش پر رہنے آیا ہوں؟" اس کی آنکھیں عائزہ کو صاف اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں' وہ بے ساختہ نظر چرا گئی۔

"اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کو یہاں آپ کی خواہش پر لایا ہوں تو آپ نہایت خوش فہم خاتون ہیں۔" آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے پردے سمیٹتے ہوئے اس نے اسے مزید تپ دی۔

"میں یہاں شہزاد کے کیس کی پیروی اور چند دیگر معاملات کی وجہ سے رکا ہوا ہوں' ماں جی اور بابا کا خیال ہے کہ میں یہاں اکیلا ٹھیک طرح سے اپنا خیال نہیں رکھ پاؤں گا لہٰذا اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤں سو انہی کے حکم پر ان کی خوشی کے لیے میں آپ کو یہاں لے آیا مگر یہ قیام مستقل نہیں ہے جیسے ہی میرا کام ختم ہوا میں واپس لوٹ جاؤں

جاتا ہے۔ میں کم از کم آپ کے لیے اپنا گھر اپنی زمین اور اپنے رشتے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔" اس بار اس کا لہجہ قدرے خشک تھا، عائزہ کا چہرہ اہانت کے احساس سے سرخ ہوگیا۔ وہ پلٹی اور کمرے سے باہر نکل گئی...... پیچھے زعیم دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا آہستہ سے پلکیں موند گیا۔

❁......❁......❁

عینا کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوگیا تھا، لاکھ اس نے انکار کیا گھر والے بھی راضی نہیں تھے مگر معید نے اس کے کام کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر ہی سکون کی سانس لی۔

معید کے گاؤں سے یونیورسٹی قریب پڑتی تھی لہٰذا مرینہ بیگم اسے اپنے ساتھ گاؤں لے آئیں، فیحہ بھی یونیورسٹی جاتی تھی اس سے ایک سال سینئر تھی لہٰذا دونوں میں آہستہ آہستہ خوب دوستی ہوگئی اس روز وہ دونوں لان میں چائے پی رہی تھیں جب باتوں باتوں میں عینا نے فیحہ سے پوچھ لیا۔

"ایک بات پوچھوں فیحہ برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں، کئی سال ہوئے اب میں کسی کی بات کا برا نہیں مانتی۔"

"کیوں ایسا کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں تم بتاؤ کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں۔" فیحہ کے ہاتھ میں زرد گلاب تھا جسے وہ پتی پتی کیے بکھیرے جا رہی تھی عینا گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"اوکے...... تم نے ازہان کا پرپوزل کیوں رد کیا؟ تمہیں پتا ہے وہ کتنا تک چڑھا ہے لڑکیوں کے معاملے میں اب اگر تم اسے پسند آہی گئی ہو تو انکار کیوں؟"

"مجھے ازہان پسند نہیں ہے نہ ہی میں کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

"مگر کیوں؟"

"پتا نہیں بس اب کسی پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے فیحہ! ازہان بہت اچھا لڑکا ہے پلیز اس پر اعتبار کر کے دیکھو۔"

"اعتبار ہی تو کیا تھا مگر...... ٹوٹ گیا۔ لڑکیوں کے اعتبار ہمیشہ ٹوٹ جاتے ہیں پتا نہیں کیوں۔" فیحہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلکی تھی وہ اپنی ہتھیلیوں کو بغور دیکھتی جلدی سے چہرہ جھکا گئی۔

"ازہان ایسا نہیں ہے۔" عینا نے آہستگی سے کہا فیحہ چپ چاپ رخ پھیر گئی۔

"میں نہیں جانتی وہ کیسا ہے کیسا نہیں مگر مجھے اب کسی پر اعتبار نہیں رہا...... بس۔"

"اوکے...... معید کے بارے میں کیا خیال ہے اس کے ساتھ تو کافی شناسائی ہے تمہاری۔"

"ہوں مگر معید میرا بھائی ہے اسے میں نے کبھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا پھر وہ جنون کی حد تک کسی اور میں دلچسپی رکھتا ہے۔"

"کیا......؟"

"ہاں بازمیں یہ تو نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون ہے مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ معید اس لڑکی کے لیے پاگل ہے۔ میں نے خود اس کے پاگل پن کے نظارے دیکھے ہیں وہ اوپر سے جتنا بے نیاز نظر آتا ہے اندر سے اتنا ہی بکھرا ہوا ہے بہت مشکل سے سنبھالا ہے ماموں نے اسے۔"

"کیوں...... کیا وہ لڑکی معید میں دلچسپی نہیں رکھتی؟"

"پتا نہیں...... معید نے کبھی اپنا یہ راز کسی سے شیئر نہیں کیا مگر پھر بھی میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس کی شادی ہوگئی تھی اور وہ معید کی زندگی سے نکل گئی تھی۔"

"او ویری سیڈ...... مجھے آج تک بھی اس بات کا پتا نہ چل سکا۔"

"ممانی کو بھی نہیں پتا شاید میں اس کے ساتھ نہ رہ رہی ہوتی تو مجھے بھی کبھی اس بات کا پتا نہ چلتا۔"

"ہوں...... ویسے دیکھنے میں کیسی ہے وہ لڑکی یقیناً بہت پیاری ہوگی کیونکہ معید کی چوائس ہمیشہ آؤٹ کلاس ہوتی ہے۔"

"یہ تو ہے مگر میں نے بھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا، مجھے

بس اتنا پتا ہے کہ معید ڈائری لکھتا ہے اور اسی ڈائری میں اس لڑکی کی تصویر ہے۔ کئی بار اس کے کمرے کی کھڑکی سے میں نے اسے اس تصویر سے باتیں کرتے دیکھا ہے مگر کبھی کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

"ہوں..... وہ گہرا بھی تو بہت ہے ناں مگر دل کا بہت اچھا ہے بے حد ہمدرد۔"

"صحیح کہتی ہو عینا! میں جب ٹوٹ کر بکھری تھی تو کوئی مجھے سمیٹنے والا نہیں تھا سوائے معید کے اسی کی دن رات کی کوششوں سے میں نے خود کو بدلا اور کمرے سے نکل کر باہر کی دنیا کو فیس کیا اگر معید نہ ہوتا تو شاید میں کب کی مر چکی ہوتی۔"

فجہ کا دل بے حد اداس تھا مگر اس سے پہلے کہ عینا جواب میں کچھ کہتی معید اذہان کے ساتھ وہیں چلا آیا۔ دونوں گاڑی سے نکلے اور بے حد سنجیدہ چہروں کے ساتھ انہیں سلام کرتے اندر معید کے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

عینا اور فجہ دونوں بے حد حیرانی کے ساتھ انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہیں کیونکہ آج سے پہلے وہ دونوں کبھی انہیں اتنے سنجیدہ اور پریشان دکھائی نہیں دیے تھے۔

❁.......❁.......❁

دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا
سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
اک طرف شوق ہے اک طرف دل ہے
دل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں

سندان نکاح کے بعد اپنے دوست سے مصافحہ کر کے پلٹا تھا جب اس کی نظر سیڑھیوں پر کھڑی پتھر ہوئی زرنگار پر پڑی وہ کتنی حیرانی اور پھٹی پھٹی سی نگاہوں میں حیرت سموئے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ شخص جو لینڈ لارڈ باپ کا بگڑا ہوا سپوت تھا جسے کبھی کوئی لڑکی اپنے قابل لگی ہی نہیں تھی اب اسی شخص نے اسے شکست دینے کے لیے ایک بے حد معمولی سی لڑکی سے نکاح کرلیا تھا کتنی حیرانی کی بات تھی۔

سندان کی نگاہوں کی تقلید میں عظیم صاحب نے بھی زرنگار کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی رخ پھیر لیا وہ اب سندان اور حیا پر سے کئی نیلے نوٹ وار کر پاس کھڑے گھر کے چوکیدار کو دے رہے تھے۔

اس رات شہر کے سب سے خوب بڑے ہوٹل میں سندان کے ولیمے کا فنکشن ارینج کیا گیا تھا اور اس فنکشن میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو عظیم صاحب اور سندان کو جانتا ہو مگر اسے انوائٹ نہ کیا گیا ہو۔

وہ سب لوگ جو مختلف تقریبات میں زرنگار کی بے حیائی دیکھ کر سندان کی غیرت کا مذاق اڑاتے تھے آج وہ سب بھی اس تقریب میں مدعو تھے اور سندان کے اس اقدام کو سراہ رہے تھے۔ سب یہی جانتے تھے کہ سندان نے بیوی کی بے حیائی سے تنگ آکر یہ قدم اٹھایا ہے اور یہ سب کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

اس روز بہت دنوں کے بعد ہلکی ہلکی دھوپ نکلی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے کمرے میں بند زرنگار نے کھڑکی سے پردے ہٹائے تو سامنے ہرے بھرے لان کا منظر دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

مکمل پنک کرتا شلوار میں ملبوس سندان حسن اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کررہا تھا جبکہ اس کے پہلو میں حیا اسے اپنی بانہوں کا سہارا دیے چلنے میں مدد دے رہی تھی دونوں کے چہروں پر اتنی تازگی اور خوشی تھی کہ وہ جیسے پتھر ہوئی چپ چاپ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

ان دونوں کے قریب ہی اس کی ممی کرسی پر بیٹھی کھل رہی تھیں جبکہ سندان وقفے وقفے سے جان بوجھ کر

لڑکھڑانے کی کوشش کررہا تھا جس سے حیاء اسے فوراً خود میں سمیٹ لیتی' کتنا بھرپور اور مکمل نظارہ تھا۔

وہ چاہتی تو وہ بھی ایسا کرسکتی تھی مگر...... وہ بھلا کیوں چاہتی؟ اسے تو انتقام لینا تھا سندان حسن اور اس کے باپ کی زندگی برباد کرنی تھی مگر زندگی میں ہمیشہ ویسا ہی نہیں ہوتا جیسا آپ چاہتے ہیں' کچھ اختیارات اللہ رب العزت نے اپنی ہاتھ میں بھی رکھے ہوتے ہیں۔

اس روز بہت دنوں کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھی تھی' سندان کمرے میں تھا جبکہ حیاء اس کی بیٹی کو گود میں لیے' لیے کھلا رہی تھی۔ زرنگار نے بے حد نفرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بیٹی کو اس سے جھپٹ لیا۔

"خبردار اگر آج کے بعد تم نے اپنے منحوس وجود کا سایہ میری معصوم بیٹی پر ڈالا تو......" حیاء اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی تبھی گھبرا گئی تھی۔

زرنگار کی آنکھوں سے اس لمحے اسے غصے اور نفرت کی چنگاریاں نکلتی محسوس ہورہی تھیں۔ اس نے خاموشی سے بادل اٹھایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"بے حیا' غدار' بدصورت' بدچلن...... کاش مجھے پتا ہوتا کہ ایسے بدادا رسے لے کر میرے گھر میں گھسی ہو تو پہلے دن ہی چٹیا سے پکڑ کر باہر نکال دیتی' منحوس کہیں کی۔" وہ اس کی خاموشی پر بھی دہاڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔ حیاء نے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے پانی کا نل کھول لیا اسی وقت سندان کی بیٹی کو تیز بخار نے آلیا مگر زرنگار جس آگ میں جل رہی تھی اسے اس آگ میں بچی کے بخار کی بھلا کیا پروا ہوئی تھی۔

صبح ناشتے سے قبل زرنگار اسے لے کر نیچے آئی تھی' سندان نے جیسے ہی بچی کا حال دیکھا وہ اس پر چڑھ دوڑا۔

"کیا ہوا ہے میری بیٹی کو؟ یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہی' کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ۔"

"کچھ نہیں کیا میں نے' رات سے ہی بخار تھا اسے مجھے پتا نہیں چل سکا۔"

"چل بھی کیسے سکتا ہے تم نہ عورت ہو نہ بیوی' نہ ماں...... خبردار اگر آج کے بعد میری بیٹی کو قید کرنے کی کوشش کی تو' بہت برداشت کرلیا میں نے اب اور نہیں کروں گا۔" غصے کی شدت نے اس کی آنکھوں کا رنگ سرخ کر ڈالا تھا زرنگار حیاء کے سامنے اپنی اس بے وجہ تذلیل پر غصے سے پیچ و تاب کھاتی' واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ آنے والے دنوں نے اسے مزید شکست سے دوچار کیا تھا۔

حیاء ایک بے حد اچھی بیوی اور اس کی بیٹی کی ماں ثابت ہورہی تھی' زرنگار نے اپنا راستہ نہیں بدلا چند دن کمرا نشین ہونے کے بعد اس نے پھر سے اپنی ڈگر اپنالی تھی وہی اس کی لیٹ نائٹ پارٹیز' وہی ملنا جلنا' پینا پلانا' حیاء اب بھی کسی ملازمہ کی طرح اس کے سارے کام سرانجام دیتی تھی۔

اسی کی کوششوں سے رفتہ رفتہ سندان اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہوگیا تھا' زرنگار جب بھی گھر میں ہوتی اسے وہ سندان اور اس کی بیٹی کے ارد گرد پھرتی دکھائی دیتی تھی کبھی اس کے سر میں تیل لگاتی' کبھی اسے منہ دھلاتی' کبھی اپنے ہاتھوں سے ناشتا کرواتی' کبھی اسے اپنی بانہوں کا سہارا دے کر لان میں واک کروائی ہوتی۔ عظیم صاحب کا خیال بھی وہ ایسے رکھتی تھی جیسے وہ اس کے سگے باپ ہوں' ان کے آفس سے آنے کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر وہ سندان اور عظیم صاحب کے ساتھ ضرور لڈو کھیلتے اور زرنگار وہ دیکھ کے اپنا خون جلاتی رہتی۔

اس کا انتقام ادھورا رہ گیا تھا' شادی بھی ناکام ثابت ہوئی مگر مشکل یہ تھی کہ اس کا کہیں اور کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' باپ پہلے ہی نہیں تھا' بہن ثانیہ کی موت کے بعد ماں بھی نہیں رہی' اور کے ایک ماموں نے چند دن سہارا دیا پھر سندان حسن کے ساتھ شادی کے بعد انہوں نے بھی پلٹ کر خبر نہیں لی وہ جاتی تو کہاں جاتی۔

سندان کی حیاء سے شادی کے بعد اس کے اندر اک عجیب سی آگ لگ گئی تھی' اس کے لیے کہیں سکون نہیں رہا

تھا نہ کسی محفل میں نہ شراب میں نہ کسی کی باہنوں میں......

حیاء نے اپنی منزل پالی تھی یا اسی لیے وہ خوش تھی مگر اس کی منزل اس کے سامنے نہیں تھی اور جن کی منزل سامنے نہیں ہوتی یا ان کی مجبوری ہوتی ہے در بدر بھٹکنا سو وہ بھی بھٹک رہی تھی۔

سندان نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور پھر آہستہ آہستہ چلنے کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا تھا وہ نماز کی ادائیگی کا تھا' حیاء نے اسے نماز پڑھنی سکھائی تھی اور وہ مسجد جاکر نماز ادا کرتا اور جب تک وہ گھر واپس نہ آجاتا وہ جلے پیر کی بلی کی مانند اس کا انتظار کرتی رہتی تھی۔

عورت کا کوئی روپ اگر حسین تر تھا تو وہ حیاء سندان کا روپ تھا' اس حیاء سندان کا جو اس سے پاگلوں کی طرح محبت کرتی تھی' جس نے اسے اس کی معذوری اور خامیوں سمیت قبول کیا تھا جس کی آنکھیں ہر لمحہ سندان اور اس سے جڑے ہر رشتے کے لیے محبت لٹاتی رہتی تھیں' جس کی توجہ اور اپنائیت نے اسے سرتاپا بدل کر رکھ دیا تھا اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا' جس کی دن بھر کی صرف ایک ہی مصروفیت تھی اور وہ تھی سندان اور اس کا گھر...... وہ فرصت اور مصروفیت دونوں میں اسی کے بارے میں سوچتی رہتی تھی' اس نے اپنی محبت اور ریاضتوں سے سندان کے گھر کو صحیح معنوں میں گھر بنا دیا تھا' شاید یہ اسی کا صلہ تھا کہ اللہ نے اسی سال اسے دو جڑواں بیٹیوں سے نواز دیا تھا۔

عظیم صاحب کی خوشی دیدنی تھی جبکہ سندان کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹکتے تھے وہ لڑکی جسے اس کے حالات نے گناہ کے رستے پر ڈال رکھا تھا' وہی سندان کے گھر کی چار دیواری میں آکر اس کے لیے زندگی بن گئی تھی' خوشی بن گئی تھی۔

زرنگار کی نفرت کا چراغ بجھتا گیا' خدا نے شاید سندان حسن کی توبہ قبول کرلی تھی اس پاک ذات نے شاید اس کے گناہ بخش دیئے تھے۔ شب کی تنہائیوں میں حیاء کے آنسو اور سندان کی عبادات نے اس ذات رحیمی و کریمی کو منا لیا تھا تبھی تو خود اس کی اپنی پیدا کی ہوئی بیٹی بھی اب ضرورت سے زیادہ اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔

سندان نے اپنے گناہوں کی پاداش میں بہت کچھ کھویا تھا مگر پھر بھی وہ توبہ کرنے سے محروم نہیں ہوا تھا وہ ہوگئی تھی۔ روز بہ روز اس کے اندر کی شکستوں نے اسے گناہ کے رستے سے واپسی کی بجائے مزید جہنم کے قریب کر دیا تھا۔

اس روز سندان نے پورے چار سال کے بعد اپنے باپ کا آفس سنبھالا تو وہ بے خوش تھا' آفس جاکر وہ کوئی پچاس بار گھر کال کرتا تھا اور پھر بھی اس کا دل نہیں بھرتا تھا۔ اس کی بیٹی اسکول جانے لگی تھی' اسکول سے واپسی کے بعد شام میں سندان آفس سے واپس آتا تو وہ اسے اپنی ساری کاپیاں دکھاتی اپنے اسٹارز چیک کرواتی اس کی کاپیوں پر جتنے اسٹارز ہوتے سندان اسے اتنا ہی پیار کرتا۔ حیاء تو ویسے ہی جان دیتی تھی اس پر دو بیٹیوں کی ماں بننے کے باوجود حیاء سے اس کے پیار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی وہ اب بھی اس کی ہر فرمائش ویسے ہی پوری کرتی تھی جیسے پہلے کرتی تھی زرنگار اگر سب کے ساتھ موجود بھی ہوتی تب بھی اس کی بیٹی اس کی طرف نہیں آتی تھی وہ حیاء کو ہی اپنی ماں سمجھتی تھی۔

وہ اندر ہی اندر گھلنا شروع ہوگئی اس روز صبح سے ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ سندان کو کچھ ضروری میٹنگز اٹینڈ کرنی تھیں پھر حیاء کے ساتھ ایک تقریب میں جانا تھا اسی لیے وہ جلدی جلدی سارے کام نپٹا رہا تھا ابھی وہ آفس سے نکلنے کا سوچ ہی رہا تھا جب اس کے سیل پر زرنگار کی کال آگئی۔ پچھلے تین سال میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ زرنگار نے اسے کال کی تھی اس نے قدرے حیرانی سے کال کاٹ کر دوبارہ کال کی مگر اس کی کال پک نہیں ہوئی کئی بار کرنے پر بھی اس کی کال پک نہیں ہوئی۔ وہ قدرے پریشان سا ابھی سیٹ سے اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ سیل پھر بج اٹھا اس بار اس نے کال کاٹنے کی حماقت نہیں کی تھی۔

"زرنگار......" کال پک کرتے ہی اس نے اسے پکارا

تھا دوسری طرف وہ رو رہی تھی۔

"سنی...... سنی مجھے بچالو پلیز......" جتنی مشکل اور اذیت میں اس نے کہا تھا سندان حسن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

"کہاں ہو تم؟"

"میں...... میں روڈ پر ہوں وہ لوگ میرے پیچھے تھے ہیں...... میں بہت مشکل سے جان بچا کر ابھی ان کے گھر سے نکلی ہوں۔"

"کس روڈ پر ہو تم؟"

"ہمدانی صاحب کے گھر والے مین روڈ پر۔"

تیز بارش میں پھولے سانسوں کے ساتھ وہ بمشکل بول پا رہی تھی' سندان اسی پل اپنے آفس سے نکل کر پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔ وہ ابھی بہت تیز بھاگ گئے کے قابل نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی وہ بہت تیز چل رہا تھا' پارکنگ ایریا سے جس وقت گاڑی نکال کر وہ مین روڈ پر آیا اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔

باہر طوفانی بارش ہو رہی تھی مگر وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیو کر رہا تھا' ہمدانی صاحب کا گھر شہر سے ہٹ کر تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر زرنگار وہاں کیا کرنے گئی تھی تقریباً پچیس منٹ بعد وہ متعلقہ روڈ پر آیا تھا مگر زرنگار کہیں نہیں تھی اس کی کال بھی ڈراپ ہو چکی تھی اور اب نمبر بھی آف مل رہا تھا' سندان کی شریانیں جیسے پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔

پاگلوں کی طرح بھگاتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جب اچانک ایک دم سے وہ سامنے آئی تھی دوپٹے سے بے نیاز' بکھرے ہوئے گردن پر چپکے بال' اس کا حال دیکھنے لائق تھا۔ وہ بجلی کی سرعت سے گاڑی سے نکلا اور زرنگار کو بازوؤں سے پکڑ کر سیدھا کیا تو وہ اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

جانے ایک ہی دن میں اس پر کیسی افتاد ٹوٹ پڑی تھی' سندان نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا تھا مگر وہ اٹھنے کی بجائے اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی تقریباً تین گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد جس وقت وہ ہوش میں آئی وہ ہسپتال میں تھی اور سندان اس کے پاس موجود تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اسے کوئی ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے حیاء کے ساتھ مارکیٹ جانا ہے' پی بی کو اسکول سے لانے کے لیے بھی اس نے ڈرائیور کو کال کر دی تھی' زرنگار نے اس وقت جیسے ہی آنکھیں کھولی تھیں وہ اسے خود پر جھکا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر واضح پریشانی جھلک رہی تھی۔

زرنگار نے آہستہ سے پلکیں بند کر لیں اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر سندان کا ہاتھ تھاما اور پھر لبوں تک لاتے ہوئے رو پڑی۔

"ایم سوری سنی...... ایم رئیلی ویری سوری......" وہ چونکا اور اس نے بے حد حیرانی سے اس کی شکل دیکھی جو اچانک خود ساختہ نفرت سے ہار گئی تھی۔

"کس بات کی سوری......؟"

"ہر خطاء اور ہر گناہ کی...... ان سب لمحوں کی جن میں میں نے آپ کو تکلیف دی ایک پرائے دکھ میں خود کو بارو بنا کر آپ کو اذیت دیتی رہی۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ تو میرے محافظ ہیں' میری بے شمار خطاؤں کے باوجود میری عزت کی حفاظت کرنے والے۔" وہ رو رہی تھی اور سندان قطعی حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا بھلا ایک ہی دن میں کون سا معجزہ ہو گیا تھا جو وہ یوں شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اٹھا اور ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد اسے وہاں سے ڈسچارج کرا کے گھر لے آیا' حیا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سندان نے زرنگار کو سہارا دے کر گاڑی سے نکالا اور اپنے بیڈ روم میں لے آیا پھر اسے آرام سے بیڈ پر لٹاتے ہوئے اس پر کمبل ڈال دیا اسی اثناء میں حیا بھی وہاں آ گئی۔

"کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا؟"

''ہوں...... خیریت ہے، زری کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔''

''او میرے اللہ...... زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ناں؟''

''نہیں...... بچت ہوگئی۔''

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کچھ کھایا ہے انہوں نے؟''

''نہیں، تم رانی الحال تم دودھ لے آؤ پلیز۔''

''ٹھیک ہے، میں لاتی ہوں۔''

تابعداری سے کہتی وہ فوراً پلٹ گئی تو زرنگار نے آہستہ سے پھر سندان کا ہاتھ تھام کر رونا شروع کردیا مگر سندان نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکال لیا۔

''زیادہ رونے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی بہت رویا ہوں مگر رونے سے دل نہیں بدلتے اب آرام کرو پلیز۔''

اس کے لہجے میں نفرت نہیں تھی مگر بیگانگی ضرور تھی اور یہ بیگانگی وہ زیرِ زور کرلی تھی پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ فوراً کمرے سے باہر چلا گیا، زرنگار ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کرکے سسک اٹھی۔

کتنے دن ہوگئے تھے اس کی بے چینی کو مگر کوئی بھی اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ گزرتے دن کے ساتھ اس کے اندر توڑ پھوڑ ہو رہی تھی اور اس کی شخصیت کی دیوار مسخ ہوتی جا رہی تھی، سندان کا اسے قطعی نظر انداز کرنا کھل رہا تھا وہ اسے اتنے سکون میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی تبھی اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اور یہ کڑھنا بہت دنوں سے جاری تھا۔ اندر کی گھٹن کو کم کرنے کے لیے ہی اس نے رنگین محفلوں کا سہارا لیا تھا مگر یہاں بھی سکون نہیں تھا سب ایک ہی سوال پوچھتے تھے۔ تم خوب صورت ہو، جوان ہو پھر تمہارے شوہر نے تمہارے ہوتے ہوئے ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کیوں کی؟ اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دے تبھی آہستہ آہستہ اس نے تقریبات میں جانا چھوڑ دیا۔

اس روز اسے شاپنگ کرنی تھی بھیگا موسم دیکھ کر وہ گھر سے نکل آئی تبھی مارکیٹ میں اس کی ملاقات ہمدانی صاحب سے ہوگئی، بزنس مارکیٹ میں جو سندان کے سب سے بڑے حریف تھے اور زرنگار کے سب سے بڑے ہمدرد، وہ اکثر اسے سندان کی اندر کی باتیں بتاتے رہتے تھے اور اس کا دل سندان کی طرف سے خراب ہوتا جاتا۔ اس روز بھی انہوں نے اسے کافی کی آفر کی تھی اور زرنگار چاہنے کے باوجود یہ آفر ٹھکرا نہ سکی۔ کافی کے بعد وہ ریسٹورانٹ سے نکلے تو بارش شروع ہوگئی تھی تبھی ہمدانی نے اسے لفٹ کی آفر کی تھی اور پھر اس کے انکار کے باوجود زبردستی اصرار کرکے فرنٹ ڈور کھول دیا وہ جز بز سی بیٹھ گئی تھی مگر اس کا دل ہنوز اداس تھا۔ ہمدانی کے ساتھ شاپنگ کے بعد جب اس نے گھر واپسی کا قصد کیا تو وہ بول اٹھا۔

''زرنگار! یہ سندان نے جس معمولی شکل و صورت والی بھکاری لڑکی سے شادی کی ہے آپ کو اس کی ہسٹری کا پتا ہے۔''

''نہیں۔''

''کتنی غلط بات ہے حالانکہ آپ کو خبر رکھنی چاہیے تھی بہرحال میرے پاس ان کے بارے میں کچھ ایسا مواد ہے کہ آپ دیکھیں گی تو آپ کے ہوش اڑ جائیں گے، چند ہی روز میں یہ بات سندان اور اس کے باپ کے علم میں بھی آنے والی ہے۔''

''کیسی بات؟''

''سوری زبانی نہیں بتا سکتا میری سیکرٹری کے لیپ ٹاپ میں ہے اور اس نے مجھے سب دکھایا اور بتایا تھا اگر آپ کہیں تو ابھی میرے گھر چلتے ہیں، یہ ویسے بھی کافی دنوں سے آپ کو یاد کر رہی تھی۔'' قطعی ہوشیاری سے وہ اسے اپنے جال میں پھنسا رہا تھا اور وہ پھنس گئی تھی۔

''ٹھیک ہے مگر میں زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔''

''مت رکنا، ایرا میں نے کون سے کنکر چنوانے ہیں۔''

وہ مکمل توجہ گاڑی چلانے پر رکھتے ہوئے بے نیاز دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا زرنگار لب دبائے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ گاڑی پورچ میں پارک کرنے کے بعد ہمدانی اسے ڈرائنگ روم کی بجائے بال میں لے آیا جو اس کے بیڈ روم سے ملحقہ تھا۔ گیٹ پر چوکیدار بھی نہیں تھا

اور اس کی بیوی سبہ بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ زرنگار کو اگر ان کی نیت پر ذرا سا بھی شک ہوتا تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ ٹھہرتی۔

تقریبات میں ہزار لوگوں کے سامنے ناوانی کے مظاہرے کرنا اور بات تھی مگر تنہائی میں یوں کسی مرد پر اعتبار کرنا اسے پسند نہیں تھا۔ سندان حسن سے نفرت اور انتقام نے اسے غلط راستوں کی طرف دھکیل دیا تھا مگر وہ زانی نہیں تھی نہ ہی اس نے کبھی خود کو تسکین دینے کے لیے اپنے جسم کا استعمال کیا تھا۔

اس وقت بھی اس کا دل بے چینی محسوس کر رہا تھا جب ہمدانی کچن اور باتھ میں جھانک کر اپنی بیوی کو تلاش کرنے کے بعد اس کی طرف پلٹ آیا۔

”سوری یار! پتا نہیں یہ سبہ بنا بتائے کہاں نکل گئی خیر، میں کال کر کے پتا کرتا ہوں تم سکون سے بیٹھو میں کچھ ٹھنڈا بھی لاتا ہوں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں پھر آ جاؤں گی ابھی دیر ہو رہی ہے۔“

”اوہ کم آن یار! پلیز بیٹھو بھی، مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے مجھے ابھی گھر جانا ہے پلیز۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی جب ہمدانی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”کس کے لیے گھر جانا ہے اس عقل کے اندھے کے لیے جسے تم جیسی حسین و جمیل بیوی کی کوئی قدر نہیں۔“

”نہ ہو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔“ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا۔

”تمہیں نہ ہو مجھے ہے۔“

اگلے ہی لمحے ہمدانی نے اسے کندھوں سے پکڑتے ہوئے اپنی شرافت کا چولا اتار دیا تھا۔ زرنگار پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ہمدانی جیسا سنجیدہ اور باوقار نظر آنے والا انسان بھلا ایسی گری ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے تبھی اس نے اسے دھکا دیا اور ہاتھ میں پکڑے موبائل سے سندان کو کال ملائی تھی جانے کیوں اس لمحے اسے اس کا خیال آیا تھا مگر سندان نے اس کی کال کاٹ دی اگلے ہی پل اس کا سیل بجنے لگا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کال پک کرتی ہمدانی نے اسے دبوچ لیا وہ اسے بہت گندی گالیاں دے رہا تھا جو عورت چادر اور چار دیواری کی عظمت کو نہیں سمجھتی مرد اسے لازماً گالیاں دیتے ہیں۔ کبھی سرعام تو کبھی تنہائی میں اسے بھی وہ مرد گالیاں دے رہا تھا زرنگار کو لگا جیسے اس کا دماغ فریز ہو گیا ہو اس نے آج تک جسم کی نمائش کروائی تھی کبھی اسے داغدار نہیں کیا تھا مگر آج اس کی ایک چھوٹی سی غلطی اس کے جسم کو داغدار کرنے جا رہی تھی اور یہ اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا تبھی ہمدانی کے کھینچنے پر اس نے قریب رکھا گلدان اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور پھر بنا انجام کی پروا کیے تیزی سے بجتا سیل اٹھا کر باہر گیٹ کی طرف دوڑ پڑی سیل اس کے ہاتھ میں بج رہا تھا مگر وہ بھاگ رہی تھی۔

اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ سندان اس کی بات سنے گا مگر اس نے اس کی بات سنی تھی اور نہ صرف بات سنی تھی بلکہ وہ ہر بات پس پشت ڈال کر اسے مشکل سے بچانے بھی آ گیا تھا صرف ایک لمحے کی بات تھی اور اس ایک لمحے میں وہ پتھر کی ہو گئی تھی۔

وہ نہ صرف اسے بچانے آیا تھا بلکہ کئی گھنٹے اس نے اس کے ساتھ ہسپتال میں بھی گزارے تھے اسے تنہا اور لاوارث نہیں چھوڑا تھا حالانکہ جتنا برا اور دیدہ وہ اس کے ساتھ رکھتی رہی تھی اسے چھوڑنا چاہیے تھا صرف اسی کی وجہ سے سندان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ اتنے عرصے تک معذور رہا اسی کی وجہ سے اس نے اپنی ماں کھوئی اس کی بہن کو ورغلانے اور گھر سے بھگانے والی وہی تھی۔ کتنے نقصان کیے تھے اس نے سندان حسن کے اس شخص کو تو اس کے چہرے پر تھوکنا بھی نا چاہیے تھا مگر وہ اف کیے بغیر اس کی عزت کا بھرم رکھ کر اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا۔

سندان کی اس اچھائی نے اسے کتنی بڑی تکلیف اور بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔

اس وقت ثانیہ نصیر کا ورد اسے اپنے ورد سے چھوٹا دکھائی دے رہا تھا۔

حیا اس کا بے حد خیال رکھ رہی تھی اس کی طرف سے ذلت اٹھا کر بھی اس نے اپنے خلوص میں کوئی کمی نہیں کی تھی اس کا انداز اب بھی بالکل ویسا ہی تھا وہ اب بھی اس کی تابعدار تھی عظیم صاحب اور سندان گھر پر نہ ہونے تب بھی وہ بار بار اس کے کمرے میں آتی اور اس کی ہر فرمائش پوری کرتی۔

عظیم صاحب نے البتہ اسے معاف نہیں کیا تھا وہ جب بھی ان کے قریب جا کر بیٹھتی وہ وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے۔ سندان زیادہ تر خاموش رہتا تھا وہ کمرے میں پڑی پڑی تھک گئی تو اسے وہ روزن یاد آ گیا جو تمام تھکے ہوئے اور بھٹکے ہوؤں کا واحد روزن تھا نجات کی۔

سندان پانچ ٹائم کی نماز کا پابند ہو گیا تھا تبھی اس کے چہرے پر نور آتا جا رہا تھا اس کے اندر صبر و عاجزی آ گئی تھی اسے یہ بات سمجھ میں آ گیا تھا کہ پھل دار درخت جھکا ہوا کیوں ہوتا ہے؟ حیا پہلے سے نماز کی پابند تھی اسے بھی صبر کرنا آتا تھا وہ عاجز تھی اللہ جسے اپنے قریب کرتا ہے پھر اس کے اندر وہ اوصاف پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کا بندہ سب کی نظر میں اونچا ہو جائے محبوب ہو جائے تبھی اسے اللہ رب العزت کی پاک ذات کا وہ ارشاد بھی یاد آ رہا تھا۔

''اے بندے میرا ہو کر تو رکھ سب کو تیرا نہ کر دوں تو کہنا۔''

بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی لہٰذا اس روز بیٹھے بیٹھے وہ ایک دم سے اٹھی اور واش روم میں جا کر کھڑی ہو گئی اسے وضو کرنا آتا تھا نماز بھی پڑھنی آتی تھی وہ کچھ بھی بھولی نہیں تھی بس اس نے ثانیہ کی موت کے بعد اللہ کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا اس سے کچھ بھی مانگنا چھوڑ دیا تھا اور وہ پاک ذات جس کی صفات میں رحیمی اور کریمی کی کوئی حد نہیں وہ بھلا صرف مانگنے پر ہی کب دیتا ہے؟

بندہ اسے سجدہ کرے نہ کرے اسے پکارے نہ پکارے اس کی رحمت کے خزانے کھلے ہی رہتے ہیں وہ تو انہیں بھی کبھی بھوکا نہیں سلاتا جو شرک کرتے ہیں اس کی ذات اور صفات میں کسی اور کو حصہ دار بناتے ہیں بے جان خود اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر گڑگڑاتے ہیں پھر وہ رحیم ذات بھلا زرنگار نصیر کو کیسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتی؟

وہ بھی تھکی ہوئی بھٹکی ہوئی تھی اور بھٹکے ہوؤں اور تھکے ہوؤں کو جب زندہ رہنے کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا تب ''رب'' نظر آتا ہے زرنگار کو بھی وہ نظر آ گیا وضو کر کے پورے پانچ سال کے بعد جب وہ اپنے رب کے حضور سجدے میں گری اس کے آنسو نہیں رکتے تھے۔

بے شک سندان گناہ گار تھا مگر وہ اس کا گناہ گار نہیں تھا اس کا جو بھی معاملہ تھا ثانیہ نصیر کے ساتھ تھا۔ روز محشر وہی اس کا گریبان پکڑ سکتی تھی زرنگار کو یہ حق کسی نے نہیں دیا تھا کہ وہ اس سے بدلہ لے اسے برباد کرے۔ بہت سی باتوں کی سمجھ اسے بہت دیر سے آئی تھی۔

کئی بار اس نے خودکشی کا سوچا تھا مگر وہ خود مرنے والی موت کے بھیانک انجام کو نہیں جانتی تھی۔ مرنے کے بعد خود موت کو گلے لگانے والوں کے ساتھ کیا ہوتا تھا یا اسے نہیں پتا تھا وہ تو سارا کھیل بس دنیا کی زندگی کو ہی سمجھے بیٹھی تھی مگر اس کے رب نے اسے بچا لیا تھا۔

وہ بے خبر تھی مگر اس کا رب بے خبر نہیں تھا اس نے ہدایت مانگی اور اس کے پاک رحیم و کریم رب نے اسے ہدایت دے دی۔ پہلے حیا اور سندان جس راہ کے مسافر تھے اب زرنگار بھی اسی رستے پر چل نکلی تھی ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا سفر اسے نئے نئے موڑ سے آشنا کروا رہا تھا وہ دنیا کو بھولتی گئی سندان حیا یہاں تک کہ اپنی بیٹی کو بھی بھول گئی۔

عابد بانو صرف ایک ہی نام...... اللہ......

وہ جو محفلوں کی زینت تھی پردے میں آ گئی تھی پردہ بھی ایسا کہ کوئی نامحرم مرد و عورت اس کے پاؤں کی انگلیاں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ صبح وہ گھر سے نکلی تھی اور دن ڈھلنے کے بعد واپس آئی تھی حیا کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جاتی ہے

اور سارے دن کیا کرتی ہے مگر سندان جان گیا تھا اور جس روز اس نے جانا تھا وہ ششدر رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
نوحہ گر آب کے ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

دن بھر شہزاد کے کیس کی پیروی کے سلسلے میں بے حد مصروف رہنے کے بعد اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے گھر واپس آیا تھا۔ دروازے کی ایک چابی ہمیشہ اس کے پاس رہتی تھی اسے عائزہ کا اپنے لیے انتظار میں جاگنا پسند نہیں تھا اور وہ جاگی بھی نہیں تھی۔

کچن میں کھانا تیار رکھا تھا' کہیں کوئی بے ترتیبی دکھائی نہیں دے رہی تھی' پہلی بار اس نے کچن کو اس قدر صاف ستھرا چمکتا ہوا دیکھا تھا۔ اسے بھوک نہیں تھی مگر پھر بھی اس نے اپنے لیے کھانا نکال لیا تھا' پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی وہ جان گیا کہ عائزہ کوکنگ کے معاملے میں کتنی ماہر تھی۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے برتن سنک میں رکھے اور اپنے لیے چائے بنا کر کمرے میں چلا آیا' نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے عائزہ کو سامنے ہی اپنے بستر پر لیٹے ہوئے دیکھا تھا' اسے یاد آ گیا کہ اس نے خود ہی اسے اس کمرے میں سونے کی آفر کی تھی' اس کا لیپ ٹاپ بیڈ سے ملحقہ میز پر دھرا تھا۔

سکون سے چائے ختم کرنے کے بعد اس نے کپ اسی میز پر رکھا اور جھک کر لیپ ٹاپ اٹھانے لگا' تبھی اس کی نظر قطعی بے ساختگی سے سوئی ہوئی عائزہ کے وجود پر پڑی تھی اور پھر جیسے وہ وہیں فریز ہو گیا تھا' وہ دوپٹے سے بے نیاز کروٹ کے بل گہری نیند سو رہی تھی' اس نے اسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس کے جسم کا گداز پن محسوس کر سکتا تھا' اس کے بھرے بھرے گال اور گداز کلائیاں اس کی اچھی صحت کا واضح ثبوت تھیں' اس لمحے بے ساختہ اسے اپنے یہ الفاظ یاد آئے تھے۔

"شہر کی لڑکیاں میری کمزوری نہیں میں شاید کبھی بھی یوں آپ کے ساتھ زبردستی شادی نہ کرتا اگر آپ سندان حسن جیسے لوفر اور بدنام شخص کے ہاتھوں برباد نہ ہو رہی ہوتیں۔ خیر بے فکر رہنا آپ کی مرضی کے خلاف کبھی آپ کے قریب نہیں آؤں گا' جب کبھی آپ کو میری ضرورت محسوس ہو بتا دینا' شوہر کے فرائض ادا کر دوں گا بصورت دیگر آپ جیسے چاہیں یہاں زندگی گزار سکتی ہیں' کوئی روک ٹوک یا پریشانی نہیں ہو گی۔"

وہ ایک لمحے میں سیدھا ہوا مگر پیشانی پر پسینے کی چھوٹی چھوٹی بوندیں ابھر آئی تھیں' اس نے اب تک اسے اس نظر سے نہیں دیکھا تھا مگر آج دیکھا تھا تو اچھی خاصی مشکل ہو گئی تھی۔ وہ مرد تھا اور بہکنا اس کی فطرت تھی مگر حالات ایسے تھے کہ اسے اپنی نظر اور جذبات پر قابو پانا تھا ورنہ سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ اس وقت اپنے بستر کی نرماہٹوں سے نظر ہٹا کر دوسرے کمرے میں سونا اس کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ اس نے خاصی دل گرفتگی کے ساتھ لیپ ٹاپ اٹھایا عین اسی لمحے اس کا سیل بج اٹھا اور عائزہ کی آنکھ کھل گئی۔ زعیم کو اپنے بستر کے قریب کھڑا دیکھ کر وہ جیسے کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی تھی' زعیم ایک لمحے میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں۔" اس کے گھبرا کر پوچھنے پر اس نے سرد آہ بھری تھی۔

"لیپ ٹاپ ادھر پڑا تھا وہی اٹھانے آیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فوراً لیٹ گئی تھی۔ زعیم نے بجتا ہوا سیل آف کیا پھر لیپ ٹاپ اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں چلا آیا مگر اب چین کہاں تھا......!

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

برف کے آنسو

نازیہ کنول نازی

تو میرے پاس نہ تھا پھر بھی سحر ہونے تک
تیرا ہر سانس میرے جسم کو چھو کر گزرا
قطرہ قطرہ تیرے دیدار کی شبنم ٹپکی
لمحہ لمحہ تیری خوشبو سے معطر گزرا

شریر چڑیو......
سنو مجھے اک گلہ ہے تم سے
کہ منہ اندھیرے
تمہاری بک بک تمہاری جھک جھک تمہاری چوں چوں
سماعتوں پر تمہاری دستک
ہے غل مچاتی 'مجھے جگاتی' بڑا ستاتی
شریر چڑیو......!
یہ تم نہ جانو
میں رات مشکل سے سو سکی تھی
اداسیوں کے سمندروں میں میں اپنی آنکھیں ڈبو چکی تھی
بہت سے تکیے بھگو چکی تھی
چلے گئے سب ہی جانے والے ڈسیں جدائی کے ناگ کالے
پڑے ہیں کیوں مجھ کو جاں کے لالے
یہ تم نہ جانو یہ تم نہ سمجھو
شریر چڑیو......!
ہے چہچہانا اگر ضروری 'نئی سحر کی نوید لاؤ
کوئی نویلا سا گیت گاؤ
مجھے جگانا ہے گر ضروری
تو سن لو پہلے شریر چڑیو
میرے مقدر جو ایک مدت سے سو رہے ہیں
انہیں جگاؤ 'شریر چڑیو! انہیں جگاؤ

❁......❁......❁

موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا وہ آفس سے نکلا تو اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا' تھکن حد سے سوا تھی' وہ جانتا تھا گھر پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد ایک بار اگر وہ بستر پر لیٹ گیا تو پھر دوبارہ اٹھنا ممکن نہیں ہوگا' تبھی آفس سے واپسی پر اس نے پاس ہی نظر آنے والی مسجد کے قریب گاڑی روک دی تھی۔

عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا' جماعت تیار کھڑی تھی اس نے جلدی جلدی وضو کر کے نماز کی نیت کی اور تقریباً بیس منٹ بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آیا تو باہر مسجد کی سیڑھیوں پر بلیک چادر میں ملبوس کسی مفلس سی عورت کو بیٹھے دیکھا' وہ جلدی میں تھا اسے گھر پہنچنا تھا۔ مسجد کی سیڑھیوں پر یوں نماز کے وقت کسی عورت یا مرد کا بیٹھے ہونا کوئی تعجب والی بات نہیں تھی' لوگ بھیک مانگنے کے لیے عموماً مسجد کی سیڑھیوں کا انتخاب ہی کرتے تھے تاکہ نماز سے فارغ ہو کر لوگ جب اپنے گھروں کو لوٹیں تو ان کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو نظر انداز نہ کر سکیں مگر......وہ بھکاری نہیں تھی۔

وہ ٹھٹکا اور رک کر اسے دیکھ رہا تھا جو مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھی' مسجد سے باہر رکھے نمازیوں کے جوتوں کو نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی چادر سے صاف کر رہی تھی' وہاں کے لوگ شاید اس کی اس عادت اور معمول سے واقف تھے تبھی ان کا اطمینان ظاہر کرتا تھا کہ انہیں اپنے جوتے چوری ہونے کا ڈر نہیں۔

سندان کے لیے یہ سب بہت انوکھا تھا' بمشکل اس سیاہ چادر سے نظر چھڑاتے ہوئے وہ گھر پہنچا جہاں حیا کھانا تیار کیے اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی' عظیم صاحب گھر پر نہیں تھے' وہ اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے تھے اس نے فریش ہو کر حیا کو کھانا لگانے کے لیے کہا۔

تھکن حد سے سوا تھی مگر بھوک بھی بہت لگی تھی تبھی وہ رغبت سے کھانا کھا رہا تھا جب وہ سر جھکائے گھر میں داخل

ہوئی۔ حیا نے سندان سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا' ہر روز کی مانند آج بھی اس کا پورا وجود سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

وہ اسے کھانے کے لیے بلانا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کھانا نہیں کھائے گی تبھی گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔ سندان بنا اس پر کوئی نظر ڈالے رغبت سے کھانا کھانے میں مصروف رہا' اگلے روز وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ اس کے بیڈروم میں آئی تھی۔

پچھلے تین ماہ میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ یوں خود سے اس کے اور حیاء کے بیڈروم میں آئی ہو' تبھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا عکس دیکھتے ہوئے بے ساختہ وہ پلٹا تھا۔ حیا اس وقت کچن میں تھی اور بیٹی اسکول جانے کے لیے تیار' اسے دیر ہو گئی تھی وہ زیادہ دیر رک نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

زرنگار نے صرف ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے نظر جھکالی۔

''السلام علیکم! میں جانتی ہوں میں آپ سے کچھ بھی مانگنے کی حق دار نہیں ہوں پھر بھی مجھے کچھ پیسے چاہئیں' میں جلد لوٹا دوں گی۔'' جتنے دھیمے لہجے میں عاجزی کے ساتھ اس نے درخواست کی تھی وہ حیران رہ گیا تھا۔

''کتنے پیسے؟''

''دس ہزار!''

سندان جانتا تھا وہ اس سے کم نہیں مانگ سکتی تھی' اس کی ضرورتوں کا اسے بہت اچھی طرح سے علم تھا مگر پھر بھی ہمیشہ کی طرح اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے وہ پلٹا اور دراز سے چیک بک نکال کر اس نے اس پر دس ہزار کا اماؤنٹ درج کر کے اسے تھما دیا۔

''یہ لو......فی الحال میرے پاس کیش نہیں ہے۔''

''شکریہ۔'' جگمگاتی نگاہوں سے سندان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی اور پھر نرمی سے چیک تھامتے ہوئے فوراً واپس پلٹ گئی۔ سندان کو اس وقت اس کی شخصیت میں بہت بڑی تبدیلی کا احساس ہوا تھا' وہ بہت سادہ کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس کے پیروں میں اس وقت بہت معمولی سی سادہ چپل تھی' ہمیشہ کی طرح اس کی خمدار بھنوئیں ترشی ہوئی نہیں تھیں۔ چیک تھامتے وقت اس نے جو دلیاں ہاتھ آگے کیا تھا اس کے ناخن بھی بڑھے ہوئے نہیں بلکہ ترشے ہوئے پالش سے پاک تھے۔ سندان کو اس کے چہرے پر بے حد تازگی اور سکون محسوس ہوا تھا وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تھی تو اس کا پورا وجود سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا' وہ بے ساختہ چونک اٹھا......یہ چادر......اس نے پہلے بھی کہیں دیکھی تھی مگر کہاں؟ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا اس روز پورا دن آفس میں کام کے دوران بار بار وہ اس کے دھیان میں آتی رہی۔ شام میں آفس سے واپسی کے بعد لان میں عظیم صاحب کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہوئے وہ ان سے کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''پاپا آپ نے کچھ محسوس کیا' زرنگار کتنی بدل گئی ہے۔''

''اچھا......کیسے بدل گئی ہے مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔''

''وہ بدل گئی ہے پاپا! کتنے دن ہوئے اس نے گھر میں کوئی ہنگامہ نہیں کیا' بہت چپ چپ اور سادا رہنے لگی ہے۔''

''تو یہ کون سی بڑی بات ہے' حیا بیٹی نے جس طرح سے گھر سنبھالا ہے کیا اس کا ہنگامہ کرنا بنتا ہے؟ یہ تو تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے جو عورت کی حیثیت سے اس کا بدترین روپ دیکھنے کے باوجود تم نے اسے بنا طلاق دیئے گھر سے باہر نہیں نکالا ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک شاید کب کا اسے مار کر دفنا چکا ہوتا۔''

''نہیں پاپا! پلیز ایسا مت کہیں' اس نے وہی کیا جو میں کرتا تھا' اللہ نے اس کی صورت میرے اعمال مجھ تک پلٹائے تھے اگر آپ لوگوں نے مجھے مار کر نہیں دفنایا تو میں اسے مار کر دفنانے والا کون ہوتا ہوں' اگر میرے لیے مرد ہو کر معافی کی گنجائش ہے تو اس کے لیے بھی ہونی چاہیے پاپا! پہلے ہی بہت کچھ غلط ہو چکا ہے اب اور نہیں۔''

''ہوں......مگر وہ کبھی سدھر سکتی ہے یہ توقع مت کرنا' جس عورت کو ایک بار برائی کی عادت پڑ جائے وہ پھر کبھی تائب نہیں ہوتی۔ دیکھ لو اب بھی وہی معمول ہے اس کا صبح گھر سے نکلتی ہے اور شام ڈھلے عشاء کے بعد بے شرموں کی طرح منہ اٹھائے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا

نہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں' پتا نہیں سارا دن کہاں کہاں آوارہ پھرتی رہتی ہے۔"

عظیم صاحب کے لہجے میں زرنگار کے لیے حقارت تھی اور شاید ٹھیک ہی تھی کیونکہ اس کی مصروفیات جواب تک ان کی نظر میں رہی تھیں کچھ خاص اچھی نہیں تھی تبھی وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا' اس کے دونوں بیٹے اب پاؤں پاؤں چلنے لگے تھے۔ حیا ان دونوں کا بے حد خیال رکھتی تھی' سندان بھی روز آفس سے واپسی کے بعد اسے کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا' کبھی وہ ڈنر یا شاپنگ کے لیے نکل جاتے جب سے اس کی چھوٹی بہن گھر سے بھاگی تھی بڑی کے سسرال والوں نے اس پر پابندی عائد کردی تھی کہ وہ ہرگز اپنے باپ بھائی کے گھر نہیں جائے گی تبھی وہ دونوں' کبھی کبھار خود ہی اسے مل آتے تھے اس روز بھی وہ کچھ ایسے ہی ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔

زرنگار گھر پر تھی مگر اپنے کمرے میں بند تھی' حیا نے اپنے دونوں بیٹوں کو دودھ پلا کر سلا دیا' اس کی بیٹی عظیم صاحب کے ساتھ کھیل رہی تھی' تبھی وہ دونوں مطمئن ہو کر گھر سے نکل آئے تھے ان کا ارادہ پہلے کچھ شاپنگ کرکے پھر بہن کی طرف جانے کا تھا مگر شاپنگ کے بعد جیسے ہی وہ مین سڑک پر آئے کسی نے ان پر اندھادھند فائرنگ کردی' سندان کی سمجھ ہی نہیں آیا کہ یوں اچانک ایک دم سے بھلا کیا ہوا ہے؟

موٹر سائیکل پر سوار کچھ بھیانک سی اشکال کے دولڑکے بناء کسی کی پروا کیے ادھر ادھر اندھادھند گولیاں برساتے ہوئے جارہے تھے اور انہی گولیوں کی زد میں ان کی گاڑی بھی آگئی تھی۔ سندان کے بازو میں گولی لگی تھی جبکہ گاڑی کی ونڈو توڑتے ہوئے دو گولیاں بڑی تیزی سے حیا کی کمر اور ٹانگ میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ اس اچانک افتاد پر چلائی تھی جبکہ سندان نے بناء زخم اور تکلیف کی پروا کیے گاڑی تیز رفتاری سے بھگائی اور ٹھیک بیس منٹ کے بعد ایک قریبی پرائیوٹ ہسپتال کے سامنے رکی تھی' حیا اور اسے فوری طبی امداد مہیا کی گئی مگر پھر بھی حیا کو لگنے والی دو گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لیے معذور بنا دیا تھا۔ پورے اٹھارہ گھنٹے آئی سی یو میں رہنے کے بعد وہ زندہ تو بچ گئی تھی مگر اپنی ٹانگوں پر کھڑی نہ ہوسکی جو گولی اسے کمر پر لگی تھی وہ ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہوگئی تھی اور وہی اس کی معذوری کا باعث بھی بنی۔ زرنگار کو جب تک خبر ملی' سندان تمام معاملات سنبھال چکا تھا اس کے بازو میں لگی گولی زیادہ گہرائی تک نہیں گئی تھی تبھی بچت ہوگئی تھی۔

دو دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد تیسرے روز جب وہ گھر واپس آئے سندان کی آنکھیں بے حد اداس تھیں' ایک کے بعد ایک دل پر لگنے والے زخموں اور حادثات نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا' خود عظیم صاحب بھی بہت رنجیدہ تھے۔ حیا کی تکلیف اور اس کا حال ان سے دیکھا نہ جاتا تھا' ایسے میں بس ایک زرنگار تھی جو مستقل چپ اور باحوصلہ تھی۔

حیا کی غیر موجودگی میں اسی نے اس کے دونوں بیٹوں اور اپنی بیٹی کو سنبھالا تھا' حیا کی گھر واپسی کے بعد اگلی صبح فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد جب اس نے سب کی پسند کا ناشتا ٹیبل پر لگایا تو سندان حیرت سے گنگ رہ گیا مگر زرنگار نے بناء اس کی حیرانی کی پروا کیے حیا کے لیے الگ سے ناشتا بنایا' اور جس وقت سندان نے آفس کے لیے تیار ہونے کے بعد حیا کو خدا حافظ کہنے کے لیے اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا' وہ اپنے ہاتھوں سے آخری نوالہ بنا کر اسے کھلا رہی تھی' حیرانی سی حیرانی تھی۔

سندان بمشکل بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا' زرنگار کا یہ روپ اس کے لیے قطعی حیران کن تھا' بھلا وہ اتنی اچھی گھریلو خاتون اور ایک خدمت گزار بیوی کیسے ہوسکتی تھی؟ اس کی طرح حیا بھی بے یقین تھی شاید اسے بھی گمان نہیں تھا کہ زرنگار یوں گھر سنبھال سکتی ہے۔ سندان اس روز خواہش کے باوجود حیا کی پیشانی چوم کر اسے خدا حافظ نہیں کہہ سکا تھا' وہ وہیں دہلیز سے ہی دونوں کو خدا حافظ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

آفس میں سارا دن پھر زرنگار اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ وہ ابھی ایک میٹنگ سے فارغ ہوا تھا جب اس کا سیل فون بج اٹھا اس نے دو تین بیلز کے بعد ہاتھ بڑھا کر اسکرین پر نظر ڈالی تو وہاں اس کے گھر کا لینڈ لائن نمبر جگمگا رہا تھا' اس نے کال پک کی تو دوسری جانب زرنگار کی آواز سن کر پھر

ساکت رہ گیا۔

"میں نے دوپہر کے لیے کھانا پکا لیا ہے' آپ مصروف نہ ہوں تو گھر آکر کھانا کھا لیجیے۔" اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اس نے مختصر اطلاع دے کر فون بند کردیا جبکہ وہ کتنی ہی دیر تک حیران سا بیٹھا رہا تھا۔

زرنگار کی اتنی بڑی تبدیلی نہ اس سے ہضم ہو رہی تھی نہ اس کی سمجھ میں آرہی تھی تبھی اس وقت وہ اس کے بلاوے پر گھر کھانے کے لیے نہیں گیا تھا تاہم رات کا کھانا بھی زرنگار نے ہی تیار کیا تھا اور اس کی بھوک بھی زوروں پر تھی۔ سندان نے دیکھا وہاں کھانے کی میز پر ساری اس کی فیورٹ ڈشز بنی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک نظر ٹیبل کا جائزہ لینے کے بعد چکن بریانی کی ڈش اپنی طرف کھسکائی اور اس میں سے ذرا سے چاول اپنی پلیٹ میں ڈال لیے۔

زرنگار اس کی نظر میں ایک پھوہڑ عورت تھی اس کے اندازے کے مطابق اسے کھانے پکانے کا کوئی تجربہ نہیں تھا مگر جس وقت اس نے چاولوں کا پہلا چمچہ منہ میں ڈالا اسے زوردار جھٹکا لگا۔ اپنی پوری زندگی میں اس نے اتنی لذیز چکن بریانی نہیں کھائی تھی' دو پلیٹ چاول کیسے وہ چٹ کر گیا اسے پتا ہی نہ چلا اور پھر بریانی کے بعد اچار گوشت' کٹلس اور خالص کھوئے کی کھیر' اس کا دل لوٹ گئی تھی۔ ہر چیز کا ذائقہ پہلی سے بڑھ کر تھا' اسے گمان ہی نہیں تھا کہ اس لڑکی کے ہاتھ میں خدا نے اتنا ذائقہ رکھا تھا' حیا بھی اچھا کھانا پکاتی تھی مگر زرنگار کے مقابل اس کے ہاتھ کا ذائقہ کچھ بھی نہیں تھا۔

سندان کی طرح عظیم صاحب بھی زرنگار سے خفگی کے باوجود اس کے ہاتھ کے بنے کھانے کی تعریف کرنے پر مجبور ہوگئے تھے مگر اسے تعریف کی پروا نہیں تھی۔ حیا کو وہ پہلے ہی کھانا کھلا کر سلا چکی تھی تبھی ٹیبل لگانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی' عشاء کی نماز کا وقت کافی ہوچکا تھا مگر اسے فرصت نہیں تھی اب فرصت ملی تو فوراً وضو کرکے جائے نماز پر جا کھڑی ہوئی اور پھر اسی طرح کب پوری رات بیت گئی پتا نہیں چلا۔

اگلے روز اتوار تھا' فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر آرام کرکے وہ کچن میں آئی تو وہاں سندان پہلے سے موجود تھا اور اپنے دونوں بیٹوں کے لیے دودھ بوائل کر رہا تھا۔

"السلام علیکم!" آہٹ کی آواز پر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور پھر زرنگار کے سلام کرنے پر اسے چند لمحوں تک یک ٹک دیکھتا رہا۔

"وعلیکم السلام!"

"آپ ہٹیں' میں دودھ بوائل کردیتی ہوں۔"

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے پہلے ہی کل آپ نے اپنی مصروفیات ترک کرکے گھر کو اتنا ٹائم دیا۔ میں بہت شکر گزار ہوں آج ان شاء اللہ نئی ملازمہ آجائے گی تب تک میں ہینڈل کرسکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" سندان کی اطلاع پر بنا کوئی بحث کیے وہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گیا کہ کچھ ہی دیر کے بعد جب وہ حیا کو دوا کھلا کر باہر لان میں آیا اس نے زرنگار کو سیاہ چادر میں ملبوس گھر کا گیٹ پار کرتے ہوئے دیکھا تھا ایک لمحے کے لیے اس کا اندر جلا اور پھر جیسے وہ چونک اٹھا' یہ چادر اس نے کہیں دیکھی تھی اور کہاں دیکھی تھی' اسے ایک دم سے یاد آ گیا تھا۔

اس روز خدا کے گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھی سیاہ چادر میں لپٹی' نمازیوں کی جوتیاں صاف کرتی وہ عورت کوئی اور نہیں' زرنگار نصیر تھی۔

وہ زرنگار نصیر جس کی بہن کی زندگی اور عزت کو اس کی فریبی محبت کا ناگ ڈس گیا تھا' جو اس سے اپنی مری ہوئی بہن کی بربادی کا انتقام لینے کے لیے اس کی زندگی کا حصہ بنی تھی جسے صرف اور صرف اس کی ذلت اور اذیت درکار تھی اور اس کے لیے اس نے خود کو گناہ کی محفلوں کی زینت بنا لیا تھا۔ بناء اللہ کی ناراضی اور اپنے نقصان وانجام کی پروا کیے جس نے خاردار رستوں پر سفر شروع کردیا تھا جو اس کے لیے اک سزا بن گئی تھی وہی زرنگار نصیر اب مسجد کی سیڑھیوں پر اللہ کے مہمانوں کی جوتیاں صاف کررہی تھی۔

اس کے ہاتھ سے پانی کا پائپ چھوٹ گیا' تقریباً دس منٹ کے بعد ٹرانس کی کیفیت سے نکل کر اس نے گاڑی

نکالی اور اس کے پیچھے نکل پڑا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بدلی ہوئی زرنگار کا پورا دن‘ گھر کی چار دیواری سے باہر کن کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ ایک طرح سے وہ اس کی جاسوسی کررہا تھا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ اسے مل گئی۔ اسی سادہ سی سیاہ چادر میں ملبوس‘ وہ سیلاب زدگان کی عارضی پناہ گاہوں میں کھانا تقسیم کررہی تھی‘ وہاں اس کے ساتھ کچھ اور بھی لڑکیاں تھیں مگر سندان نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ اس کے لیے اجنبی تھیں۔ شاید ان سب لڑکیوں کا ایک ہی گروپ تھا جو کسی فلاحی تنظیم سے وابستہ تھا یا پھر وہ اپنے طور پر یہ سب کررہی تھیں مگر جو بھی تھا وہ سب بہت قابل ستائش تھا۔ قدرتی آفات کے شکار‘ پریشانی اور مصیبت میں گھرے ان لوگوں کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر تک چھپ کر اسٹیرنگ پر ہاتھ جمائے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا جو خود نہیں بدلی تھی بلکہ اللہ نے اسے بدل دیا تھا اور صرف اسے ہی کیا اس کی تو ساری زندگی ہی بدل گئی تھی۔

❀......❀......❀

ریان ملک نے خودکشی کرلی تھی‘ ازہان کو ای میل پر اس کی طرف سے آخری پیغام موصول ہوا تھا اور پھر جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد اس کی موت کی تصدیق بھی ہوگئی تھی‘ ازہان اور معید جس وقت کمرے سے نکل کر دوبارہ لان سے گزرے ان کی آنکھوں میں پھیلی ویرانی واضح محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ دونوں چند لمحوں کے لیے عینا اور فبیحہ کے پاس رکے تھے۔

”تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے عینا!“ ازہان نے ضبط سے لب بھینچتے ہوئے کہا تھا جبکہ اس کی آنکھوں میں فوراً نمی جھلکی تھی عینا پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا تھا۔

”کیسی خوش خبری؟“

”ریان بھائی نے خودکشی کرلی ہے تمہیں برباد کرنے والا آخر خود برباد ہوگیا۔“ اسے اطلاع دیتے ہوئے وہ خود رو پڑا تھا۔

عینا کو لگا جیسے اس کے سر پر پہاڑ گر پڑا ہو‘ کس قدر دکھ کے ساتھ بے یقین نگاہوں سے اس نے ازہان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا جو رو رہا تھا۔

”ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس نے مجھ سے کہا تھا وہ جیے گا؟“

”اس نے کہا تھا اور تم نے یقین کرلیا؟“

”تو کیا کرتی میں؟ اس نے مجھ سے سارے حق چھین لیے تھے‘ میں کیا کرتی پھر؟“ اب وہ رو رہی تھی۔ فبیحہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”چلو ازہان! ابھی بہت کام باقی ہیں۔“ اس کا رونا شاید معید سے برداشت نہیں ہوا تبھی ازہان کو کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا تو مجبوراً ازہان کو بھی اس کی تقلید میں قدم آگے بڑھانے پڑے۔ عینا کے ہاتھ بالکل برف ہورہے تھے فبیحہ اسے خود سے لگائے اندر لاؤنج میں آ گئی جہاں مرینہ بیگم کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ اگلے تقریباً اڑھائی گھنٹے میں سب شہر پہنچ چکے تھے‘ مگر ریان کی میت نہیں پہنچی تھی۔

وہ گھر جس میں اس بدنصیب انسان کے جیتے جی کوئی جگہ نہیں تھی اب اسی گھر کے در و دیوار اس کی صورت کو ترس رہے تھے مگر وہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ آسیہ بیگم بار بار بے ہوش ہورہی تھیں‘ خود اعظم ملک صاحب کا حال بھی دیکھنے لائق تھا‘ بیٹے کی معذوری کی خبر ہی ان پر قیامت بن کر گزری تھی کجا کہ وہ دنیا سے ہی چلا گیا تھا۔

زندگی کی کتاب میں ایک اور زندہ جاوید کردار نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کرلی تھیں‘ مگر یہ کہانی بھلا ختم کہاں ہوئی تھی‘ صرف ایک کردار کی موت سے بھلا ایسی کوئی کہانی ختم ہو بھی کیسے سکتی ہے؟

❀......❀......❀

ریان ملک کی تدفین پاکستان میں ہی ہوئی تھی‘ اس کی وصیت کے مطابق اسے پاکستان میں اس کے سگے رشتوں نے پوری سوگواریت کے ساتھ سپرد خاک کیا تھا۔ عینا اور عائزہ دونوں کے لبوں پر جیسے چپ کے قفل لگے تھے‘ دونوں اذیت میں تھیں یہ الگ بات کہ دونوں کے دکھ کی نوعیت مختلف تھی۔

معید کو سرکاری جاب مل گئی تھی لہٰذا تقریباً دو ہفتوں کے بعد وہ اکیلا گاؤں واپس چلا گیا تھا جس سے ازہان کی تنہائی اور درد کا احساس مزید گہرا ہوگیا۔ سارا سارا دن وہ گھر سے باہر رہتا‘ رات میں اکثر بہت لیٹ گھر واپس آتا تو کمرا بند کرکے بنا کسی سے کوئی بات کیے خود کو قید کرلیتا۔

اس گھر میں جو کچھ بھی ہوا اس میں اس کا قصور نہیں تھا مگر پھر بھی وہ سب سے نظریں چراتا پھر رہا تھا‘ شیو بھی بڑھ رہی تھی مگر اسے بھلا اپنی پروا ہی کب تھی۔ مرینہ بیگم اس کی فبیحہ میں دلچسپی کو جانتی تھیں تبھی اس روز جب فبیحہ گاؤں روانگی کے لیے پر تول رہی تھی‘ انہوں نے اس کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

”تم نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا سوچا ہے فبیحہ!“ فبیحہ کو ان سے ڈائریکٹ اس سوال کی امید نہیں تھی تبھی وہ چونکی تھی۔

”کچھ نہیں‘ میں نے خود کو اپنے اللہ کے سپرد کردیا ہے۔“

”اللہ نے عورت اور مرد دونوں کے لیے نکاح کا حکم دیا ہے کیا تم ساری زندگی ایسے ہی گزاردو گی؟“

”پتا نہیں‘ ای کی رحلت اور اپنے ساتھ ہوئے حادثے کے بعد میں نے کبھی اس ٹاپک پر سوچا ہی نہیں۔“

”دیکھو فبیحہ! میں جانتی ہوں میری وجہ سے تمہاری ماں نے بہت دکھ برداشت کیے‘ تمہارا باپ تمہاری ماں کے حق میں ایک روایتی بدترین مرد ثابت ہوا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے باپ کے کردار کو لے کر اپنے لیے اپنی زندگی کو مشکل بنالو۔ عورت چاہے جتنی بھی سمجھ دار اور بہادر ہو ایک غمگسار مرد کے بغیر اس کی زندگی ہمیشہ ادھوری رہتی ہے۔ تم اپنے ددھیال کو جانتی ہو‘ وہ لوگ کتنے ظالم ہیں جواد اور میں کتنے عرصہ زندہ رہ سکیں گے‘ معید بھی شادی کے بعد مصروف ہوجائے گا پھر کیا کرو گی؟“

”پتا نہیں میرے لیے یہ ٹاپک بہت تکلیف دہ ہے ممانی! میں اپنی ماں جیسی صابر نہیں ہوں‘ نہ دوبارہ کوئی چوٹ کھانے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔“ وہ پریشان ہوگئی تھی۔ مرینہ بیگم نے پیار سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے غلط مت سمجھنا فیجہ! جو کچھ ماضی میں میری نادانیوں کی وجہ سے ہوا میں اس پر بہت شرمندہ ہوں مگر میری جگہ کوئی بھی عورت ہوتی وہ یہی کرتی اپنے شوہر کے پیار کی تقسیم کسی عورت کو گوارا نہیں ہوتی مگر پھر بھی پلیز مجھے معاف کردو میں چاہتی ہوں تم ایک پرسکون زندگی گزارو تاکہ تمہاری ماں کی روح کو بھی قرار آئے۔"

"مجھے اپنی زندگی سے کوئی گلہ نہیں ممانی! میں خوش ہوں اپنی زندگی سے۔"

"تم ہو! مگر تمہارے ماموں تمہاری زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں ہیں' وہ جلد از جلد تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں اسی لیے انہوں نے تمہارے لیے ازہان کو پسند کیا ہے۔"

"کیا......؟"

"ہاں فیجہ! ازہان ایک سمجھدار اور بہترین لڑکا ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

"آپ تو کہیں گی کیونکہ آپ کا بھتیجا جو ہے' مگر میں اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچتی کیونکہ عینا کی زندگی میرے سامنے ہے۔ اس کا بھائی اتنا ظالم اور بے حس شخص ثابت ہوسکتا ہے تو وہ کیوں نہیں۔"

"بھائی بھائی کے مزاج میں فرق ہوتا ہے فیجہ!" فیجہ کی بدتمیزی پر بھی ضبط سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنا ٹمپریچر لوز نہیں کیا تھا۔

"ریان اور ازہان میں بہت فرق ہے۔"

"ہوگا مگر فی الحال مجھے دنیا کے کسی مرد میں دلچسپی نہیں ہے۔" عجیب بے زار کن لہجے میں کہتے ہوئے وہ فوراً ان سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ مرینہ بیگم کتنی ہی دیر تک وہیں بیٹھی جانے کن سوچوں میں کھوئی رہی تھیں۔

❁......❁......❁

ریان کی رحلت کو پورے دو ماہ ہوگئے تھے' مرینہ بیگم عینا کو اپنے ساتھ گاؤں لے گئیں کیونکہ اس کی تعلیم کا حرج ہورہا تھا جبکہ عائزہ زعیم کے ساتھ اس کے فلیٹ پر واپس آگئی تھی۔

وہ لوگ جب ملک ہاؤس سے نکلے تھے تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا زعیم راستے میں دو تین کام نپٹاتا جس وقت اپنے فلیٹ پر پہنچا' بے حد تیز موسلا دھار بارش شروع ہوچکی تھی' گاڑی سے نکل کر دروازے کا لاک کھولنے تک وہ دونوں بُری طرح بھیگ چکے تھے۔

زعیم نے جس وقت اندر داخل ہوکر لائٹس آن کیں' عائزہ کا بھیگا سراپا اسے ٹھٹکا گیا۔ بناء کسی میک اپ کے بھی اس وقت وہ اس کے اعصاب پر بجلیاں گرا رہی تھی' وہ پلٹا اور عین اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ کھلے ہوئے دروازے سے بے حد سرد ہوا کے جھونکے اندر آتے' عائزہ کو بے اختیار کپکپانے پر مجبور کررہے تھے۔ رات کی خاموشی اور بارش کی بوندوں کے شور نے اس پر جیسے طلسم سا کردیا تھا' عائزہ نے بے اختیار اس کے پہلو سے نکلنا چاہا کیونکہ اس وقت اس کی آنکھوں کے رنگ وہ بخوبی پہچان گئی تھی مگر زعیم نے اپنے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کے کندھوں پر جما کر اسے وہیں فریز کردیا تھا۔

اس کا دل اس وقت پوری شدت سے دھڑک رہا تھا جبکہ پلکوں کے ساتھ ساتھ ہونٹوں کی کپکپاہٹ بھی بڑھ گئی تھی۔ سارا ماحول جیسے جادوئی ہوگیا تھا' وہ سر و قد کھڑی تھی اور زعیم عجب بے خود سے انداز میں اسے دیکھتا جارہا تھا بلاشبہ وہ کسی سنگ تراش کے ہاتھوں کا مجسمہ لگ رہی تھی اس کے سرخ خوب صورت لب اس کے دل کو جکڑ رہے تھے۔

اگلے ہی پل اس کا بھیگا چہرہ زعیم کے ہاتھوں کے پیالے میں تھا' عائزہ نے اپنے پہلو میں اٹھتے شور سے خوف زدہ ہوکر آہستگی سے پلکیں موند لیں تبھی وہ جھکا تھا مگر...... اس سے پہلے کہ اس کے لب ان خوب صورت یاقوتی ہونٹوں پر اپنا تسلط قائم کرتے وہ ایک دم سے ہوش میں آ کر پیچھے ہٹ گیا۔

عائزہ نے بے ساختہ آنکھیں کھولی' زعیم نرمی سے اسے ایک طرف کرکے بیرونی دروازہ لاک کرنے لگا۔ دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ پلٹ کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ عائزہ کتنی ہی دیر ہکا بکا سی وہیں کھڑی اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتی رہی' بھلا اس سے بڑھ کر بھی حسن کی توہین ہوئی تھی؟

مرے مرے قدموں سے چلتی وہ ساتھ والے کمرے میں آئی' کپڑے بدلے اور وضو کرکے جائے نماز پر آ کھڑی ہوئی۔ اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہی اس کی آنکھیں بے ساختہ بھر آئی' کتنی ہی دیر وہ اپنے مالک کے سامنے سر بسجود عبادت میں کھوئی اپنے اضطراب اور بے کلی کو ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر قدرے پرسکون ہوکر قرآن پاک کھول لیا۔

اللہ نے اسے مسلمان اور اپنے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کرکے اس پر کتنا بڑا احسان کیا تھا اس وقت وہ سمجھ سکتی تھی یقیناً نماز اور قرآن پاک سے بڑھ کر کسی بھی بھٹکے ہوئے مضطرب انسان کے لیے اور کوئی تحفہ نہیں۔ نماز اور قرآن پاک سے فراغت کے بعد وہ بستر پر لیٹ گئی' اس کا دل زعیم کی سنگدلی کی وجہ سے بے حد خراب ہورہا تھا۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ لگی تھی۔ اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو فجر کی نماز کا وقت نکل چکا تھا' اسے بے حد افسوس ہوا' زعیم جلدی اٹھ جاتا تھا مگر نماز کے لیے اسے خود ہی جاگنا پڑتا تھا وہ اسے اٹھانے یا جگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تھا۔

بستر چھوڑتے وقت اس کے دل نے بے ساختہ دعا کی تھی اس کا سامنا زعیم سے نہ ہو اور اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی اس کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا شاید وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ عائزہ نے ایک لمبی سکون آمیز سانس بھری اور جلدی سے کچن میں چلی آئی۔

زعیم جس وقت فریش ہوکر کمرے سے باہر آیا وہ ناشتا تیار کرچکی تھی مگر اس نے ناشتا نہیں کیا' ماتھے پر بکھرے بالوں کے ساتھ بناء اسے خدا حافظ کہے وہ گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ شام میں اس کی واپسی جلدی ہوگئی تھی مگر وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک بے حد خوب صورت نوعمر لڑکی بھی تھی جس کی خوب صورت آنکھوں کے حسن نے اسے بے ساختہ چونک جانے پر مجبور کردیا تھا۔

وہ جو کپڑے دھو رہی تھی ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی' زعیم شاید اس کی الجھن سمجھ گیا تھا تبھی اس کے پاس رک کر بتانے لگا۔

"یہ نگہت ہے' شہزاد کی بہن' جس کا پچھلے دنوں گاؤں میں قتل ہوگیا تھا اسی کے کیس کے سلسلے میں میں اسے شہر لایا ہوں۔ اب کچھ دن تک یہ ادھر ہمارے ساتھ اسی فلیٹ میں رہے گی۔" اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا' عائزہ نو وارد کو سلام کرنے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہوگئی' زعیم جانتا تھا وہ ایسا ہی کرے گی تبھی اس لڑکی کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا خیال تھا کہ عائزہ جیسی اکھڑ مزاج لڑکی شادی کے بعد اسے بہت پریشان کرے گی مگر عائزہ کی مسلسل خاموشی نے نہ صرف اس کا خیال باطل ثابت کردیا تھا بلکہ اب وہ اسے مسلسل الجھا بھی رہی تھی۔ اسے زعیم کے کسی رویے سے کوئی گلہ نہیں تھا' الٹا اس نے بھرپور سگھڑ عورتوں کی طرح اس کا گھر سنبھال لیا تھا' وہ کھانا بھی بہت اچھا بناتی تھی۔ صفائی ستھرائی میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں تھا' وہ زعیم کو کسی چیز کے لیے چیخنے چلانے کا موقع نہیں دیتی تھی تبھی وہ الجھ رہا تھا۔

زعیم نے نگہت کے لیے اپنے بیڈ روم کے ساتھ والا کمرا سیٹ کردیا تھا' وہ خاموش رہی اس نے اسے پورا شہر گھمایا۔ کھانا بھی دونوں نے بناء اسے مطلع کیے باہر کھایا' وہ پھر بھی خاموش رہی۔ گھر آنے کے بعد وہ دیر تک اس کے کمرے میں گھسا اسے کیس سے متعلق جانے کون کون سی پٹیاں پڑھاتا رہا' وہ اس پر بھی خاموش رہی۔ اگلی صبح ناشتے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ عدالت لے گیا اور دونوں سارا دن گھر سے باہر رہے' وہ پھر بھی کچھ نہ بولی مگر اسی روز شام میں جب وہ کل کا بچا ہوا کھانا کھا کر برتن سمیٹ رہی تھی تب ہی نگہت نے اسے اتنی عجیب بات بتائی کہ اس کی خاموشی قائم نہ رہ سکی۔

زعیم کیس کی سماعت کے بعد نگہت کو فلیٹ پر چھوڑ کر اپنے کسی کام سے نکل گیا تھا تبھی وہ عائزہ کے پاس آ بیٹھی تھی جو کل کا بچا ہوا کھانا کھا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" عائزہ نے اس کے سلام پر اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"وعلیکم السلام!"

"مجھے لگتا ہے آپ کو میرا یہاں آ کر رہنا اچھا نہیں لگا

تبھی آپ مجھ سے بات نہیں کرتیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ اس کے شکوے پر حیران ہوئی۔

"تمہارے بھائی کا گھر ہے، مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟"

"میرے بھائی نہیں ہیں وہ۔" عائزہ کے الفاظ پر جتنی شدت سے برہم ہوکر اس نے کہا تھا' وہ حیران رہ گئی تھی۔

"میں بچپن سے انہیں چاہتی ہوں بے حد..... اور وہ اس بات سے بے خبر بھی نہیں ہیں' اسی لیے تو آپ کو گاؤں سے اٹھا کر ادھر شہر میں رکھا ہوا ہے تاکہ میں بھی ان کے ساتھ نہ سکوں اور کوئی اعتراض بھی نہ کرسکے' بچپن سے ان کا ہمارے گھر میں آنا جانا ہے۔ بھائی کی موت کے بعد بھی یہی ہماری ساری مدد کررہے ہیں' انہوں نے کبھی مجھے بہن کہہ کر نہیں بلایا' نہ ایسی نظر سے دیکھا میں نہیں جانتی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ شادی کیوں کی مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔" قطعی جذباتی ہوکر وہ بولتی گئی تھی اور ادھر عائزہ کے اندر سناٹے اترتے گئے تھے ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ بھلا وہ اس کے ساتھ خوش کہاں تھے؟

اسے بے ساختہ پرسوں رات کے وہ لمحے یاد آئے جب وہ اس سے قریب تھا مگر پھر ایک دم بدک کر پیچھے ہٹ گیا تھا جیسے وہ اس کے لیے نامحرم ہو۔ بھلا کیوں کیا تھا اس نے ایسا؟ کل رات کے ساتھ ہی اسے اپنی شادی کی پہلی رات یاد آئی تھی اور پھر جیسے دل کی وادی میں بہت کچھ ٹوٹتا بکھرتا چلا گیا تھا۔

ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی اگر وہ اس سے کلوز نہ ہوتا تو بھلا اپنی زندگی کی اتنی اہم رات کیوں ضائع کرتا' جس میں وہ پور پور سجی اس کا انتظار کررہی تھی مگر وہ اسے قطعی کوئی اہمیت دیئے' کسی اور کو تسلی دلاسے دے رہا تھا کسی اور کی دل جوئی کررہا تھا۔

اسے یکلخت ہی اپنے خسارے کا احساس ہوا تھا' اس کی بدنصیبی تھی کہ محبت کے امتحان میں ذلت اور بے وفائی کے بعد اب شادی نے بھی سوائے ذلت اور فریب کے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ وہ اٹھی اور اندر اپنے کمرے میں آ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑی تھی زندگی نے کتنے مشکل دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ نہ پیچھے ہٹ سکتی تھی نہ آگے ہی اسے کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

❀......❀......❀

دکھ لفظوں میں نہیں کھنکتے
کسک صرف اشکوں اور یادوں میں نہیں تیرتی
کچھ احساس ہمیشہ نظر بند رہتے ہیں
کچھ خوابوں کو کبھی پیرہن نہیں ملتا
ایسے میں بھلا
تمہاری امیر آنکھوں کو
میرے غریب جذبوں پر پڑی
"اذیت کی دھول
کیسے دکھائی دے گی؟

معید کی جاب لگ گئی تھی' صبح کا گیا وہ اب رات کو ہی گھر واپسی کی راہ لیتا تھا' مسیحائی کی دنیا میں بہت سے ینگ ڈاکٹرز کی طرح اس کی آمد چونکہ نئی نئی تھی لہٰذا کبھی کبھی رات بھی ہسپتال اور مریضوں کی نذر کردیتا کیونکہ ابھی اس کے اندر انسانیت کا درد تھا۔ ابھی بے رحمی اور بے حسی نے اسے اپنے حصار میں نہیں لیا تھا۔

عینا کے ساتھ اس کی بات چیت بہت کم ہوکر رہ گئی تھی' ریان کی موت کے بعد بہت کم وہ دونوں کہیں مل کر بیٹھے تھے' اس روز وہ یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔

سردیوں کی آمد آمد تھی لہٰذا مرینہ بیگم اور فیچہ دونوں شاپنگ کی غرض سے شہر گئی تھیں۔ دوپہر ڈھل رہی تھی' وہ تنہا کچھ دیر ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھنے کے بعد معید کے کمرے میں چلی آئی' جہاں بہترین کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا' اس کا ارادہ بھی اس وقت کسی اچھے سے ناول کے مطالعے کا تھا تبھی وہ اس کی کتابوں کی لائبریری کی طرف آ گئی تھی جہاں ایک سے بڑھ کر ایک دلچسپ ناول موجود تھے۔

وہ ایک ایک ناول کو ستائش بھری نظروں سے دیکھتی عمیرا احمد کا ناول "دربارِ دل" نکال رہی تھی جب اس کی نظر اچانک ان کتابوں کے درمیان رکھی ایک چھوٹی سی چابی پر جا پڑی۔ قطعی غیر محسوس انداز میں اس چابی کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑکا

تھا یقیناً وہ مخصوص چابی معید کی لاکر کی چابی تھی اور لاکر میں اس کی زندگی کا راز چھپا تھا' اس کی ہتھیلیاں یکلخت پسینے سے بھیگ گئیں۔ اس نے چابی سے نظر چرالی اور جلدی سے اپنا مطلوبہ ناول لے کر وہاں سے نکل آئی' وہ ایک ایمان دار لڑکی تھی کسی کی امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوسکتی تھی۔

معید اس رات گھر نہیں آیا تھا' عینا دیر تک جاگتی اس کے بارے میں سوچتی رہی اسے اب اس کے ساتھ شادی سے انکار والا اپنا فیصلہ بالکل درست لگ رہا تھا' بھلا جس دل میں پہلے ہی کوئی اور آباد تھا وہ اس دل میں اپنے لیے کیسے کوئی جگہ بناسکتی تھی؟

اگلے روز وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو فیحہ لان میں بیٹھی تھی اور اس کے چہرے سے گہرا اضطراب جھلک رہا تھا' وہ سیدھی اسی کے پاس چلی آئی۔

''السلام علیکم! یوں اکیلے اکیلے بیٹھے کیا سوچا جارہا ہے؟''

''وعلیکم السلام! کچھ نہیں' بیٹھو۔'' وہ چونکی اور پھر مسکرادی تھی عینا اس کے مقابل ٹک گئی۔

''کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں تو۔''

''مگر مجھے تو محسوس ہورہی ہے پلیز بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟''

''کچھ ایسا خاص نہیں ہے یار! تم تھکی ہوئی آئی ہو پلیز فریش ہوجاؤ۔''

''میں فریش ہوں' تم بتاؤ پلیز لڑکیوں کے مسائل ویسے بھی ہمیشہ کچھ خاص نہیں ہوتے۔''

''شاید تم صحیح کہہ رہی ہو لڑکیوں کی اکثریت کے دکھ ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''میں ہمیشہ صحیح کہتی ہوں اب بتاؤ پلیز کیا بات ہے۔'' وہ بضد تھی فیحہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

''کچھ خاص نہیں' بس وہ لڑکا مجھے بہت تنگ کررہا ہے جس سے مجھے محبت ہوئی تھی اور پھر عین نکاح کے وقت جس کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوگئی اب اس کا کہنا ہے کہ اس نے میرے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اگر میں نے اس کے ساتھ شادی نہ کی تو وہ کسی کے ساتھ بھی میری شادی نہیں ہونے دے گا؟''

''ہوں..... تم نے معید کو بتایا یہ سب؟''

''نہیں' وہ آج کل بہت مصروف ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اسے ایک نئی پریشانی میں مبتلا کروں۔''

''تو پھر تم کیا چاہتی ہو..... کیا تم اسے دوبارہ قبول کرسکتی ہو؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' میں ایک ہی شخص کے ہاتھوں باربار دھوکہ نہیں کھاسکتی۔''

''تو پھر؟''

''پھر کچھ نہیں' میں سوچ رہی ہوں اپنے گھر واپس پلٹ جاؤں' وہاں بے شک کوئی میرا اپنا نہیں ہے سب مجھ سے بے زار ہیں مگر پھر بھی میں وہاں محفوظ تو رہ سکوں گی۔ ماں سوتیلی سہی' باپ بے نیاز سہی مگر وہ لوگ میری عزت کی حفاظت تو کریں گے یہاں تو اب ہر لمحہ گھر سے نکلتے وقت یہی خوف اعصاب پر سوار رہتا ہے کہ کہیں وہ کمینہ شخص اپنی ضد میں مجھے کوئی نقصان نہ پہنچادے۔''

''ہوں..... میرے خیال سے تمہیں معید اور جواد انکل کو اعتماد میں لے کر یہ بات بتادینی چاہیے۔''

''نہیں یار! میں مزید کوئی نیا ایشو کھڑا نہیں کرنا چاہتی' بس میں نے سوچ لیا ہے میں بناء کسی کو کچھ بتائے اپنے گاؤں چلی جاؤں گی اور پھر وہاں پہنچ کر یہاں فون کردوں گی کہ مجھے اب وہیں رہنا ہے بس۔''

''مگر تمہارے اس فیصلے سے مرینہ پھپو اور جواد انکل کتنا ہرٹ ہوں گے یہ سوچا تم نے۔''

''نہیں کوئی ہرٹ نہیں ہوگا' دنیا میں جن کی ماں نہیں ہوتی وہ کسی کے لیے اہم نہیں ہوتے پلیز تم بھی ابھی یہ بات کسی سے مت کرنا۔'' عینا کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر التجا کرتی ہوئی وہ بہت شکستہ دکھائی دے رہی تھی۔

عینا نے گہری سانس بھرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور آہستہ سے اثبات میں سر ہلادیا' اسی روز عصر کی نماز کے بعد جب وہ مرینہ بیگم کے پاس بیٹھی' پالک کو باریک کاٹنے میں ان کی مدد کررہی تھی' انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

''عینا! تمہیں فیحہ کیسی لگتی ہے؟'' وہ چونکی تھی مگر پھر مسکرادی۔

''اچھی لڑکی ہے بلکہ بہت اچھی مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔''

''بس یونہی' میں سوچ رہی تھی ماشاء اللہ سے معید کی جاب لگ گئی ہے۔ فیحہ ازہان کے لیے رضامند نہیں تو کیوں ناں معید کے ساتھ ہی اس کی شادی کردوں کیونکہ تم بھی تو معید کے لیے راضی نہیں ہو۔'' انہوں نے کہا اور عینا کا چہرہ فوراً سپاٹ ہوگیا تھا۔

''پھپو وہ معید میں بھی انٹرسٹڈ نہیں ہے۔''

''ہوجائے گی' دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں بہت اچھی طرح ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہیں' مجھے اور کیا چاہیے۔''

''پھر بھی آپ کو معید اور اس سے پوچھ لینا چاہیے ایک بار۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے' معید میرا بیٹا ہے وہ میری بات کو مانتا ہے جہاں تک فیحہ کی بات ہے تو وہ بھی مان جائے گی بھلا میرے بیٹے جیسا انمول ہیرا کہاں ملے گا اسے۔''

مرینہ بیگم جتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھیں' عینا کے اندر جانے کیوں اتنی ہی بے چینی پھیلتی گئی تھی۔ وہ معید میں انٹرسٹڈ تھی' وہ اس کا صرف دوست تھا بہت اچھا دوست' پھر جانے کیوں وہ اس کی شادی کا سنتے ہی یونہی بے چین ہوجاتی تھی۔ اس وقت وہ پالک چھوڑ کر اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی' اس رات معید گھر آیا تو بہت تھکا ہوا تھا' عینا نے دیکھا کھانا کھانے کے بعد وہ لان میں واک کررہا تھا تبھی وہ بھی وہیں چلی آئی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! شکر ہے تمہارا کمرے کا چلہ پورا ہوا۔'' وہ پلٹا اور اسے دیکھ کر مسکرادیا' عینا بے اختیار ہنس پڑی۔

''ایسی کوئی بات نہیں' بس مجھے کمرے کی تنہائی اچھی لگتی ہے' تم سناؤ کیسی چل رہی ہے جاب؟''

''چل کہاں رہی ہے دوڑ رہی ہے یار! دکھی انسانیت کی مسیحائی میں جو مزہ ہے وہ کسی اور کام میں نہیں۔''

''ہوں یہ تو ہے مگر کاش تمام مسیحاؤں کے احساسات ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔''

''ہائے اوئے کاش..... یہ تم لڑکیاں کاش کاش بہت کرتی ہو زندگی میں' پتا نہیں کیوں؟'' اب وہ اس کی ناک دباتے ہوئے مسکرا رہا تھا' عینا اسے گھور کر رہ گئی۔

''کل رات گھر کیوں نہیں آئے؟''

''کیوں..... تم نے انتظار کیا تھا؟''

''جی نہیں۔''

''پتا ہے مجھے' تم جیسی چڑیل اتنا اچھا کام کر بھی نہیں سکتی۔'' وہ چڑا تھا عینا مسکرادی۔

''تمہیں پتا ہے پھپو تمہاری شادی کررہی ہیں۔''

''اچھا؟'' اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔

''ہوں اور جانتے ہو وہ بے چاری بدنصیب کون ہے؟''

''نہیں' یہ بتانے کی نیکی بھی تم ہی کرلو۔''

''فیحہ!''

''پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟'' وہ بدکا۔

''پھپو کہہ رہی ہیں' ان کا خیال ہے کہ تم اب جاب کررہے ہو تو تمہاری شادی ہوجانی چاہیے۔''

''خیال تو اچھا ہے مگر انتخاب اچھا نہیں ہے۔''

''کیوں فیحہ میں کیا کمی ہے بھلا؟''

''کوئی کمی نہیں اور تم چھوڑو اس ٹاپک کو یہ بتاؤ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔''

''اے ون۔''

''یونیورسٹی میں دل لگ جاتا ہے؟''

''ہوں' لڑکیوں کے دل کہیں بھی لگ جاتے ہیں۔''

''روتی تو نہیں ہوناں۔''

کتنے تفکر اور سنجیدگی سے وہ پوچھ رہا تھا' عینا حیرانی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔

''گڈ گرل! چلو اب دروازہ اندر سے بند کرلو میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔'' اگلے ہی پل اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے

ہوئے وہ بیرونی دروازے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ عینا اس کے پیچھے چلتی کتنی ہی دیر دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

❀......❀......❀

شام ڈھل رہی تھی مگر فیحہ یونیورسٹی سے گھر نہیں پہنچی تھی‘ مرینہ بیگم پریشان سی بار بار اس کے سیل پر ٹرائی کررہی تھیں مگر اس کا نمبر مسلسل بند جارہا تھا۔ جواد صاحب ابھی کل رات کی فلائٹ سے ملک سے باہر گئے تھے اور معید جاب پر تھا‘ تبھی انہوں نے ازہان کو فون کرکے فوراً گاؤں بلوایا تھا‘ اسی کے ساتھ مرینہ بیگم فیحہ کی یونیورسٹی پہنچی تھیں مگر وہاں پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ فیحہ یونیورسٹی نہیں آئی تھی‘ پاؤں تلے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں کوئی اس وقت ان سے پوچھتا۔ بھلا وہ یوں بغیر بتائے کہاں جاسکتی تھی‘ اوپر سے موسم بھی اتنا خراب تھا۔

پریشانی سی پریشانی تھی تاہم عینا بالکل مطمئن تھی وہ جانتی تھی کہ فیحہ اپنے گاؤں گئی ہے اور وہاں پہنچ کر لازمی وہ ان کو کال کرے گی مگر اس نے کال نہیں کی تھی۔

صبح سے دوپہر‘ دوپہر سے شام اور شام سے رات ہونے کو آئی تھی مگر اس کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا جس سے عینا کو بھی ٹینشن ہونے لگی تھی۔ فیحہ نے جو کچھ اس سے شیئر کیا تھا وہ اب مرینہ بیگم کو بتانا ضروری ہوگیا تھا کیونکہ اگر وہ اپنے گھر پہنچ گئی تھی تو اسے لازمی طور پر اپنی خیریت سے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ معید سے یہ سب وہ کل رات ہی شیئر کرچکی تھی اور اس نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ وہ فی الحال اس کی ماں کو یہ بات نہ بتائے وہ اپنے طور پر اس مسئلے کا حل تلاش کرلے گا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔

مرینہ بیگم نے عینا سے ساری بات سننے کے بعد اس کی ددھیال میں فون کیا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں تھی‘ الٹا وہ لوگ اس کے بارے میں پوچھ گچھ سے مشکوک ہوگئے تھے۔ اس کا باپ اور دادی تو باقاعدہ انہیں اور جواد صاحب کو گالیاں دے رہے تھے کہ اگر وہ ان کی بیٹی کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے تو اسے اپنے پاس رکھا کیوں؟ مرینہ بیگم نے فون رکھ دیا تھا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا مرینہ بیگم کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی‘ ملکی اور شہری حالات بھی ان سے پوشیدہ نہیں تھے۔ اوپر سے ازہان اور معید دونوں صبح سے نکلے ہوئے تھے مگر تاحال ان کی طرف سے کسی کامیابی کی نوید نہیں ملی تھی۔ عینا کی خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اگر اپنے گھر نہیں گئی تھی تو پھر بھلا کہاں جاسکتی تھی؟

❀......❀......❀

فیحہ صبح گھر سے یونیورسٹی کے لیے نکلی تھی‘ رات اسے معمولی بخار تھا مگر ذہنی کشمکش کی وجہ سے اس نے چھٹی کرنے کی بجائے یونیورسٹی جانے کو ترجیح دی تھی‘ جب تک معید کی جاب نہیں لگی تھی وہی اسے اور عینا کو یونیورسٹی چھوڑنے اور لینے جاتا تھا مگر معید کی جاب کی مصروفیت کے بعد دونوں پبلک کنوینس سے یونیورسٹی آتی جاتی تھیں۔ عینا کا ڈیپارٹمنٹ اس کے ڈیپارٹمنٹ سے الگ تھا لہٰذا دونوں کی کلاسز اور ٹائمنگ میں بھی فرق تھا‘ اس روز عینا نے چھٹی کی تھی مگر فیحہ کو پروا نہیں تھی۔

اپنی الجھن میں کھوئی وہ وین کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی تھی جب ایک کار تیزی سے اس کے قریب رکی مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر جائزہ لیتی‘ کسی نقاب پوش نے تیزی سے گاڑی سے نکل کر اس کا بازو دبوچا اور اگلے ہی پل گاڑی میں گھسیٹ لیا اور پھر وہ گاڑی تیز رفتاری سے فراٹے بھرنے لگی تھی‘ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ آس پاس کھڑے افراد کو بھی کچھ کرنے اور سمجھنے کا موقع نہ مل سکا تھا‘ خود فیحہ جب تک سمجھتی بہت دیر ہوچکی تھی۔ وہ شاید بہت دنوں سے جاسوسی کی زد میں تھی اسی لیے آج موقع ملتے ہی اس قطعی غیر متوقع بھیانک حادثے کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔

گاڑی میں گرتے ہی اسے بے ہوش کردیا گیا تھا‘ تقریباً سات گھنٹوں کے بعد وہ ہوش میں آئی تو شام ڈھل چکی تھی‘ جس کمرے میں وہ پڑی تھی وہاں مکمل اجالا تھا۔ ہوش بحال ہوتے ہی اسے اپنے ساتھ صبح ہونے والا سانحہ یاد آیا تو وہ چکراتے سر کے ساتھ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔ جانے کتنی دیر ہوگئی تھی اسے گھر سے غائب ہوئے‘ پتا نہیں لوگ اس کی گمشدگی کو کیا معنی دے رہے ہوں گے‘ اسے کہاں کہاں تلاش کیا جارہا ہوگا؟ پریشانی بڑھتی جارہی تھی اس نے بستر سے اٹھ کر لاکڈ دروازے کو پیٹنا شروع کردیا مگر باہر کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف عجیب سناٹا بکھرا تھا‘ وہ ابھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جب ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا اور اندر آنے والے شخص کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

”تم......؟“

”ہوں...... کیوں اچھا نہیں لگا مجھے دیکھ کر؟“ سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ لبوں پر دلکش مسکراہٹ پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا۔ فیحہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

”تم اتنا گر سکتے ہو‘ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“

”اس میں گرنے والی کون سی بات ہے‘ تم میری محبت ہو تمہارے لیے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ میں صرف تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں‘ بتاؤ کیا یہ غلط ہے؟“

”ہاں...... کیونکہ میں تمہاری زندگی میں شامل ہونا نہیں چاہتی۔“

”پہلے تو چاہتی تھیں۔“

”پہلے پاگل تھی اب نہیں ہوں‘ میں نفرت کرتی ہوں اب تم سے سنا تم نے؟“ وہ چلائی تو ادعیان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

”تو ٹھیک ہے جب تک تمہاری نفرت ختم نہیں ہوجاتی تم اس حویلی میں میری معزز مہمان بن کر رہوگی‘ میں بھی دیکھتا ہوں کون اپناتا ہے تمہیں میرے سوا۔“ وہ ایک ضدی اور بگڑا ہوا رئیس زادہ تھا‘ کچھ بھی کرسکتا تھا فیحہ تڑپ اٹھی۔

”نہیں‘ تم ایسا نہیں کرسکتے۔“

”کیوں...... کیوں نہیں کرسکتا‘ میں کیا مرد نہیں ہوں؟“

”ادعیان پلیز مجھ پر رحم کرو‘ میں ایسا کوئی حادثہ افورڈ نہیں کرسکتی۔“

”تو ٹھیک ہے ابھی نکاح کرلو مجھ سے آئی پرامس میں تمہیں ابھی گھر چھوڑ آؤں گا۔“ اس کے پاس ہر سوال کا جواب تھا فیحہ کو لگا جیسے اس کا دل رک جائے گا۔

”نہیں‘ تم میرے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں کرسکتے۔“

”تم کرسکتی ہو تو میں بھی کرسکتا ہوں۔“

”میں نے نہیں کی۔“

”تم نے کی ہے۔“ فیحہ کے چلانے پر وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

”زندگی برباد کرکے رکھ دی تم نے میری اور تم کہتی ہو تم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ صرف تمہارے لیے میں اپنے باپ سے لڑا‘ اپنی بیوی اور بچوں سے کنارہ کشی کی‘ اپنی ماں کا دل دکھایا اور تم‘ تم ایک چھوٹی سی بات پر مجھے ہی چھوڑ گئیں۔ میں...... جس سے تمہارے سب خواب وابستہ تھے جسے تم پاگلوں کی طرح چاہتی تھیں۔“ وہ جذباتی ہوگیا تھا‘ فیحہ کے آنسوؤں کی روانی میں شدت آگئی۔

”بھول تھی وہ میری‘ زندگی کی سب سے بڑی خطا تھی۔“

”خطا تھی تو اس خطا کی سزا بھی بھگتو۔“ وہ ہرٹ ہوا تھا تبھی خفگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فیحہ اس کے پیچھے لپکی مگر وہ بنا پروا کیے کمرے سے چلا گیا تھا‘ بے بسی سی بے بسی تھی۔

پورا کمرا صاف شفاف اور لاکڈ تھا‘ کہیں کوئی جائے فرار نہیں تھی۔ اسے اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رونا آرہا تھا‘ آنے والی رات ساری عمر کے لیے اس کی پاکیزگی پر دھبہ لگانے والی تھی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ ساری دنیا کے سامنے گناہ گار ہونے جارہی تھی۔ پاک دامن ہوتے ہوئے بھی اس کا دامن داغدار ہونے جارہا تھا۔

ساری رات بیڈ کی پٹی سے سر مارتے ہوئے وہ روتی رہی تھی مگر وہاں کوئی اس کا احساس کرنے نہیں آیا تھا۔ صبح ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی جب پیشانی سے بہنے والے خون اور نقاہت کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد اس کمرے کے دروازے پر قدموں کی چاپ ابھری تھی اور اگلے ہی پل کوئی ہلکے سے دروازہ پش کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

❀......❀......❀

ازہان کی طبیعت خراب تھی‘ اس کا بخار کسی طور نہیں ٹوٹ رہا تھا۔ معید نے اسے ایڈمٹ کرلیا۔ فیحہ کی گمشدگی کو دوسرا دن تھا اور ان دو دنوں میں اس نے اور ازہان نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی تھی جہاں اسے تلاش نہ کیا ہو۔

ریان ملک کی وفات کے بعد وہ دوسرا سانحہ تھا جس نے انہیں اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ فنیحہ کی گمشدگی کسی طور سمجھ میں نہیں آرہی تھی‘ جانے وہ خود کہیں گئی تھی یا اس کے ددھیال والوں نے اسے کہیں چھپا دیا تھا۔ عینا نے اسے جو بات بتائی تھی اس کے مطابق اسے اس کے ددھیال پر ہی شک ہورہا تھا‘ تبھی وہ اور جواد صاحب ان پر ایف آئی آر درج کروانے کا سوچ رہے تھے۔

ازہان کے لبوں پر مستقل چپ کا قفل تھا‘ پچھلے دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ شیو کی تھی نہ ہی کپڑے تبدیل کیے تھے‘ معید اس کے دکھ اور اذیت کا اندازہ کرسکتا تھا مگر وہ فنیحہ کے ساتھ کتنا سنجیدہ اور فیئر تھا اس کا اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل تھا۔

❋ ❋ ❋

فنیحہ کی آنکھ کھلی تو اس کا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا‘ وہ کمبل میں تھی اور ادعیان اس کے قریب بیٹھا اس کی نبض چیک کررہا تھا۔ اس کی آنکھیں آپ ہی آپ آنسوؤں سے بھر آئیں‘ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچتے ہوئے اس نے رخ پھیر لیا تھا۔

"گڈ مارننگ! اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان نہایت سازگار تعلقات استوار ہیں فنیحہ خاموش رہی۔

"تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا اوپر سے اپنی حرکتیں دیکھو‘ کیا ہوگیا ہے تمہیں‘ تم ایسی تو نہیں تھیں فنیحہ!" اس بار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے شکوہ کیا تو فنیحہ کے اندر جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا۔

"دور رہو مجھ سے‘ خبردار جو تم نے دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش کی۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں کیونکہ تم ایک دھوکے باز فریبی انسان ہو‘ چیٹ کیا تم نے میرے ساتھ۔ بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے مجھے بے وقوف بنایا‘ محبت کا سوانگ رچایا‘ میں مر بھی جاؤں تب بھی کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"مت کرنا مگر میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ میری پسند نہیں صرف ابو کی وجہ سے‘ جائیداد بچانے کی خاطر میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی‘ خدا کا واسطہ ہے تمہیں‘ مجھے آزاد کردو پلیز۔" بالآخر اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے‘ ادعیان نے نظر پھیر لی۔

"بھول جاؤ آزادی کو‘ جب تک تمہارا دل میرے حق میں نہیں ہوجاتا‘ دنیا تم پر حرام ہے۔"

"میں مر جاؤں گی مگر میرا دل تمہارے حق میں کبھی نہیں ہوگا۔"

"تو ٹھیک ہے‘ مر جاؤ پھر......" اس بار سنگدلی سے کہتا وہ پھر اسے اکیلا چھوڑ گیا تھا‘ فنیحہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک دن گزرتے گئے مگر ادعیان کو اس پر ترس آیا نہ اس نے اپنی ضد چھوڑی‘ مسلسل روتے رہنے اور پانی کے سوا کچھ نہ کھانے کی وجہ سے اس کی طبیعت خاصی بگڑ گئی تھی۔ ادعیان نے اپنے قابل بھروسہ ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروایا مگر اس کی طبیعت اتنی بگڑ چکی تھی کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر مجبوراً فنیحہ کو ہسپتال ایڈمٹ کروانا پڑا تھا۔

اس نے یہ ہوشیاری دکھائی تھی کہ فنیحہ کے گاؤں کے پاس پاس کسی بھی شہر کے ہسپتال سے رجوع نہیں کیا تھا مگر پھر بھی وہ ہوگیا تھا جس کا اسے ڈر تھا۔ جس ہسپتال میں اس نے فنیحہ کو ایڈمٹ کروایا تھا اسی ہسپتال میں اتفاق سے معید کے بہت قریبی دوست کی ڈیوٹی تھی اور وہ فنیحہ کو بہت اچھی طرح سے جانتا تھا‘ تبھی اس کا حال دیکھ کر اسے ڈرپ وغیرہ لگانے کے بعد اس نے فوری معید کو کال کی تھی اور اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں نہایت ریش ڈرائیو کے ساتھ وہ اور ازہان متعلقہ ہسپتال پہنچ چکے تھے۔

فنیحہ کے ساتھ ادعیان کو دیکھ کر معید کو جہاں بے حد حیرانی ہوئی تھی وہیں اس کا فشار خون بھی رگوں میں ٹھوکر مارنے لگا تھا۔ غصے سے بے حال ہوتے ہوئے اس نے لپک کر ادعیان علی کا گریبان پکڑا اور اسے مارنا شروع کردیا تھا‘ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہلچل مچ گئی تھی۔

ازہان کو کچھ پتا نہیں تھا کہ معید ادعیان کو کیوں مار رہا ہے یا اس کا فنیحہ سے کیا واسطہ ہے تبھی وہ اسے روکنے کی کوشش کررہا

تھا‘ فقط چند لمحوں میں اچھے خاصے لوگ وہاں جمع ہوگئے تھے‘ خود ادعیان اتنی بے عزتی پر خاصا غضب ناک ہوگیا تھا۔ معید کے دوست نے بڑی مشکل سے ان دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

ادعیان کے مطابق فنیحہ اس کی یونیورسٹی فیلو تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے شادی کرنا بھی چاہتے تھے مگر معید جانتا تھا کہ یہ بکواس ہے کیونکہ فنیحہ کو وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ ادعیان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی کجا کہ اس کے ساتھ شادی کرنا‘ اسے سو فیصد یقین تھا کہ لازمی طور پر اس نے ہی فنیحہ کو اغواء کیا تھا‘ جس کی تصدیق خود فنیحہ نے ہوش میں آتے ہی کردی تھی۔

معید کو دیکھتے ہی وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی جبکہ سائیڈ پر کھڑے ازہان کا دل جیسے مزید سنسان ہوگیا تھا۔ معید کی طرف سے ادعیان پر اغواء کا مقدمہ درج ہوا مگر وہ اگلے ہی روز اپنے پیسے کے بل پر ایف آئی آر ختم کروا کر ملک سے باہر فرار ہوگیا۔

فنیحہ گھر آئی تو جیسے ایک طوفان اس کا منتظر تھا‘ اس کے سارے ددھیالی رشتہ دار اس کی بازیابی کی خبر سنتے ہی جواد صاحب کے گھر جمع ہوگئے تھے۔ وہ اتنے سارے لوگوں کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئی‘ پورے تیرہ دن کے بعد اسے آزادی نصیب ہوئی تھی مگر ان تیرہ دنوں میں اس کے پیچھے کیا قیامت آگئی تھی اسے قطعی علم نہیں تھا۔

پورا گاؤں اس کی گمشدگی پر اس کے بارے میں ایسی ایسی شرمناک باتیں کررہا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹتے تھے‘ خود اس کے ددھیال والوں کی رائے اس کے حق میں اچھی نہیں تھی تبھی اس کی دادی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"لو بھئی آگئی گناہ کی پوٹ خود ہی گھر چل کر‘ ارے میں پوچھتی ہوں اب کون قبول کرے گا اسے؟ کس کے ساتھ بیاہ کرا کے اپنے ہاتھ صاف کرو گے۔ پہلے تو جوان بھانجی کو بٹھائے رکھا کہ چلو بیٹے کا دل بہلتا رہے گا اب کہو بیٹے سے کہ قبول کرلے اسے نہیں تو دو ٹکڑے کرکے کسی گڑھے میں دبا دے۔ توبہ توبہ ہم نے تو ایسی بے حیائی نہ کبھی دیکھی نہ سنی۔"

لفظ سر پہ آسمان کیسے گراتے ہیں فنیحہ کو اس لمحے پتا چلا تھا‘ وہ نڈھال سی ساکت آنکھوں سے اپنی سگی دادی کو دیکھتی رہ گئی‘ تبھی معید بولا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کریں دادی! فنیحہ میرے لیے بہنوں کی طرح ہے۔"

"بس رہنے دو‘ بہن کہنے سے کوئی بہن نہیں بن جاتی‘ ہم کیا اندھے ہیں جو کچھ جان نہیں سکیں گے۔ ارے تمہارے لیے ادھر رہتی ہے یہ ورنہ ددھیال مر نہیں گیا تھا‘ نامراد سگے باپ کو چھوڑ کر آگئی تھی میں نے تو اسی دن کہہ دیا تھا اس کے باپ سے کہ بیٹی کے چال چلن ٹھیک نہیں مگر اسے میری بات سمجھ میں نہیں آئی اب دیکھ لیا ناں انجام‘ بڑا آیا بھائی بننے والا‘ بے غیرت......"

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں‘ تم لوگوں میں غیرت ہوتی تو یہ یوں غیر مردوں کے ساتھ راتیں گزار کر بے شرمی سے گھر واپس آتی؟ ارے چھلانگ لگا دیتی کسی نہر میں مگر واپس نہ آتی‘ حرافہ کہیں کی۔" یہ ارشاد اس کی سوتیلی ماں کا تھا‘ فنیحہ کو لگا جیسے وہ پتھر ہوگئی ہو اور شاید یہی حال باقی سب کا تھا۔

"میرا بس چلے تو ابھی گڑھا کھود کے دفن کردوں اسے۔ ایسی بے غیرت بیٹی سے میں بے اولاد اچھا۔" اس کا باپ سنگ باری میں کیوں پیچھے رہتا؟ وہ ساکت کھڑی لہو رنگ نگاہوں سے سب کو دیکھتی رہی۔

جواد صاحب کے کندھے جھک گئے تھے‘ مرینہ بیگم اور عینا یوں کھڑی تھیں گویا کاٹو تو جسم میں خون نہیں۔ شہر سے آسیہ بیگم‘ شگفتہ بیگم اور اعظم صاحب بھی آئے ہوئے تھے فنیحہ کا حال کسی سے بھی پوشیدہ نہیں تھا مگر جو کچھ ہوچکا تھا وہ لوگ اس پر سوائے افسوس کے اور کیا کرسکتے تھے؟

مارنے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا تھا مگر بولنے کی زبان نہیں اور پھر صورت حال ہی ایسی تھی کہ سب لوگ حق پر لگ رہے تھے۔ فنیحہ کو لگا وہ کسی بھی پل چکرا کر گر جائے گی۔

"چلو بھئی ہم پر تو آج سے اس گھر کا کھانا پینا حرام...... نامراد بیٹیوں کے جسم بیچ کر کمائی کرتے ہیں اور الزام ہم پر‘ ہمارے گھر میں ہوتی تو ٹانگیں توڑ دیتے۔ ایسی بے حیائی

سے پہلے دیکھ لی تمہاری تربیت اور شرافت میاں! بہت اچھی تعلیم دلوار ہے ہو بھانجی کو اپنی بیٹی ہوتی تو میں دیکھتی کیسے اس کا یوں سودا کرتے تم۔ ذرا سی شرم ہو تو ڈوب مرو پانی میں سارا گاؤں تھو تھو کررہا ہے اب بلاؤ اسی لونڈے کو اور پڑھا دو دو بول اور نہیں کوئی قبول کرنے والا۔" ایک طرف کھڑے جواد صاحب کو دیکھتے ہوئے فیحہ کی دادی نے پھر لفظوں کی جگہ نشتر چلائے تھے تبھی ازہان بولا تھا۔

"میں قبول کروں گا کیونکہ میرا دل اس کی پاکیزگی کی گواہی دیتا ہے آپ بلائیں کسی مولوی کو میں نکاح کے لیے تیار ہوں۔" اتنے لوگوں میں خاموش کھڑے ازہان کی آواز یوں گونجی تھی جیسے صور پھونک دیا گیا ہو۔ دادی سمیت اس وقت سب نے اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو خود فیحہ کی آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔

"ازہان...... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" اعظم ملک صاحب کو اس کی قربانی پسند نہیں آئی تھی' کچھ اپنی ساکھ کا بھی خیال تھا تبھی وہ چپ نہیں رہ سکے تھے مگر ازہان کو ان کی پروا نہیں تھی' وہ اس وقت کسی کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں فیحہ سے شادی کررہا ہوں ابو! کیونکہ میری نظر میں وہ گناہ گار نہیں ہے۔"

"وہ گناہ گار ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ وقت کرے گا مگر تم ابھی شادی کے حوالے سے کوئی جذباتی فیصلہ مت کرو۔"

"یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے ابو! میں نے بہت سوچ سمجھ کر دل کی پوری رضامندی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے پلیز اگر آپ حوصلہ افزائی نہیں کرسکتے تو حوصلہ شکنی بھی مت کیجیے گا۔ معید تم مولوی صاحب کو بلاؤ پلیز۔" آف وائٹ کاٹن کے سوٹ میں بکھرا بکھرا سا وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا' فیحہ پتھر کی مورت بنی اسے دیکھتی رہی۔

اگلے دو گھنٹوں نے اس کی پہچان بدل کر رکھ دی' وہ فیحہ علی سے فیحہ ازہان ہوچکی تھی' طوفان آیا تھا اور تھم گیا تھا۔ اس کے ددھیال کے لوگ خاموش ہوکر واپس جاچکے تھے اور جواد صاحب نے خود کو کمرے میں بند کرلیا' جو کچھ آج فیحہ کی وجہ سے انہیں سننے کو ملا تھا ان کا بس نہ چلتا تھا کہ زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتے۔

مرینہ بیگم اور عینا کی چپ ہنوز برقرار تھی' پورے تیرہ روز کے بعد فیحہ کی واپسی بہت سے سوال ساتھ لیکر آئی تھی کہ جن کے جواب ان دونوں کے پاس نہیں تھے۔ خود معید بھی اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا' بس بڑے بھائیوں کی طرح اس نے اس کے نکاح کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد اسے اپنے ساتھ لگا کر رخصت کردیا تھا مگر یہ رخصتی وہ رخصتی نہیں تھی جو لڑکیاں دلہن کے دل کش روپ میں اپنے بابل کے گھر سے جدا ہوکر لیتی ہیں بلکہ یہ رخصتی ایسی رخصتی تھی جیسے کوئی لاش ایمبولینس میں ڈال کر منزل مقصود تک پہنچادی جائے۔ سب چپ تھے کسی نے نکاح کے بعد ازہان سے اک لفظ بھی نہیں کہا تھا مگر وہ جانتی تھی کوئی بھی اس نکاح سے خوش نہیں تھا۔

وہ کسی پہاڑ سے نہیں نظروں سے گری تھی پھر بھلا اسے معاف کیسے کیا جاسکتا تھا۔

❀......❀......❀

بارش ہورہی تھی' عائزہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کردی' زعیم نگہت کے ساتھ گاؤں گیا ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر کھڑکی میں کھڑی اس کی واپسی کی راہ دیکھتی رہی' جانے کیا بات تھی جتنا وہ اس سے بے نیازی برت رہا تھا' اس کا دل اتنا ہی اس کے بارے میں حساس ہوتا جارہا تھا۔

اسے اس کا نگہت کو اہمیت دینا' اس کے ساتھ گھومنا پھرنا' لڈو کھیلنا' کیس ڈسکس کرنا' کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر عجیب بے بسی تھی کہ وہ نہ اس پر اپنا دکھ ظاہر کرسکتی تھی نہ اس سے اس کے اس ظلم اور بے نیازی کا گلہ کرسکتی تھی اور دل نے جو بے ایمانی نکاح کے بعد اس کے ساتھ کی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ دل کو اس بے ایمانی کے لیے کیا سزا دے؟

بارش کا زور بڑھتا جارہا تھا وہ کھڑکی کے پٹ بند کرکے اپنے بیڈ کی طرف واپس چلی آئی۔ ابھی تھوڑی دیر میں دن کا اجالا بکھرنے والا تھا' پوری رات زعیم کے انتظار میں آنکھوں میں کٹ گئی تھی' صبح نماز اور قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوکے وہ سوگئی۔

دن کے تقریباً بارہ بج رہے تھے جب اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تھی زعیم گاؤں سے واپس آگیا تھا اور اب اپنے کمرے میں مزے سے سو رہا تھا' وہ ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد واپس پلٹ گئی تھی۔

عصر کی نماز کے بعد اس نے شام کے کھانے کی تیاری شروع کردی تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ عائزہ نے آج تک بنا زعیم کی اجازت کے دروازہ نہیں کھولا تھا' تبھی دستک کی آواز سن کر وہ دروازے تک آئی' باہر زعیم کا کوئی دوست تھا جسے زعیم سے کام تھا۔ وہ اسے انتظار کا کہہ کے خود زعیم کو جگانے چلی آئی۔

"زعیم!" دروازے میں کھڑے ہوکر اس نے اسے پکارا تھا' مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"زعیم باہر دروازے پر آپ کے دوست ہیں آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اس بار ذرا آگے آکر اس نے بلند آواز میں اطلاع دی تھی تبھی زعیم نے کسمسا کر مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"انہیں کہہ دو میں صبح خود ملتا ہوں ان سے۔" آواز اتنی مدھم تھی کہ اس کے کچھ پلے نہ پڑا' وہ بے اختیار جھنجلائی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"انہیں کہو میں خود کل ملوں گا ان سے۔" اس بار اس نے بمشکل آواز بلند کی' وہ اثبات میں سر ہلاتی واپس پلٹ گئی۔

دروازے پر جاکر اس نے زعیم کا پیغام اس کے دوست کو دیا پھر کچن میں گھس گئی' سبزی بن گئی تھی اس نے سالن پکانا شروع کردیا۔ سالن تیار ہوا تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا' اس نے نماز پڑھی پھر آٹا گوندھا' عشاء کے قریب کچھ تسبیحات مکمل کرکے روٹی ڈالی۔ زعیم تب تک سو یا رہا' اسے بھوک لگ رہی تھی مگر زعیم کے بغیر پہلے ہی خود کھا لینا مناسب نہیں لگ رہا تھا تبھی ٹیلی وژن لگا کر بیٹھ گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا تو عشاء کی نماز بھی پڑھ لی۔ تاہم زعیم تاحال کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔

عائزہ کو اسے خود سے جگانا مناسب نہیں لگ رہا تھا تبھی وہ یونہی بیٹھی رہی تھی مگر کب تک؟ باہر بارش پھر شروع ہوگئی تھی تبھی مجبوراً اسے اٹھ کر کمرے میں آنا پڑا۔

رات ہونے والی شدید بارش کی وجہ سے موسم بے حد سرد ہورہا تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کیں' پھر اس کے بستر کی طرف چلی آئی جہاں وہ کمبل میں دبکا بے سدھ پڑا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ عصر کے وقت دیکھ کر گئی تھی۔

"زعیم!" ذرا سا جھک کر اس نے اسے آواز دی تھی مگر وہاں گہرا سکوت تھا' عائزہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کمبل ہٹادیا۔

"زعیم پلیز اٹھیں' بہت وقت ہوگیا ہے۔" اب کے تھوڑا اور قریب جھکتے ہوئے اس نے اسے پکارا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا' اس کا چہرہ بے حد سرخ ہورہا تھا جبکہ لب بالکل خشک تھے' سانس بھی نارمل نہیں آرہی تھی عائزہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"زعیم آپ ٹھیک ہیں۔" اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس نے اس کا ماتھا چھوا تھا اور جیسے تڑپ اٹھی تھی' وہ کسی دہکتے انگارے کی مانند جل رہا تھا عائزہ کی جان پر بن گئی۔

اس کے پاس نہ سیل فون تھا نہ وہ قرب و جوار میں کسی کو جانتی تھی جو مدد کے لیے بلا لاتی۔ اوپر سے بارش پھر تیز ہوگئی تھی۔ سردی کی شدت تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ بخار کی شدت ہی اتنی تھی کہ زعیم جیسا مضبوط طاقت ور مرد بھی نڈھال ہوکر رہ گیا تھا تبھی اسے یاد آیا کہ اگر کسی کو بہت تیز بخار ہو تو اسے ٹھنڈی پانی کی پٹیاں کی جاتی ہیں تاکہ بخار کا زور ٹوٹ جائے۔ اسی سوچ کے زیر اثر وہ باؤل میں فریج سے ٹھنڈا پانی بھر لائی تھی' زعیم کے اوپر سے کمبل ہٹا کر اس نے پہلے اس کی کشادہ پیشانی پر اپنا دوپٹہ بھگو کر رکھا' پھر تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوؤں پر دوپٹہ گیلا کرکے پھیرنے لگی۔

زعیم کا جسم آگ بنا ہوا تھا مگر پھر بھی اسے سردی محسوس ہورہی تھی۔ عائزہ ساتھ ہی ساتھ دعائیں اور قرآنی آیات بھی پڑھتی جارہی تھی۔

زعیم اس کی قربت پاکر ذرا سا کسمسایا تھا اور اب پانی مانگ رہا تھا' وہ جلدی سے اٹھی اور گلاس میں پانی ڈال لائی

اس نے اکثر شگفتہ بیگم اور آسیہ بیگم کو دیکھا تھا کہ گھر میں اگر کسی کو بخار ہوجاتا تو وہ پانی پر اکیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر انہیں پلاتی تھیں اور چند بخار سے متعلق دعائیں پڑھ کر دم کرتی تھیں اور وہ لوگ کسی ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی بھلے چنگے ہوجاتے تھے۔

اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا' بسم اللہ شریف کی ایک تسبیح کے ساتھ اس نے اکیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر پانی پر دم کیا اور پانی زعیم کے ہونٹوں سے لگادیا۔ نقاہت کی وجہ سے زعیم کے لیے خود سے اٹھ کر بیٹھنا مشکل ہورہا تھا تب اس نے اسے اپنی کمزور بانہوں کا سہارا دے کر بٹھایا اور پھر پانی پلانے کے بعد اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ زعیم نے اس کے سرد ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے' قطعی بے خودی کی کیفیت میں وہ اس کے سرد ہاتھوں کو کبھی لسپنے جلتے ہوئے گالوں پر رکھتا' کبھی آنکھوں پر' کبھی ہونٹوں پر' کبھی سینے پر...... عائزہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس پر مختلف قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے بخار کا زور ٹوٹ گیا تھا' تاہم عائزہ کے ہاتھ اب بھی اس کے گرم ہاتھوں کی گرفت میں تھے اور اس کا سر اب بھی عائزہ کی گود میں تھا۔ قرآنی آیات پڑھتے پڑھتے کب زعیم کے ساتھ اس کی بھی آنکھ لگ گئی' اسے پتا ہی نہ چلا۔ صبح تقریباً آٹھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو وہ زعیم کے کمبل میں دبکی مزے سے سو رہی تھی' جبکہ وہ خود کمرے میں نہیں تھا عائزہ حیران سی اٹھ بیٹھی۔

اگلے دس منٹ کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تو زعیم کچن میں تھا' وہ اسے ناشتا تیار کرتے دیکھ کر ٹھٹک گئی' خود زعیم نے بھی اس کے قدموں کی آہٹ پر اسے پلٹ کر دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

"یہ کیا کررہے ہیں' آپ آرام کریں میں ناشتا بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں ناشتا بنا چکا ہوں۔" رات بے خودی میں وہ جتنی شدت دکھا رہا تھا اس وقت اس کے لہجے میں اتنی ہی بیگانگی تھی۔ عائزہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ رات سے بھوکی تھی مگر اس کی بھوک اور تکلیف بھلا کیا معنی رکھتی تھی۔

"شکریہ' رات جتنا آپ نے میرا خیال رکھا اور تیمارداری کی۔" وہ پلٹ رہی تھی جب اس نے کہا تو عائزہ کے اندر جیسے گہرا اضطراب بکھر گیا اس شخص کو اس کے احساسات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔

شام میں اس کا بخار ابھی مکمل نہیں اترا تھا کہ اس نے اسے شکار پر جانے کی نوید سنادی حالانکہ ابھی نقاہت باقی تھی مگر اسے پروا ہی کہاں تھی' وہ تیار ہورہا تھا جب عائزہ اس کے پاس چلی آئی۔

"میں گاؤں جانا چاہتی ہوں کچھ دنوں کے لیے پلیز آپ جاتے ہوئے مجھے گاؤں چھوڑ دیجیے گا۔" وہ چونکا اور گن صاف کرتے ہوئے اس نے بے ساختہ پیچھے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا......؟"

"جی ہاں' میں گاؤں میں رہنا چاہتی ہوں کیونکہ یہاں شہر میں آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔"

"سوری' فی الحال یہ ممکن نہیں ہے جب تک شہزاد کا کیس کسی طرف نہیں لگ جاتا۔"

"شہزاد کا کیس میرا مسئلہ نہیں ہے۔" بنا اس کی حیرانی کی پروا کیے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی اور واپس پلٹ گئی تھی' زعیم اس کی آنکھوں میں سرد سے تاثر کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁

برف کے لہجے میں نہ صداؤں میں
برف ہونٹوں پر نہ دعاؤں میں
برف موسم میں نہ ہواؤں میں
برف جھرنوں میں نہ فضاؤں میں
برف سے گر توبات میں میری
بھیگے ہر دن' ہر رات میں میری
میرے آنسو"برف کے آنسو" ہیں
برف بکھری ہے ذات میں میری

سرد احساس پر جمی ہے برف
میری آنکھوں میں بیٹی ہے برف
دیکھنے والے مجھ کو غور سے دیکھو
میرے لفظوں میں آ تھمی ہے برف

سندان حسن نے اپنی خودداری کا بھرم رکھنے کے لیے نئی ملازمہ رکھ لی تھی مگر زرنگار کو پروا نہیں تھی وہ تو جیسے ساری دنیا سے ہی غافل ہو کر رہ گئی تھی۔

کہاں اس کا وجود جو نازیبا کپڑوں میں' محفلوں میں سب کے لطف کا سامان بنتا تھا' اب ہمہ وقت سیاہ چادر میں لپٹا رہتا۔ وہ چہرہ جس پر وہ پارلروں میں ہزاروں روپے خرچ کر کے خوب صورتی اور چمک لاتی تھی اب بناء کسی خرچ کے اس چہرے پر ایسی تازگی اور نور دیکھنے کو ملتا تھا کہ خود سندان کی آنکھیں ٹھٹک کر رہ جاتی تھی۔

وہ نہایت خوش طبع ہوا کرتی تھی' ٹیلی وژن دیکھنا' ملنا ملانا' شاپنگ کرنا' گھومنا پھرنا سب چھوڑ دیا تھا اس نے اب یا تو وہ گھریلو کاموں میں مصروف نظر آتی تھی نہیں تو خود کو اپنے کمرے میں بند کیے بس قرآن پاک سامنے رکھے پڑھتی رہتی اور روتی رہتی۔

سندان کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ وہ ہر دوسرے تیسرے دن روزے سے ہوتی تھی' عرصہ ہوا اس نے سب کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا چھوڑ دیا تھا۔ فرصت کے لمحات میں وہ اپنی بیٹی اور دونوں جڑواں بیٹوں کو اسلام کی ہسٹری اور دینی واقعات سناتی رہتی' انہیں روزمرہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی دعائیں یاد کرواتی رہتی اس طرح وہ ان کی اخلاقی تربیت کر رہی تھی وہ تربیت جو ماہانہ ہزاروں روپے لے کر بڑے بڑے ادارے بھی نہیں کر پاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تینوں بچے اب اس کے آگے پیچھے گھومتے دکھائی دیتے تھے' روز وہ انہیں کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی سے متعلق کچھ بتا رہی ہوتی تو کبھی حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہر بار اس کا اندازِ سخن اتنا دلچسپ ہوتا تھا کہ بچے اگلی رات کا بے چینی سے انتظار کرتے رہتے۔

انہیں کسی ٹام جیری' کسی سنڈریلا' کسی شہزادے یا پری کی کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دلچسپی تھی تو اس بات سے کہ جانے آج ان کی ماں' کس صحابی' کس نبی' کس اللہ کے برگزیدہ بندے کی زندگی کے خوب صورت واقعات انہیں بتائیں گی۔

میٹھے میٹھے پیارے نام والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قریبی رشتوں' ساتھیوں' ان کی پسند ناپسند' ان کے حالات' مشکلات' خاندان' قبائل' جنگوں کا بتائیں گی۔ انہیں ان ساری باتوں سے روشناس کروائیں گی کہ جو فی الحال ان کی درسی کتب اور استاد انہیں نہیں بتا سکے تھے۔

یہ زرنگار ہی تھی جس کی بتائی ہوئی دلچسپ معلومات نے انہیں قرآن پڑھنے اور اسے صحیح ترجمہ کے ساتھ سمجھنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ وہ جو بھی انہیں سناتی تھی ساتھ میں یہ ضرور بتاتی تھی کہ اللہ نے اس واقعے کا ذکر فلاں سورۃ میں کیا ہے آپ لوگ جب یہ سورۃ پڑھیں گے تو لازمی طور پر اس واقعے کا سارا پس منظر آپ کے سامنے آ جائے گا۔

اسی جاننے کے تجسس نے انہیں آگے سے آگے پڑھنے پر اکسایا تھا' اللہ اور اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سیکھنے اور سمجھنے پر مجبور کیا تھا۔ یہی چیز تھی جس نے ان معصوم پھولوں کے ذہنوں کو کسی بھی برائی کا زنگ لگنے سے محفوظ رکھا تھا۔

وہ لوگ کہیں جا کر بھی نہ کوئی غلط حرکت کرتے تھے' نہ گالی گلوچ نہ شرارت نہ ٹیلی وژن دیکھنے کی خواہش' الٹا سندان اگر کچھ غلط کہہ بیٹھتا تو وہ فوراً اسے سمجھانے بیٹھ جاتے کہ بابا یہ غلط ہے' پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ ایسے نہیں کرتے تھے اور وہ شرمندہ ہو کر رہ جاتا' وہ بچے ہی تھے جن سے اسے گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کرنے کی عادت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا۔

جس عورت نے اس کی زندگی کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اب اسی عورت کو اللہ رب العزت نے اس کے لیے زادہ راہ بنا دیا تھا' وہ اندر ہی اندر کمزور پڑتا چلا گیا جو ملازمہ اس نے رکھی تھی فقط چند دنوں میں ہی اس نے اسے

عاجز کر کے رکھ دیا تھا' صرف تنخواہ کے لالچ میں وہ کوئی بھی کام سلیقے سے نہ کر پاتی تھی۔ اوپر سے ایک نمبر کی چور تھی' فقط چند روز میں موقع کا فائدہ اٹھا کر وہ کتنی ہی چیزوں پر ہاتھ صاف کر چکی تھی۔ سندان کو مجبوراً اسے فارغ کرنا پڑا کیونکہ زرنگار کے ہاتھ کا ذائقہ چکھنے کے بعد اب کسی اور کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اسے پسند نہیں آ رہا تھا۔

وہ ابھی عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تھی جب وہ تھکا تھکا سا آفس سے سیدھا اسی کے کمرے میں چلا آیا' مکمل بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس بکھرے بکھرے سے سراپے کے باوجود وہ بے حد جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا' زرنگار کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی وہ جائے نماز سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" توجہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا' زرنگار جائے نماز رکھ کر ایک لفافہ اٹھا لائی۔

"یہ لیں' یہ آپ کے پیسے ہیں' میں نے واپس کرنے کے وعدے پر لیے تھے۔"

اتنی خودداری اور وعدے کی پاسداری...... وہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

"ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے واپس لینے کی نیت سے نہیں دیئے تھے' ویسے بھی جہاں وہ پیسے خرچ ہوئے ہوں گے یقیناً کوئی اچھا کام ہوگا' تھوڑا ثواب کا حق دار مجھے بھی بن جانے دو۔" جس طرح سے وہ زرنگار کو دیکھ رہا تھا وہ زیادہ دیر تک اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی۔

"اچھی بات ہے مگر میں نے نہایت مجبوری کے تحت وہ پیسے مانگے تھے۔"

"ہوں میں جانتا ہوں' تم اب اپنی ضرورت کے لیے نہیں مانگتی' مگر کیا میں اتنی بڑی تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اب وہ بھی اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیسی تبدیلی؟"

"یہی شر سے خیر کی طرف جو تم پلٹی ہو' اسی تبدیلی کی بات کر رہا ہوں میں۔"

"میں نہیں جانتی' مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میں صرف ایک لمحے کے لیے اپنے گناہوں پر نادم ہوئی تھی اور میرے اللہ نے اسی ایک لمحے کو پسند فرما کر میری زندگی بدل دی' اس نے مجھے بتا دیا کہ میرے لیے کون سا راستہ درست ہے کون سا غلط؟"

"کاش یہ تبدیلی چند سال پہلے آ جاتی تو میری زندگی برباد ہونے سے بچ جاتی۔"

"نہیں' ایسا مت کہیں خدا نہ کرے جو آپ کی زندگی برباد ہو' آپ اس وقت برباد زندگی گزار رہے تھے جب آپ کو گناہ اور ثواب کا شعور نہیں تھا' اب تو اللہ نے آپ کو سب کچھ دے دیا ہے اب اگر ایسا کچھ کہیں گے تو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے۔"

"ٹھیک ہے نہیں کہتا مگر ایک درخواست تو کر سکتا ہوں ناں؟" پہلی بار وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے نہایت اپنائیت سے بول رہا تھا' زرنگار کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش آ گئی۔

"جی حکم کریں۔"

"حکم نہیں' درخواست ہے' پلیز کھانا آپ خود پکایا کرو' میں نے ملازمہ کو فارغ کر دیا ہے' اب یہ گھر آپ کے سپرد ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اک اور درخواست بھی کرنی تھی۔" اسے سر جھکاتے دیکھ کر وہ تھوڑا قریب ہوا تھا' زرنگار کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"جی۔"

"اللہ نے اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ' ایک بیوی پر شوہر کے کچھ حقوق بھی فرض کیے ہیں' حیا' اب اس فرض کی ادائیگی کے قابل نہیں ہے مگر......" لب دباتے ہوئے اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی' زرنگار کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

"میں جانتا ہوں' میں تمہارا گناہ گار ہوں بدلے میں تم نے بھی میرا دل دکھانے اور خون جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر میں یہ بھی جانتا ہوں زرنگار! تم نے اپنی حدود کا خیال رکھا ہے' تم نے میری امانت میں خیانت جیسی بددیانتی نہیں کی اور اس کا سب سے بڑا ثبوت وہی سانحہ ہے جس نے تمہاری زندگی بدل دی' اسی لیے میں چاہتا ہوں اب میں

تمہارا اور تم میری گناہ گار نہ رہو تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟" سر جھکائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا زرنگار کو اپنی جان فنا ہوتی محسوس ہوئی بھلا اس سے پہلے ان دونوں کے درمیان اس ٹاپک پر کہاں بات ہوئی تھی؟ اس نے تو کبھی اسے فرصت سے دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ کتنا شاندار مرد تھا؟

وہ تو اس پر صرف اپنی نفرت ظاہر کر پائی تھی محبت ظاہر کرنے کی تو ہمت ہی نہیں تھی مگر اس کے پیارے رب نے خود بخود سارے فاصلے سمیٹ دیئے تھے زرنگار نے مان لیا جب وہ کہتا ہے کہ "میرا ہو کر تو دیکھ سب کو تیرا نہ کردوں تو کہنا" تو ہمیشہ ایسا ہو جاتا ہے اپنی طرف آنے والوں کے لیے واقعی وہ اپنے سارے بندوں کے دل بدل دیتا ہے پھیر دیتا ہے محبت سے بھر دیتا ہے۔

اس روز رات کا کھانا کھانے کے بعد عظیم صاحب کو چائے دے کر حیا کو کھانا کھلا کر اور بچوں کو ان کے من پسند واقعات سنا کر سلانے کے بعد وہ سندان کے کمرے کی طرف بڑھی تو اس کی ٹانگیں واضح کپکپا رہی تھیں۔ اس نے عشاء کی نماز پڑھی تھی تسبیحات بھی پڑھی تھیں مگر اس روز کمرا بند کرکے ساری رات قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر پائی تھی۔

سندان نے کہا تھا کہ اسے اللہ رب العزت کے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کے حقوق کا بھی خیال رکھنا چاہیے لہٰذا وہ اس کے پاس چلی آئی تھی جو اس کا محافظ تھا سائبان تھا اس کے لیے ایک سایہ دار درخت کی مانند تھا۔ جس نے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اسے تنہا نہیں کیا تھا معاف کیا تھا۔

دروازہ ہلکے سے پش کرتے ہوئے اس نے اندر کمرے پر نگاہ ڈالی سندان بیڈ پر نیم دراز نیند کو شکست دیئے پوری شدت کے ساتھ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی پھر آہستہ سے دروازہ بند کردیا وہ شخص اپنی تمام تر وجاہت اور خوبیوں کے ساتھ اسی کا تھا اور اسے ہمیشہ اس کا رہنا تھا۔

❁......❁......❁

عائزہ زعیم کے ساتھ گاؤں آگئی تھی بے حد کشادہ گھر کے کچے صحن میں پانی کے چھڑکاؤ کے بعد قطار در قطار لگی چارپائیوں پر نزہت بھابی نے خوب صورت کھیس ڈال دیئے تھے۔ عائزہ خاموشی سے انہیں مشین کی طرح کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ماں جی بابا نزہت آپا کلیم بھاء سب عائزہ کے گاؤں واپس آنے پر بے حد خوش تھے۔ ماں جی تو بار بار اس کا منہ چومتی نہ تھک رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ وہ اس کی صحت کے لیے بھی متفکر تھیں اور زعیم کو ڈانٹ رہی تھیں کہ اس نے اس کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ زعیم کن اکھیوں سے یہ مناظر دیکھ رہا تھا۔

کل رات وہ بہت ٹینس تھا تھکن بھی بہت تھی اسی لیے شاید وہ بخار کے حصار میں آگیا تھا مگر اس کی توقع کے خلاف جس طرح کل عائزہ نے اس کا خیال رکھا تھا اس کا دل قابو میں نہیں رہا تھا۔ ایک ایک لمحے کا تصور پاگل کر رہا تھا اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے سینے سے لگا کر ساری حسرتیں نکال لیتا مگر انا کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہتا سو وہ خاموش تھا۔

اس کے گاؤں میں قیام کے فیصلے سے جہاں اسے خوشی ہوئی تھی وہیں وہ بے حد ڈسٹرب بھی ہو کر رہ گیا تھا کہ اب بھلا اس سنگدل لڑکی کو دیکھے بغیر اسے رات میں نیند کہاں آتی تھی۔ تاہم عائزہ کو اس کی ڈسٹربنس کا اندازہ نہیں تھا تبھی وہ اس کی طرف سے رخ موڑے بیٹھی تھی شاید اس نے شہر میں اپنی تنہائی اور زعیم کی بے نیازی سے تنگ آکر ہی گاؤں میں رہنے کو ترجیح دی تھی تاہم اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ وہ اپنا شکار بھی بھول گیا تھا۔

اس روز پہلی بار عائزہ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر چارپائی پر نہایت لذیذ کھانا پیٹ بھر کر کھایا تھا زعیم کی چھوٹی بہن اقصیٰ تو عائزہ پر صدقے واری جارہی تھی کیونکہ وہ شہری تھی اور اسے پورے گاؤں میں اس کی وجہ سے شو مارنے کا موقع مل گیا تھا اور عائزہ کو بھی وہ سادہ سی پیار کرنے والی لڑکی بہت اچھی لگی تھی جسے پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا مگر اس کے باوجود اسے میٹرک سے آگے نہ پڑھنے دیا گیا کہ گاؤں میں دور نزدیک کوئی کالج نہیں تھا اور گاؤں سے باہر پڑھنے کی اسے اجازت نہیں تھی۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے عشاء کی نماز پڑھی پھر عائزہ کی چارپائی پر آکر اس کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ زعیم اپنے بابا اور کلیم بھاء کے ساتھ سیاسی گفتگو میں مصروف ہوگیا اس رات وہ سب بہت لیٹ سوئے تھے۔

بے حد کشادہ صحن میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے کب عائزہ کو اپنی گود میں لے لیا اسے پتا ہی نہیں چلا ماں جی بابا نزہت بھابی کلیم بھاء سب سو چکے تھے مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ بے چینی سے کروٹ پر کروٹ بدلتے ہوئے اس نے یونہی عائزہ کی چارپائی پر نظر ڈالی وہ نہایت سکون و بے خبری سے مزے کی نیند سو رہی تھی مگر اس کا دوپٹہ اس کے اوپر نہیں تھا جس سے اس کے جسم کے نشیب و فراز خاصے عیاں ہو رہے تھے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا وہ لڑکی واقعی گاؤں کے ماحول میں رہنے کے لائق نہیں تھی۔

قدرے فاصلے پر ہونے کے باوجود اگر وہ اسے دیکھ سکتا تھا تو کلیم بھاء یا ابا کی نظر بھی پڑ سکتی تھی تبھی وہ اٹھا اور اس کی چارپائی کے قریب چلا آیا عائزہ کا دوپٹہ اس کی کمر کے نیچے آیا ہوا تھا زعیم کا دل چاہا وہ اس کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کے زور سے دبا دے مگر اس طرح اس کے جاگ کر چیخ مارنے کا خدشہ تھا تبھی اس نے کھیس اٹھا کر اس کے اوپر ڈال دیا مگر وہ ابھی اپنی چارپائی پر واپس آکر بیٹھا ہی تھا کہ عائزہ نے نیند میں کھیس اپنے اوپر سے ہٹا دیا شاید وہ گرمی محسوس کر رہی تھی یا پھر سوتے میں اپنے اوپر کپڑا لینے کی عادی نہیں تھی۔

اسے بہت تاؤ آرہا تھا عجیب بے بسی تھی کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا اور کسی کے بھی جاگ جانے کا امکان تھا بہت سوچ کر وہ پھر اٹھا اور اس کی چارپائی کے قریب آکھڑا ہوا پھر ہلکے سے اس نے عائزہ کا بازو ہلا کر اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئی تب غصے میں آتے ہوئے مجبوراً اس نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور اس سے پہلے کہ اس کے حواس بیدار ہوتے یا وہ چیخ مارتی اندر اپنے کمرے میں بیڈ پر لا کر پٹخ دیا جس سے عائزہ کی آنکھ اس افتاد پر فوراً کھل گئی تھی سامنے ہی وہ کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ محض یہی پوچھ سکی تھی زعیم کو اور تاؤ آیا۔ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اس کا چہرہ اپنے دائیں ہاتھ میں دبوچا تھا۔

"کل سے تم ادھر کمرے میں سوؤ گی باہر سب کے ساتھ نہیں سمجھی۔" رات کے ایک بجے بنا کسی قصور کے اس کی یہ ہدایت اور غصہ اسے حیران ہی تو کر گیا تھا۔

"کیوں؟" بال سمیٹتے ہوئے اس نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جواب میں زعیم کی سلگتی نگاہیں اس کے خوب صورت سراپے پر پھیل گئی۔

"حلیہ دیکھو اپنا دوپٹے کا کوئی ہوش ہے تمہیں؟ یہ گاؤں ہے یہاں کی عورتیں باپ بھائیوں کے سامنے دوپٹے کے بغیر نہیں گھومتیں اور تم ہو کہ وہاں سب کے درمیان مزے سے دعوتِ نظارہ بنی سو رہی تھی؟" اس کے غصے اور جلن کی اصل وجہ سامنے آگئی تھی عائزہ نے ذرا سی گردن جھکا کر دیکھا اس کی قمیص کا گلا واقعی بڑا تھا۔

"او کے ایم سوری مجھے نیند میں واقعی خیال نہیں رہتا آپ میرا دوپٹہ لا دیں۔ میں ادھر اندر سو جاتی ہوں۔" اس نے تو جیسے قسم کھالی تھی کہ وہ اس کی کسی بات سے اختلاف نہیں کرے گی۔

زعیم نے اٹھ کر اے سی آن کردیا پھر باہر اس کی چارپائی سے اس کا دوپٹہ اٹھا کر بھی اس کے حوالے کردیا تاہم عائزہ کے کمرے میں سونے کے بعد وہ خود بھی وہیں لیٹ گیا تھا۔ نیند تو کیا آنی تھی ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اسے ہی دیکھتا رہا۔

صبح بابا اور کلیم بھاء کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر باہر کھیتوں میں نکل گیا واپس آیا تو سب جاگ رہے تھے ناشتا بھی تیار تھا بس عائزہ کی صبح نہیں ہوئی تھی اسے خوامخواہ ہی شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

ماں جی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اب تسبیح نکالتے ہوئے آنگن میں رزق تلاش کرتی چڑیوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ڈال رہی تھیں وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم ماں جی!"

"وعلیکم السلام! صبح صبح کدھر نکل گیا تھا' تیرے بابا پوچھ رہے تھے۔"

"اِدھر ہی تھا ماں جی! نماز کے لیے گیا تھا پھر کھیتوں کی طرف نکل گیا' عائزہ کو نہیں جگایا آپ نے؟ نزہت آپا کی مدد کروا دیتی۔"

"ارے نہیں پگلے! سونے دے اسے ابھی کل ہی تو آئی ہے۔ اسے عادت نہیں ہے اتنی جلدی جاگنے کی' نزہت تو عادی ہے وہ کرلے گی۔"

"مگر ماں جی! وہ یہاں رہے گی تو اسے یہاں کے طور طریقے بھی سیکھنا پڑیں گے' میں نہیں چاہتا اس کی وجہ سے مجھے آپ لوگوں کے سامنے کوئی شرمندگی ہو۔" اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کمرے میں بیڈ پر لیٹی عائزہ تک پہنچ جاتی جو شاید اسے سویا ہوا سمجھ رہا تھا' ماں جی نے زعیم کو ڈانٹ دیا۔

"ایسی بات نہ کر زعیم! وہ بڑی سوہنی' سمجھدار بیوی ہے تیری' شرمندہ نہیں ہونے دے گی تجھے مگر میں جانتی ہوں وہ شہر سے آئی ہے اسے یہاں کے ماحول میں ڈھلنے کے لیے ابھی وقت چاہیے تو اس کے لیے مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کیا کر۔"

"ٹھیک ہے نہیں کرتا مگر آپ کی یہی محبت اور نرمی اسے بگاڑ کے رکھ دے گی۔"

"بگڑ جانے دے میں اپنی دھی کو خود ہی سمجھا لوں گی تو اپنی سمجھداری اپنے پاس رکھ۔"

"السلام علیکم ماں جی!" وہ ابھی زعیم کو ڈانٹ ہی رہی تھیں کہ وہ سلیقے سے دوپٹہ سر پر جمائے ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ زعیم دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے ماں جی کی چارپائی پر نیم دراز تھا' اس کے سلام پر قدرے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی' ماں جی بے وجہ ہی شرمندگی محسوس کرنے لگیں۔

"وعلیکم السلام! اٹھ گئی میری دھی' آ ادھر بیٹھ میرے پاس۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھایا تھا' زعیم مسلسل اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا جس کی آنکھوں میں ابھی بھی کچی نیند کے ڈورے تھے۔

"اچھا ماں جی! میں ذرا بابا اور بھاء سے مل لوں پھر شہر کی طرف نکلتا ہوں' آج شہزاد کے کیس کی سماعت ہے دعا کیجیے گا۔"

"کہنے کی ضرورت ہے پتر! مگر تو پہلے ناشتا کر پھر شہر جانا۔ نگہت کا بخار اترا کہ نہیں؟"

"پتا نہیں ماں جی! ابھی جا کر پتا کروں گا پھر شہر میں کسی اچھے سے ڈاکٹر کو چیک کرواؤں گا۔" اٹھتے اٹھتے اس نے اس کا دل جلا کر پھر راکھ کر دیا تھا وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے پتر! میرا پیار دینا' بہت اچھی حوصلے والی بچی ہے۔"

"کوئی شک نہیں ماں جی! میں نے تو کہا تھا بنا لیں اسے بہو مگر آپ کو شہری بہو لانے کا شوق چرا گیا تھا' اب پیار دینے کا کیا فائدہ؟" سرسری نظر عائزہ کے سرخ چہرے پر ڈالتے ہوئے اس نے پھر سے چھیڑا تھا جب ماں جی نے ڈانٹ دیا۔

"فضول باتیں نہ کر زعیم! میری بہو جیسی پورے گاؤں میں کوئی نہیں' خبردار جو دوبارہ ایسی بات کی تو نے۔"

"اچھا نہیں کرتا' نزہت بھابی سے کہیں ناشتا تیار رکھیں میں آتا ہوں ابھی تھوڑی دیر میں۔" وہ چلا گیا تو ماں جی نے عائزہ کے ہاتھ تھام لیے۔

"اس کی باتوں کا بُرا مت ماننا بیٹی! یونہی تنگ کرتا ہے تمہیں ورنہ اس نے تو آج تک کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔"

"جی میں جانتی ہوں۔" دل ہی دل میں اس ماں کی سادگی پر ہنستے ہوئے اس نے بظاہر ان کا بھرم رکھا تھا' ہر ماں کی طرح اس ماں کو بھی اپنا بیٹا دودھ کا دھلا ہی لگ رہا تھا۔

اقصیٰ درس سے آئی تو عائزہ کو جاگتے دیکھ کر بے حد خوش ہوگئی' ناشتے کے بعد وہ عائزہ کو اپنے ساتھ لے کر پورا گھر دکھانے میں مصروف ہوگئی۔ ایک ہزار گز پر مشتمل ان کا رہائش کے لیے گھر بنا ہوا تھا جس کا صحن کچا تھا' مگر رہائش والے گھر کے ساتھ ہی جانوروں کا باڑہ تھا۔ جس میں دو بھینسیں' ایک گائے' ایک گھوڑا' چند بکریاں اور تین بیل تھے۔

بھینسوں کا دودھ وہ گھر میں ہی استعمال کرتے تھے۔ گھوڑا زعیم لایا تھا اور وہ اسے بے حد پیارا تھا' وہ اس کا خیال ایسے ہی رکھتا تھا جیسے کسی قریبی انسانی رشتے کا رکھا جاتا ہے اس کی غیر موجودگی میں کلیم بھاء اور نزہت آپا اس کا خیال رکھتی تھیں۔

گھوڑے کے بعد جس چیز میں زعیم کی جان تھی وہ "بھوری" تھی ایک چھوٹی سی بھورے رنگ کی بکری جو ابھی محض چند ماہ کی تھی۔ زعیم نے اس کا نام بھوری رکھا تھا اور وہ اپنی پیدائش کے بعد پوری گرمی زعیم کے ساتھ' رات میں اس کے بستر پر سوتی رہی تھی۔ یہ ساری معلومات اقصیٰ اسے دے رہی تھی اور وہ حیران ہو رہی تھی کہ بھلا وہ شخص بھی اتنا اچھا ہوسکتا تھا؟

عائزہ نے آج تک کبھی کسی جانور یا پرندے سے پیار نہیں کیا تھا اس لیے اسے ان کی فیلنگز کا بھی نہیں پتا تھا' مگر زعیم جانوروں کے ساتھ ساتھ کچھ خوب صورت پرندوں کا بھی شیدائی تھا گھر میں چھوٹے بڑے سینکڑوں پنجرے تھے۔ اقصیٰ نے اسے بتایا تھا کہ وہ شکار کا بھی بے حد شوقین ہے۔ اس نے ہرن اور شیر تک کا شکار کیا ہوا تھا' گاؤں کی ساری لڑکیاں اس کے خواب دیکھتی تھیں اور اس سے محبت کا دم بھرتی تھیں صرف زعیم کے لیے ان کے گھر میں پورے گاؤں سے مزے مزے کے پکوان آتے تھے وہ عائزہ کو بتاتی جاتی تھی اور ہنستی جاتی تھی۔

پورے باڑے کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس احاطے سے نکلیں تو زعیم ناشتا کر کے جانے کی تیاری کر رہا تھا' تھوڑی دیر بعد وہ شہر کے لیے نکل گیا تو اقصیٰ ماں جی کی اجازت کے بعد اسے اپنے کھیتوں کی طرف لے آئی۔ وسیع رقبے پر پھیلی زمین کے سینے پر تا حدِ نگاہ' دور دور تک سبزہ ہی سبزہ پھیلا دکھائی دے رہا تھا' قریب ہی ٹھنڈے پانی کا ٹیوب ویل چل رہا تھا' جو اسے بے حد اچھا لگا اور وہ وہیں اس پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی' اقصیٰ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

عائزہ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر اس نے بالآخر اقصیٰ سے پوچھ لیا۔

"اقصیٰ! یہ جو شہزاد اور نگہت وغیرہ کی فیملی ہے' کیا یہ آپ کے رشتے دار ہیں؟"

"نہیں آپی! رشتے دار تو نہیں ہیں مگر شہزاد بھائی' زعیم بھائی کے کلاس فیلو اور بچپن کے دوست تھے' بھائی کی شادی پر بھی سب سے زیادہ وہی خوش تھے مگر صد افسوس کہ ان کے اپنے سگے چچا نے ہی ان کی جان لے لی۔"

"ہوں اور یہ جو نگہت ہے اس کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟"

"وہ شادی نہیں کرتی آپی! سب لوگ انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر وہ شادی کے لیے مانتی ہی نہیں۔"

"کیوں..... کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"پتا نہیں آپی! کوئی کہتا ہے ان پر سایہ ہے' کوئی کہتا ہے جادو ہے۔ زعیم بھائی نے بھی ان کی شادی کروانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر وہ شادی کے لیے راضی ہی نہیں ہوتیں' شہزاد بھائی کی موت کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔"

"ہوں..... کہیں یہ نہ ہو کہ وہ زعیم میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"پتا نہیں آپی! زعیم بھائی نے تو ہمیشہ ان کو اپنی بہن سمجھا ہے' جب تک شہزاد بھائی زندہ تھے بھائی تو زیادہ جاتے بھی نہیں تھے ان کے گھر۔" عائزہ کے سوال پر سادہ لہجے میں وہ زعیم کی پوزیشن کلیئر کر رہی تھی اور وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ ہمیشہ قصے کہانیوں میں گاؤں کی طرز زندگی کے بارے میں پڑھ کر دیہی ماحول سے الرجک رہی تھی مگر اب خود حقیقت میں آ کر قریب سے ہر چیز کو دیکھا تھا تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگئی کہ گاؤں کی زندگی شہری زندگی سے زیادہ خوب صورت تھی۔

اقصیٰ گاؤں کے مدرسے میں قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر پڑھنے کے لیے جاتی تھی' گاؤں کی مسجد کے امام صاحب پورے گاؤں میں گھر گھر جا کر بچوں کو ترجمہ و تفسیر کا درس دیتے تھے جس سے نہ صرف ان کا ایمان تازہ ہوتا تھا بلکہ انہیں بہت اہم و مفید معلومات بھی ملتی تھیں۔

اقصیٰ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی بھی شدید خواہش مند تھی' تبھی عائزہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر ضرور زعیم سے بات کرے گی۔

زعیم اسے گاؤں چھوڑ کر نگہت کے ساتھ شہر آ گیا تھا مگر اس کا دل بہت بوجھل تھا' معقد سے کی سماعت کے بعد شدید مصروفیت کے باوجود اس نے نگہت کو گاؤں واپس چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا مگر نگہت ایسا نہیں چاہتی تھی وہ شہر میں تنہائی کے باوجود اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی اسے رہ رہ کر عائزہ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ کیوں گاؤں جا کر بیٹھ گئی تھی کم از کم اس کی موجودگی میں زعیم اسے اپنے ساتھ تو رکھتا تھا تاہم زعیم کو اس کے احساسات اور خیالات کی پروا نہیں تھی۔

❁......❁......❁
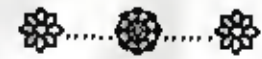
فیحہ ازہان کے نام سے منسوب ہونے کے بعد شہر آ گئی تھی آسیہ بیگم کا رویہ مناسب تھا تاہم گھر کے باقی افراد بالکل خاموش تھے' ایک لڑکی جو دو ہفتے گھر سے باہر گزار کر آئی تھی اس کی عزت کی حفاظت کا یقین' پاکستانی معاشرے میں کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ فیحہ اس بات کو سمجھتی تھی مگر بھرے پنڈال میں جیسے ازہان نے اس کی عزت کا بھرم رکھا تھا' اس کے ننگے سر پر اپنے نام کی چادر ڈالی تھی وہ اس کی سمجھ سے قطعی باہر کی چیز تھی۔

چار دن ہو گئے تھے اسے ملک ہاؤس آئے ہوئے اور ان چار دنوں میں اس نے ایک بار بھی ازہان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ نجانے اسے وہاں لانے کے بعد وہ خود کہاں روپوش ہو گیا تھا تاہم فیحہ وہاں رہ کر ساری زندگی اپنے ساتھ ہوئے سانحہ کا غم نہیں منا سکتی تھی تبھی حوصلے اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اس نے عینا کی طرح پورے گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ازہان اس کے لیے اپنے گھر والوں کے ساتھ کون سا محاذ کھولے کھڑا تھا۔

گزشتوں چار دنوں سے اپنے باپ کے آفس کا بائیکاٹ کیے وہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا تبھی بہت مجبور ہو کر انہوں نے اس کے ساتھ بات کی تھی اور فیحہ کو اپنی بہو تسلیم کیا تھا۔ پچھلے چار روز سے وہ جیسے ان کی خدمت کر رہی تھی اس سے بھی ان کے دل پگھل گئے تھے۔

پورے چار روز کے بعد اس روز وہ گھر آیا تھا بے حد تھکا تھکا سا فیحہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ فریش ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا' تھکن اتنی شدید تھی کہ بستر پر گرتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

فیحہ ٹیبل پر کھانا لگانے کے بعد اسے بلانے کے لیے آئی تو وہ ٹراؤزر اور بنیان میں ملبوس تکیہ بانہوں میں دبائے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ وہیں سے واپس پلٹ گئی' کھانا کھانے کے بعد اس نے عشاء کی نماز ادا کی اور سب کو چائے پیش کر کے ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں چلی آئی جہاں ازہان ہنوز میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔

وہ کچھ دیر چپ چاپ کھڑی اسے بھرائی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر خاموشی سے اس کے قدموں کے پاس نیچے زمین پر بیٹھ کر اس کے دونوں پاؤں اپنے نرم ہاتھوں میں تھام لیے' ازہان کی حسیات فوراً بیدار ہوئی تھیں تاہم اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

فیحہ نے محبت سے اس کے پاؤں تھامنے کے بعد اپنے لب ان پیروں پر ثبت کر دیے جس سے ازہان کے پورے وجود میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔ اسے فیحہ سے ایسی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ رو رہی تھی اور روتے ہوئے بار بار اس کے پیروں کو اپنے ہونٹوں سے چوم رہی تھی تبھی وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" آنکھوں میں نیند کے سرخ ڈوروں کے ساتھ اس نے اس کی طرف دیکھا تھا' تبھی فیحہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چوم لیے۔

"میں آپ کی گناہ گار ہوں ازہان! جو آپ کے پیار اور سچائی کی عظمت کو نہ سمجھ سکی اور بنا آپ کو جانے پرکھے ٹھکراتی رہی مگر آپ نے مجھ جیسی حقیر لڑکی کو نہایت کٹھن وقت میں اپنے نام کا سہارا دے کر ثابت کر دیا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں۔ ازہان میرا یقین کریں میرا اس سانحہ میں کوئی کردار نہیں تھا اس شخص نے زبردستی یونیورسٹی روڈ سے مجھے اغواء کیا تھا تاکہ میں اس سے شادی کرلوں مگر میرا یقین کریں ازہان! اس نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اس نے میری عزت داغدار نہیں کی وہ صرف ذہنی طور پر مجھے پریشان کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اس سانحہ کے بعد دنیا کا کوئی شخص مجھے قبول نہ کرے آپ جیسے کہیں گے میں اپنی پارسائی ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھامے وہ اس کے سامنے بچوں کی طرح رو رہی تھی ازہان نے آہستگی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیے۔

"کیا میں نے تم سے تمہاری پارسائی کا ثبوت مانگا ہے؟" قطعی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اس نے پوچھا تو فیحہ کے آنسو رک گئے۔ بناء کوئی جواب دیئے وہ خاموشی سے اسے دیکھے جا رہی تھی تبھی ازہان نے ہاتھ بڑھا کر اسے بیڈ پر اپنے مقابل بٹھا لیا۔

"ہمارے معاشرے کی بدقسمتی ہے فیحہ! یہاں لڑکے عشق و محبت میں لڑکیوں سے بڑے بڑے دعوے تو کرتے ہیں مگر شادی سے پہلے یا شادی کے بعد ذرا سی کوئی آزمائش پڑے تو یوں سارے تعلق توڑ کر سائیڈ پر کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے اس لڑکی سے ان کا کبھی کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ اس وقت میری نظر سے دیکھا جائے تو اس مرد سے زیادہ بزدل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وقت جب ان کے ساتھ اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے' اس وقت اگر ساری دنیا بھی ایک طرف ہو جائے انہیں اس عورت کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میری اپنی زیست ہے فیحہ! یہاں خامیوں سے مبرا کوئی بھی نہیں ہے مگر کوئی بھی عورت جب تقدیر کی طرف سے کسی بھی حادثے کی شکار ہو کر جب بالکل بے یار و مددگار ہو جاتی ہے تب آپ کی محبت' مردانگی اور غیرت یہ نہیں کہ آپ بھی مفروضے قائم کر کے دنیا کے ساتھ کھڑے ہو کر اس عورت کی بے بسی اور آنسوؤں کا تماشہ دیکھیں بلکہ آپ کی مردانگی اور انسانیت اس بات میں ہے کہ آپ ساری دنیا بھی مخالف ہو تو اکیلے اس عورت کا ساتھ دیں کیونکہ اچانک کوئی حادثہ تو کسی کی بھی بہن' بیٹی یا بیوی کے ساتھ پیش آ سکتا ہے۔ میں کوئی بہت اعلیٰ ظرف انسان نہیں ہوں فیحہ! مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی اس وقت جب مجھے یہ پتا چلا کہ تم کسی اذعیان نامی شخص کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں' میں نے سوچ لیا تھا میں تمہیں دوبارہ اپنے لیے مجبور نہیں کروں گا مگر تمہارے اغواء سے ایک روز پہلے عینا نے معید کو بتایا تھا کہ تم اذعیان کے عشق میں مبتلا نہیں تھیں' تم اس کی بار بار شادی کی آفر ٹھکرا کر اس گھر اور گاؤں سے ہی چلے جانا چاہتی تھیں تب میں نے سوچا کہ اگر وہ شخص تمہارا جنون ہوتا تو بھلا تم اسے یوں بار بار رد کیوں کرتیں؟" ایک ہی سانس میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اب وہ اس کے کندھوں کے گرد اپنے بازو پھیلا رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ تم نے مجھے کیوں رد کیا مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں فیحہ کہ میں نے تمہارے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ مجھ میں اور ریان بھائی میں یہ فرق ہمیشہ رہا ہے جو چیز انہیں پسند آ جاتی اگر وہ اسے حاصل نہ کر پاتے تو توڑ دیتے تھے۔ یہی انہوں نے عینا بھابی کے ساتھ کیا وہ ان کے معیار پر پوری نہ اتریں تو انہوں نے انہیں توڑ دیا مگر میں ایسا نہیں ہوں فیحہ! میرا کوئی معیار نہیں ہے' میں نے ہمیشہ سے یہی سوچ رکھا تھا کہ میں کبھی کسی کے دباؤ میں آ کر شادی نہیں کروں گا بلکہ جو لڑکی پہلی نظر میں میرے دل اور نگاہ کو اچھی لگے گی میں اسی کو اپنی ہمسفر بناؤں گا چاہے ساری دنیا سے لڑنا پڑے اور یہی میں نے کیا ہے۔" پہلی بار اسے اپنے حصار میں لیے وہ اس پر اپنے جذبات بھی آشکار کر گیا تھا فیحہ کے آنسو چپ چاپ بہتے رہے تبھی وہ پھر بولا تھا۔

"زندگی میں کبھی یہ مت سوچنا فیحہ کہ میں نے تمہیں اپنا کر تم پر احسان کیا ہے نہ ہی میں کبھی تمہیں ایسا کوئی طعنہ دوں گا جانتی ہو کیوں؟" اب وہ اس کا چہرہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فیحہ نے چپ چاپ نفی میں سر ہلایا تبھی وہ جھکا اور اس نے نہایت نرمی سے اپنے ہونٹ اس کی بھیگی پلکوں پر رکھ دیے فیحہ کے پورے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

"کیوں کہ میں...... تم سے بے حد پیار کرتا ہوں فیحہ! اور یہ آنسو جو انمول موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں یہ آنسو تمہاری پاکیزگی' تمہارے وقار' تمہاری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔" ازہان کا لہجہ گمبھیر ہو گیا تھا فیحہ کی ہتھیلیوں سے جیسے جان نکلتی گئی وہ اس کے آنسو چوم نہیں رہا تھا' پی رہا تھا وہ بے خودی جیسے ریت کی مانند بکھرتی گئی۔

آدم اور حوا کے رشتے میں اللہ نے جو کشش رکھی ہے وہ

کشش اس لمحے فیحہ کا دل کھینچ رہی تھی۔ ازہان کے ہونٹوں کا لمس اُسے زندگی کے ہر دکھ ہر محرومی کا مرہم لگ رہا تھا۔ اپنی ذات پر ازہان کا اعتماد اس کے لیے زندگی کی سب سے خوب صورت حقیقت تھی تبھی اس لمحے اس نے اپنا آپ مکمل رضا مندی سے اس شخص کے سپرد کردیا جو اس کا محض شوہر ہی نہیں بلکہ محافظ بھی تھا' سکھ اور دکھ کے سفر میں ہمیشہ ساتھ نبھانے والا محافظ اور کڑی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں لٹانے والا سایہ دار درخت...... جتنے دکھوں کے ببول اس کی تقدیر نے رکھے تھے وہ سب اس نے چن لیے تھے آگے اب اسے ہمیشہ خوشیوں کی بہاریں ہی بہاریں دیکھنا تھیں اس شخص کے ساتھ جو دنیا میں اس کا واحد غمگسار تھا۔

❀......❀......❀

آسمان روشن ستاروں سے جگمگا رہا تھا' سبک رو سرد ہواؤں کے تسلسل میں بھی کہیں کوئی کمی نہیں آئی تھی مگر اس کا دل بجھ گیا تھا' یوں جیسے رک سا گیا ہو۔ معید اس روز ہسپتال سے جلدی آ گیا تھا' عینا لان کی صفائی کے بعد وہیں ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی جب معید فریش ہونے کے بعد وہیں چلا آیا۔ فیحہ کی رخصتی کو چوتھا دن تھا اور ان چار روز میں گھر کے کسی فرد کی عینا سے فیحہ کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

''السلام علیکم!'' عینا کی طرح چار روز سے وہ بھی بجھا بجھا سا تھا' وہ معید کو سامنے دیکھ کر کرسی کھینچ لائی۔

''وعلیکم السلام! بیٹھو آج جلدی آ گئے؟''

''ہوں...... طبیعت کچھ ناساز تھی' سوچا گھر جا کر آرام کرلوں۔''

''کیا ہوا طبیعت کو؟'' اپنی کرسی اسے پیش کرکے وہ خود اس کے مقابل ہی ٹک گئی تھی' معید نے سرسری نظر اس پر ڈالنے کے بعد رخ پھیرلیا۔

''کچھ نہیں بس یونہی سر میں تھوڑا درد محسوس ہو رہا تھا۔''

''دوائی؟''

''نہیں۔''

''مجھے پتا تھا اپنی ذات کے لیے تم سے زیادہ بے پروا انسان میں نے پوری دنیا میں نہیں دیکھا۔''

''مہربانی' پھر کب آ رہا ہے عالمی بک میں میرا نام؟''

''معید پلیز...... اپنی ذات سے اتنی بے پروائی ٹھیک نہیں ہوتی۔''

''تو میں کب بے پروا ہوں یار! اتنا خیال تو رکھتا ہوں اپنا' کبھی خود پر بھی نظر ڈال لیا کرو' تم کیا تھیں اور کیا ہو کر رہ گئی ہو۔''

''مجھے چھوڑو بس تم اپنی کیئر کیا کرو کیونکہ تم سے پھپھو اور پھوپا جی کے بہت سے خواب وابستہ ہیں۔''

''ٹھیک ہے جی اور کوئی حکم؟''

''نہیں اور کوئی حکم نہیں' لاؤ میں سر دبا دوں؟''

''واقعی؟'' اس نے خوش ہونے کی ایکٹنگ کی تھی' عینا گھور کر رہ گئی۔

''جی ہاں' واقعی۔''

''نہیں یار! کہاں میرا اتنا گندا سر اور کہاں تمہارے پیارے پیارے ملائی جیسے ہاتھ' یہ ہاتھ کسی میرے جیسے فضول سے شخص کا سر دبانے کے لائق ہرگز نہیں۔''

''اچھا جی تو گلا دبا دوں پھر......؟'' وہ چڑی تھی' معید کھل کر ہنس دیا۔

''نہیں' گلا دبانے کے لیے بھی نہیں ہیں۔''

''تو پھر؟'' اب وہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑے پوچھ رہی تھی' معید نے آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''پھر...... پھر...... بتا دوں گا تو مارو گی تو نہیں؟''

''نہیں۔''

''اوں ہوں...... تمہارا کوئی اعتبار نہیں' کب مکر جاؤ۔''

''میں مکرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''چلو دیکھ لیں گے وقت آنے پر' فی الحال یہ بتاؤ فیحہ سے بات ہوئی؟''

''نہیں' دو تین بار کوشش کی گھر فون کرنے کی مگر اس سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی' پتا نہیں کیوں مگر مجھے ایسا لگتا ہے معید جیسے ہم نے اس کا اعتبار نہ کرکے کوئی زیادتی کی ہے۔''

''ہوں' میں خود بھی پچھلے چار دن سے اسی گلٹ میں ہوں شاید ہمیں یوں دوسروں کی باتوں میں آ کر اسے پرایوں

کی طرح رخصت نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہوں مجھے بھی یہی سوچ ڈسٹرب کررہی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا؟"

"پتا نہیں حتمی طور سے کچھ نہیں کہہ سکتی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ محفوظ ہی ہوگی خدانخواستہ اس کی عزت پر کوئی داغ نہیں لگا۔" عینا کے لہجے میں یقین تھا معید کتنی ہی دیر تک دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے اپنی ہی سوچ میں کھویا رہا۔

اگلے روز عینا نے مرینہ بیگم سے بھی یہی سب ڈسکس کیا وہ بھی معید کی طرح الجھن میں تھیں خود جواد صاحب بھی خود کو مطمئن نہیں رکھ پا رہے تھے اگر فیحہ کی ماں زندہ ہوتی تو کیا اس کے ساتھ یہ سلوک ہوتا؟

بناء اس کی کوئی وضاحت کوئی بات سنے ان لوگوں نے کیسے اسے چند لمحوں میں اجنبی کردیا تھا۔ وقتِ رخصت دعائیں اور تسلیاں بھی نہیں دے سکے تھے اپنی اپنی جگہ سب الجھن میں تھے تبھی معید نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بہن کا دھوم دھام سے ولیمہ کرے گا اور سب جاننے والوں کو انوائٹ کرے گا بات بہت بڑی اور حوصلے کی تھی۔ جواد صاحب نے ممنون نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی تائید کردی۔

اسی شام ازہان اور فیحہ کو یہ خبر ملی تو وہ خوشی سے گنگ رہ گئی۔ فیحہ کا شاندار جہیز جو جواد صاحب نے کب سے تیار کروا رکھا تھا شہر پہنچا دیا تھا ولیمے کی تقریب کے لیے البتہ ان دونوں کو گاؤں آنا پڑا تھا جہاں بہت شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

لائٹ پرپل اور پنک شیڈ میں لہنگا کرتی میں ملبوس فیحہ دلہن بنی محفل کو چار چاند لگا رہی تھی جبکہ وائٹ کاٹن کے شفاف سوٹ میں ملبوس ازہان اتنا پیارا اور خوش دکھائی دے رہا تھا کہ اسے نظر لگنے کا سو فیصد امکان تھا اور معید کافی دیر اس سے چھیڑ چھاڑ کے بعد ابھی کھانے کا جائزہ لینے کے لیے اٹھ ہی رہا تھا جب اس کی نظر سامنے سے آتی عینا پر پڑی شیفون کے کام والے سوٹ میں ملبوس بنا میک اپ اور جیولری کے وہ بہت ادھوری ادھوری سی محسوس ہورہی تھی تبھی وہ اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"عینا۔" وہ جو کسی مہمان کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی پکار پر فوراً پلٹ گئی۔

"جی۔"

"تیار ہوگئیں؟"

"ہوں کیوں کوئی کام تھا؟"

"ہاں تھا ایک کام آؤ میرے ساتھ۔" اس کے سراپے کا سرسری جائزہ لینے کے بعد وہ اس کا ہاتھ تھام کر گھر سے باہر لے آیا تھا وہ بمشکل اس کے پیچھے لپکتی ارے ارے کہتی رہ گئی تھی۔

"کہاں لے جارہے ہو؟"

"بتادوں گا کہیں اغوا کرکے نہیں لے جارہا بے فکر رہو۔" اسے اپنے پیچھے بائیک پر بٹھا کر اس نے بائیک بھگادی تھی۔ عینا کی جان جیسے عذاب میں آگئی تیز ہوا میں کبھی اڑتا دوپٹا سنبھالتی کبھی اڑتے بال معید کی حرکتیں دیکھ کر اسے کوئی بھی قابل ڈاکٹر ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اس نے بازار میں بائیک روکی اور پھر بنا عینا سے پوچھے اپنی مرضی سے مختلف کلر کی چوڑیاں، جیولری، جوتے اور ڈریس خریدتا چلا گیا تھا عینا ہکا بکا سی دیکھتی رہی تھی۔

"معید تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟"

"بچپن سے ہوں تمہیں اب پتا چلا ہے۔" وہ کہاں اس کی کسی بات کو سنجیدہ لیتا تھا عینا اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

"اتنی ساری چیزیں خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ضرورت تھی تو خریدی ہیں ناں یار، ایک ہی تو دوست ہے میری دنیا میں وہ بھی سب کے درمیان سب سے الگ نظر نہ آئے تو کیا فائدہ؟"

"تم سچ میں پاگل ہو مجھے پتا لگ گیا ہے۔"

"شش...... کسی اور کو نہیں بتانا۔" بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بھی وہ اسے تنگ کرنا نہیں بھولا تھا۔

عینا اس کے مضبوط کندھے پر مکا رسید کرکے رہ گئی۔ ریان کی موت کے بعد اس نے اپنا ناطہ رنگوں سے توڑ لیا تھا وہ

بہت سادہ رہنے لگی تھی اور کسی نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا مگر آج ایک دم سے جانے معید کو کیا ہوا تھا کہ وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر اسے بازار لے آیا تھا۔ عینا کو اس لمحے بے ساختہ اس لڑکی کے نصیب پر رشک آیا تھا جو معید جیسے انسان کے دل میں بستی تھی۔

اس کا دل چاہا صرف ایک بار وہ اس لڑکی کو ضرور دیکھے کہ وہ آخر کیسی لڑکی تھی جسے معید نے چاہا تھا جانے کیا بات تھی گزرتے ہر دن کے ساتھ وہ اس کی ذات سے متعلق بہت حساس ہوتی جارہی تھی۔ وہ لوگ گھر پہنچے تو معید نے خود اس کے دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے عینا پر اس معاملے میں بالکل بھی اعتبار نہیں اور وہ اس بات پر کتنی ہی بار چھپ چھپ کر روتی رہی تھی۔

تقریب کے دوران بھی وہ وقتاً فوقتاً اس کے پاس آکر مشورے کرتا رہا تھا۔ کمنٹ دیتا رہا فیحہ اور ازہان کے خوب صورت اور خوش لگنے پر اس کی رائے پوچھتا رہا تھا۔ عینا کے لیے اس کی ذات پہلی بار کھل کر سامنے آئی تھی۔

وہ بے حد ذمہ دار، حساس اور پیار کرنے والا انسان تھا۔

فیحہ اس سے اور عینا سے ناراض تھی مگر ان دونوں نے مل کر اسے منا لیا تھا۔ تقریب کے اختتام کے بعد جواد صاحب اور مرینہ بیگم نے ازہان اور فیحہ دونوں سے رات رکنے کی درخواست کی مگر ان دونوں نے ہی معذرت کرلی۔ تاہم رخصتی سے قبل اس نے ازہان کے معاملے میں مرینہ بیگم کے ساتھ بدتمیزی پر نہ صرف ان سے معافی مانگ لی تھی بلکہ ان کا بے حد شکریہ بھی ادا کیا کہ انہوں نے اتنے اچھے قابل لڑکے کو اس کے لیے پسند کیا جو شاید اس کی ماں بھی نہ کرسکتی۔

گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وہ عینا کے پاس بھی رکی تھی اور اس نے جھک کر اس کے کان میں کہا تھا کہ وہ معید کے بارے میں ضرور سوچے کیونکہ وہ ایک بے حد اچھا اور قابل انسان ہے۔

عینا کا دل دھڑکا تھا مگر وہ اپنے ضمیر کا کیا کرتی جو اسے پابند کیے ہوئے تھا کہ معید کسی اور کی امانت اور خواب ہے اسے کسی اور کے حق پر شب خون نہیں مارنا چاہیے۔

تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی سارے مہمان بھی رخصت ہوگئے عینا اپنے کمرے میں آئی تو اس کا دل بے حد مضطرب تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوکر ساری جیولری اور چوڑیاں اتارتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل معید کے بارے میں سوچ رہا تھا اور پھر ساری جیولری اتار کر، کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آئی تو معید کے بارے میں ہی سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتا بھی نہ چلا۔ ابھی اسے سوئے ہوئے بمشکل ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا معید نے اسے جگادیا۔

"باہر آؤ جلدی۔" جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی وہ حکم دے کر کمرے سے نکل گیا۔

عینا پریشان سی اٹھ کر بنا جوتا پہنے اس کے پیچھے چلی آئی۔

"کیا ہے سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہوں خیریت ہے تمہیں شرم نہیں آتی تمہارا دوست ابھی جاگ رہا ہے اور تم جاکر مزے سے سوگئیں بندہ کسی کا خیال ہی کرلیتا ہے یار۔" لاؤنج میں آنے کے بعد اس نے اسے جگانے کی وجہ بتائی تھی وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔

"معید تم بہت برے ہو سچ میں، بھلا یہ کوئی تک ہے کسی کو جگانے کی؟"

"بالکل تک ہے میں ابھی فارغ ہوکر آیا ہوں سارا سامان وغیرہ لوڈ کروا کر اور تم شہزادی صاحبہ بجائے تھوڑی مدد کرانے کے سارے گدھے گھوڑے بیچ کر سوگئیں شیم آن یو۔"

"تو کیا کروں ساری رات یہاں بیٹھ کر تمہارا دماغ چاٹوں؟"

"بالکل مگر پہلے اچھی سی چائے بنالاؤ بہت تھکن محسوس ہورہی ہے۔"

"ایک شرط پر بناؤں گی۔" عینا نے کہا تو معید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"شرط...... یار یہ تم سیاسی کب سے ہوگئیں؟"

"بس ہوگئی، تم بتاؤ شرط پوری کروگے کہ نہیں؟"

"کروں گا اگر معقول ہوئی تو اب جاؤ جاکر جلدی سے چائے بنالاؤ سر درد سے پھٹ رہا ہے سچ میں۔" صوفے کی

پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ عینا کو ناچار اٹھنا پڑا چائے بنا کر وہ واپس لاؤنج میں آئی تو معید شاید نیند کے حصار میں چلا گیا تھا۔

اس نے ایک نظر اس کی بند پلکوں کو دیکھا پھر چائے کے کپ ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھے جس سے معید کی آنکھ کھل گئی۔

"شاباش تم واقعی بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"میری اچھائی کو چھوڑو، یہ بتاؤ وہ لڑکی کون ہے جس کا تم نے جوگ لگایا ہوا ہے؟" اپنا کپ تھام کر وہ اس کے مقابل ٹک گئی تھی معید نے بے حد اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں نے کوئی جوگ لگایا ہوا ہے؟"

"کسی نے بھی کہا ہو تم بس میرے سوال کا جواب دو کیونکہ تم شرط پوری کرنے کا وعدہ کرچکے ہو۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو عینا! ایسی کوئی بات نہیں ہے تمہیں کسی نے غلط گائیڈ کیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم اپنی زندگی کا یہ راز مجھ سے شیئر نہیں کرو گے؟"

"جب راز ہوگا تب شیئر کرلوں گا ابھی فضول میں اپنی انرجی ضائع نہ کرو۔" وہ کسی طور اس ٹاپک پر بات کرنے کے لیے راضی دکھائی نہیں دے رہا تھا عینا نے بھی بحث مناسب نہیں سمجھی۔ اگلے روز وہ اسپتال چلا گیا۔

عینا تھکن اور رات دیر تک جاگنے کے سبب صبح دیر تک سوتی رہی تھی۔ ظہر کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو مرینہ بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"عینا، میں اور جواد ذرا شہر جارہے ہیں شام تک واپس آجائیں گے تم ذرا کچن دیکھ لینا اور معید کے کمرے پر بھی اک سرسری سی نظر ڈال لینا آج کام والی نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے پھپھو! میرا سلام دیجیے گا سب کو۔" اسے سستی ہورہی تھی پھر بھی وہ اٹھ بیٹھی تھی مرینہ بیگم اثبات میں سر ہلاتی فوراً باہر نکل گئی تھیں کہ جواد صاحب گاڑی اسٹارٹ کیے بیٹھے تھے۔

عینا نے اٹھ کر پہلے باتھ لیا، پھر کچن میں چلی آئی ناشتے کا موڈ نہیں ہورہا تھا پھر بھی اس نے ہلکا پھلکا ناشتہ کرلیا۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ معید کے کمرے میں چلی آئی جہاں اس کی آمدورفت کسی بہت ضروری کام کے سلسلے میں ہی ہوتی تھی۔

اس وقت اس کے کمرے کا حال خاصا ابتر تھا وہ کھل تندہی سے اس کی صفائی ستھرائی میں جت گئی۔ پہلے ساری بکھری ہوئی چیزیں اٹھا کر ان کے ٹھکانوں پر رکھیں پھر صفائی کرکے ڈسٹنگ کی پھر وارڈروب سے سارے کپڑے نکال کر علیحدہ کیے میلے کپڑے سائیڈ پر رکھے جو سوٹ دھلے تھے ان کو پریس کرکے ہینگ کیا اس کے موزے، ٹائیاں، شرٹس علیحدہ کرکے رکھیں پھر بیڈ کی چادر تبدیل کی تکیوں کے کور تبدیل کیے اور ان سب کاموں کے درمیان تکیے کے نیچے سے نکلنے والی وہ سیاہ جلد والی ضخیم ڈائری مسلسل اس کی نظروں میں رہی تھی جس کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل بے ساختہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

فجہ کے بقول معید کی زندگی میں کوئی لڑکی تھی جس کی تصویر اس کی ڈائری میں تھی اور وہ جب بھی بہت خوش یا ڈیپریس ہوتا تھا تو لازمی اپنی وہ خوشی یا دکھ اس ڈائری کے بے جان صفحات کے ساتھ شیئر کرتا تھا اب جبکہ وہ لڑکی اس کی زندگی میں نہیں تھی پھر اس ڈائری کا معید کے تکیے کے نیچے ہونا بھلا کیا معنی رکھتا تھا؟

کیا فجہ کی شادی اور کل رات ولیمے کی تقریب پر اس نے اس لڑکی کو مس کیا ہوگا؟

دل کی دھڑکن تھی کہ بڑھتی جارہی تھی کپکپاتے ہاتھوں سے ڈائری اٹھاتے ہوئے وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

❀......❀......❀

زعیم کی لاڈلی بھوری کے ساتھ عائزہ کی بھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ بھی زعیم کی طرح اس کا خیال رکھتی تھی جواباً بھوری بھی اسے دیکھتے ہی بولنے لگتی۔ پورے باڑے میں کدکڑے لگاتی پھرتی۔ اقصیٰ کا خیال تھا کہ وہ بڑی ہوگئی تھی لہٰذا اسے رسی ڈال دی جائے مگر عائزہ کا دل نہیں مانتا تھا۔

اس نے گاؤں میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام

کرتے دیکھا تھا کبھی کھیتوں میں فصلوں کی کٹائی کرتے ہوئے کبھی کھیتوں کی صفائی کرتے ہوئے کبھی ڈھور ڈنگروں کے ساتھ انہیں چارہ ڈالتے اور دودھ دوہتے ہوئے، عائزہ کے لیے عورت کا یہ روپ بے حد حیران کن اور دلچسپ تھا۔

ان پڑھ جاہل بدصورت مردوں کی دن رات ماریں کھا کر بھی دیسی عورتیں کس بہادری اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اپنے مردوں سے زیادہ زندگی کا بوجھ ڈھو رہی تھیں۔ ایک طرف گھر اور بچے تھے تو دوسری طرف کھیت وہ کئی بار جھرجھری لے کر رہ جاتی تھی۔

گھر میں نزہت آپا اسے کسی کام میں ہاتھ لگانے نہ دیتیں کہ کہیں اس کے خوب صورت نازک ہاتھ خراب نہ ہوجائیں مویشیوں کا سارا کام بھی وہ خود ہی کرتی تھیں۔ عائزہ کو ان کی تھکن کا احساس تھا تبھی وہ ان کے منع کرنے کے باوجود اکثر کاموں میں ان کا ہاتھ بٹادیا کرتی تھی۔

نزہت آپا کے بچوں کو ٹیوشن اور اقصیٰ کو فرسٹ ایئر کی پرائیویٹ تیاری کا کام بھی اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ماں جی اور بابا اس سے بہت خوش تھے۔ اس کے گاؤں میں آجانے سے ان کے گھر کی رونق بڑھ گئی تھی پھر وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی گاؤں کی بہت سی عورتوں کے مسائل چٹکیوں میں حل کردیتی تبھی دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاؤں میں خاصی مقبول ہوگئی تھی۔

گاؤں کے لوگ نہ صرف اسے غیر معمولی محبت دے رہے تھے بلکہ ان کے دلوں میں اس کے لیے بہت عزت بھی تھی عائزہ کو زندگی میں پہلی بار بہت سے نئے تجربے ہورہے تھے ادھر زعیم شہر جاکر بے حد ڈسٹرب ہوگیا تھا۔

وہ فلیٹ جہاں وہ کئی سالوں سے اکیلا سکون سے رہتا آیا تھا وہی فلیٹ اب عائزہ کے بغیر اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اسے نہ کوئی چیز اچھی لگ رہی تھی نہ کام میں دل لگ رہا تھا۔

کتنی رعونت سے اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں چھوڑ سکتا۔ کتنی حقارت سے کہا تھا کہ اگر اسے اس کی ضرورت ہوتو اسے بلا لے وہ شوہر کے فرائض ادا کردے گا مگر آج ساری رعونت اس کے لہجے کی ساری حقارت خود اس کے منہ پر کسی طمانچے کی طرح آلگی تھی۔ اس کا دل اس سے بغاوت کا اعلان کررہا تھا۔ وہ اس کی انا اس کے اصول وضوابط اس کے وقار کو نہیں مان رہا تھا اور اس ہی طرح کروٹ پہ کروٹ بدلتے ایک اور رات اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مگر سکون کی فاختہ تھی کہ کسی طور زعیم کی گرفت میں آکر نہیں دے رہی تھی۔

❀......❀......❀

بلیک کور والی خوب صورت صفحات کی ڈائری اس کے سامنے کھلی تھی اور عینا کا دل تھا کہ تیزی سے دھڑکتا جارہا تھا کسی کی امانت میں خیانت اسے اب بھی گوارا نہیں تھی مگر......

اب اندر کا تجسس اور الجھن اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ یہ خیانت کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ شروع کے چند صفحات دل کو چھو لینے والے خوب صورت اشعار سے مزین تھے تبھی چند صفحات کے بعد ہی صفحے کی مختصری عبارت نے اس کی توجہ کھینچ لی تھی۔

"میں نہیں جانتا جسم سے جان نکلتی ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس وقت میرا دل جس تکلیف کے حصار میں ہے یہ تکلیف جان نکلنے سے کم والی تکلیف نہیں ہے کاش تم دیکھ سکتیں، جو اس وقت میرا حال ہے وطن سے دور، اپنے رشتوں سے محروم اس سرد رات میں مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرا خون تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو دینے کے احساس سے رگوں میں جمتا جارہا ہے..... کاش میں تمہیں خوش رہنے کی دعا دے سکتا، کاش......!"

عینا نہیں جانتی تھی کہ وہ تحریر اس نے کب اور کیوں لکھی تھی مگر وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ جس وقت معید نے وہ تحریر لکھی تھی اس وقت وہ بہت اذیت میں تھا اتنی اذیت میں کہ شاید اس سے ٹھیک سے لکھا بھی نہیں گیا تھا۔

بہت محبوب چیز کو کھودینے کا ڈر شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔

ڈائری کے اگلے صفحات پھر دل کو تڑپا دینے والے خوب صورت اشعار اور غزلوں سے بھرے تھے۔ تبھی پھر اس کی نظریں ایک صفحے پہ آکر ٹھہر گئی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے آج میں کتنا خوش ہوں، مجھے لگتا ہے جیسے میں نے ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھولیا ہو، بادلوں کو پکڑ لیا ہو آج کتنی مدت کے بعد میری آنکھوں نے تمہارا چہرہ دیکھا ہے، وہ چہرہ جو میری ساری دنیا ہے، وہ چہرہ جس سے ہٹ کر میرے لیے کائنات کی کوئی چیز معنی نہیں رکھتی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تو دل پھٹنے لگتا ہے تم کیوں اچھی لگی مجھے کیوں آئیں میری زندگی میں جب تمہیں میرا ہونا ہی نہیں تھا۔ جب میرے ہاتھوں کی لکیروں میں تمہارا نام ہی نہیں تھا۔"

کتنا بکھرا ہوا شخص تھا وہ کتنا درد تھا اس کے اندر۔

مگر وہ درد کیوں تھا؟ کون تھی وہ لڑکی جس نے اس جیسے فرینڈلی، خوش مزاج شخص کی زندگی بکھیر کر رکھ دی تھی۔

امانت میں خیانت کر کے بھی اسے اس کہانی کا کوئی سرا نہیں ملا تھا کیونکہ معید نے کہیں اس لڑکی کا نام ہی استعمال نہیں کیا تھا وہ ایک کے بعد ایک صفحے پر نظر ڈالتی گئی۔ تبھی اس کی نظر پھر ٹھٹکی تھی۔

"کتنی اداسی ہے تمہاری آنکھوں میں، تم روتی ہو تو تمہاری آنکھوں میں آنسو بھی کرلاتے ہیں میرے آنسو اتنے خاموش کیوں ہیں آج تم نے کسی کو کھویا ہے تو بکھر گئی ہو میں بھی تو کب سے بکھرا ہوا ہوں، میں کسی کو نظر کیوں نہیں آتا کیا میں نے زندگی نہیں ہاری؟"

عینا کی آنکھیں کب بھیگیں اسے پتا ہی نہیں چلا اسی صفحے پر اس نے ایک شعر لکھ رکھا تھا۔

نجانے کب بچھڑ جائے گا مجھ سے
وہ میری زندگی ہوتے ہوئے بھی

ایک ایک لفظ جیسے کفن اوڑھے اپنے مقبرے میں پڑا تھا۔ کیا کوئی شخص اتنا باحوصلہ بھی ہوتا ہے کہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کے اوپر سے ہنس ہنس کر سب سے ملتا رہے عینا کو اب اس بات کی سمجھ آرہی تھی کہ وہ ہمیشہ اس کا اور فجہ کا اتنا خیال کیوں رکھتا تھا، وہ خود اندر سے زخمی تھا تو اسے دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھ کر بھی راحت نصیب ہوتی تھی۔

کاش اس کی زندگی میں کاتب تقدیر نے ریان ملک کی جگہ اس جیسا آئیڈیل شخص لکھ دیا ہوتا۔ اس لمحے یہ دعا اس کی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تمنا بن کر نکلی تھی۔

آگے ڈائری کے صفحات خالی تھے دل کی دھڑکن تھم گئی تھی آنسوؤں کا بہاؤ بھی رک گیا تھا ایک آخری تلاش کے طور پر اس نے ساری ڈائری کے صفحات ہاتھ میں لے کر ایک دم پلٹے تھے کہ شاید کہیں کچھ اور لکھا ہو اور تبھی وہ صفحہ اس کی نظر میں آگیا تھا جو اس پوری ڈائری کا حاصل تھا۔ شاید یہی وہ صفحہ تھا جسے لکھنے کے لیے وہ ڈائری لاکر سے نکال کر اپنے بیڈ پر لے آیا تھا اور پھر وہیں تکیے کے نیچے بھول گیا تھا۔

صفحہ کیا تھا عینا کی زندگی تھا۔

"وقت پر قربان جاؤں، دیکھو پھر سے تمہیں کسی خوشبو کی مانند اڑا کر میری زندگی میں واپس لے آیا ہے پروین شاکر نے کہا تھا۔

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

تم جانتی ہو پروین کا یہ مسئلہ میرا مسئلہ بن گیا تھا۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آتی میں کدھر جاؤں؟ اوائل عمر کی محبت جان کا روگ بن کر وجود کو کھا رہی تھی۔ تمہیں کھو دینے کے باوجود جب جب تمہارا کوئی درد میرے سامنے آیا میرا بس نہیں چلتا تھا کہ تمہیں تکلیف دینے والے کی سانسیں کھینچ لوں مگر میں آج بھی اتنا ہی بے بس ہوں میری جان، جتنا اس وقت تھا جب دیار غیر میں مما نے مجھے تمہاری شادی کی اچانک خبر سنائی تھی اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا میں کبھی اس محبت کی شدت جان ہی نہیں سکا جو میرے دل نے تم سے کی تمہیں کھونے کے بعد میں نے جانا کہ زندگی کیا ہوتی ہے، تمہیں تو شاید کبھی خبر بھی نہیں ہوگی کہ میرے اندر تمہارے لیے کیا ہے۔ جب کبھی بچپن میں چوٹ کھا کر تم گرتی تھیں تو تمہیں کچھ نہیں ہوتا تھا مگر میری جان نکل جاتی تھی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنی اچھی کیوں ہو اتنی سادہ اور معصوم، تم میں دنیا کی دوسری ساری لڑکیوں کی طرح دنیا داری کیوں نہیں ہے۔

تم کیوں نہیں میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے دل کا حال جان لیتی، کیا ہر جذبے کو بے نقاب کرنے کے لیے ہونٹوں کا احسان لینا ضروری ہے، کیا میری آنکھوں میں تمہیں اپنے لیے کوئی عکس نظر نہیں آتا کیا ہر بار مجھے تم کو بتانا پڑے گا کہ تم میری زندگی ہو؟

کیا ازہان کی طرح تقدیر مجھ پر اچانک مہربان نہیں ہوسکتی۔ کچھ بھی کہے، جانے بغیر کیا تم میری زندگی کا حصہ نہیں بن سکتیں، ایک بار...... صرف ایک بار بن کر دیکھو یار، اس صحرانورد بھٹکے ہوئے مسافر کی زندگی کا حصہ بننے میں بڑی راحت ہے۔" صفحہ ختم ہوچکا تھا۔

وہ شخص جتنا خود الجھا ہوا تھا اتنا ہی اس نے اپنی زندگی کو بھی الجھا رکھا تھا عینا نے ڈائری بند کردی اس کے اندر اس لمحے جیسے طوفان اٹھ رہے تھے۔

کتنا مشکل تھا وہ شخص اور اس کی چپ نے ان دونوں کی زندگیوں کو کتنا مشکل ترین بنا دیا تھا۔ وہ روئی اور خوب بلک بلک کر روئی تھی۔ پورا دن خاموشی سے رونے میں گزر گیا تھا شام سے کچھ پہلے اس نے وہ ڈائری اسی مقام پر رکھ دی خود کو کچن کی راہ دکھائی۔

مرینہ بیگم لیٹ ہوگئی تھیں، ان کا فون آیا تھا کہ وہ کل آئیں گی، معید البتہ تھوڑی لیٹ آگیا تھا۔ وہ اس وقت گم سم سی لاؤنج میں بیٹھی تھی جب وہ تھکا تھکا سا اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم، خیر ہے آج بڑی شمیم آرا بنی بیٹھی ہو۔"

"ہوں خیر ہی ہے، وعلیکم اسلام۔"

"آپی کدھر ہیں؟"

"شہر گئی ہوئی ہیں، بڑے ابا نے بلایا تھا۔"

"خیریت؟"

ذرا سا جھک کر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ عینا نے آنکھیں پھیر لیں۔

"ہوں خیریت ہی ہوگی، تم فریش ہوجاؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"نہیں، کھانے کو گولی مارو، تم پہلے مجھے بتاؤ اتنی اداس کیوں ہو کیا کوئی یاد آرہا ہے۔"

"نہیں۔"

تین انمول موتی

- اس شخص کا دل کبھی مت توڑو جو آپ کو پسند کرتا ہو۔
- اس شخص کو کبھی خدا حافظ مت کہو جس کو آپ کی ضرورت ہو۔
- اس شخص کو کبھی شرمندہ مت کرو جو آپ پر بھروسا کرتا ہو۔

سائرہ...... بورے والہ

"نہیں تو پھر؟"

کتنا بے چین ہوجاتا تھا وہ اس کے ہر معاملے میں عینا نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔

"پھر کچھ نہیں یونہی بس ایک چھوٹی سی الجھن تھی۔"

"کیسی الجھن بتاؤ مجھے۔" بنا اپنی تھکن کی پروا کیے بے حد مضطرب ہوکر وہ اس کے پہلو میں آبیٹھا تھا عینا کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"تمہیں بتا دوں گی تم کیا کرلو گے؟"

"جو بن پڑا کروں گا تم بتاؤ مجھے۔"

"اوکے، میری یونیورسٹی میں ایک لڑکا ہے، بہت اچھا ہے بہت شریف ایک آئیڈیل مرد، یونیورسٹی کی تقریباً آدھی سے زیادہ لڑکیاں اس پر مرتی ہیں۔"

"ان لڑکیوں کو سوائے لڑکوں پر بے موت مرنے کے دوسرا کوئی کام بھی ہے، احمق ناں ہوں تو۔ یونیورسٹی پڑھنے آتی ہیں کہ لڑکوں پر مرنے؟"

"ٹھیک ہے تم پہلے اپنا لیکچر جھاڑ لو۔" وہ خفا ہوئی تھی معید مسکرا دیا۔

"نہیں جھاڑتا لیکچر بتاؤ تمہاری الجھن کیا ہے۔"

"میری الجھن یہ ہے کہ اس لڑکے نے مجھے پرپوز کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتا ہے جبکہ اسے یہ پتا ہے کہ میں میرڈ اور ایک بیٹے کی ماں رہ چکی ہوں، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا جواب دوں۔"

"کیا تم بھی اس میں انٹرسٹڈ ہو۔"

عینا نے دیکھا معید کی مقناطیسی سیاہ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں، میں نے کبھی دعا سلام بھی نہیں کی اس سے۔''

''تو ٹھیک ہے بس انکار کردو فوری، اس میں الجھن والی کیا بات ہے۔''

''الجھن والی بات ہے میں اسے لیے انکار نہیں کرسکتی، پھپو نے اسے اوکے کردیا ہے وہ مجھے اب کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں فیحہ کی شادی کے بعد اب بس ان کی یہی خواہش ہے کہ وہ مجھے بھی پار لگادیں اور پھر لندن میں اس لڑکی سے جا کر ملیں جوان کے بیٹے کی پسند ہے۔ پھپو کا کہنا ہے بھلا مجھ جیسی شادی شدہ ایک بیٹے کی ماں کے لیے ایسا رشتہ دوبارہ کہاں آئے گا اور وہ نہیں چاہتیں کہ تمہاری بیوی آنے تک میں یہاں رہوں اس گھر میں۔''

''جسٹ شٹ اپ یار، امی بھلا ایسے کیسے کرسکتی ہیں۔ یہ میری زندگی ہے کوئی مذاق تھوڑی ہے۔'' ایک دم سے جذباتی ہوتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عینا دل ہی دل میں مسکرادی۔

''پھپو کب مذاق بنانا چاہتی ہیں تمہاری زندگی کو، وہ بھی تو تمہاری بہتری اور خوشی ہی چاہتی ہیں اور میں نے بھی تمہاری بہتری اور خوشی کے لیے یہی فیصلہ کیا ہے کہ میں اس لڑکے سے شادی کرلوں۔''

''بھاڑ میں گئی میری بہتری اور خوشی۔'' ازحد جذباتی ہوکر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عینا کھل کر مسکرادی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانا لے کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھا بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

''معید..... تم ڈاکٹر ہوتے ہوئے سگریٹ پی رہے ہو۔''

''عینا پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''اوکے، چھوڑ دوں گی مگر یہ کھانا کھالو پہلے، دیکھو کتنی محنت سے تمہاری فیورٹ ڈشز تیار کی ہیں۔''

''ابھی بھوک نہیں ہے بعد میں کھالوں گا۔''

''معید تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اگر تم اپنی پسند کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو مت کرو مگر میری شادی تو ہونے دو۔''

''بہت شوق ہے تمہیں شادی کا؟'' اس کی بات پر غرا کر پوچھتے ہوئے اس نے بے حد غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ عینا کی ہنسی نکل گئی۔

''اتنے غصے کیوں ہورہے ہو، فیحہ کی بھی تو شادی ہوئی ہے۔''

''تو تمہیں فیحہ کی جیلسی ہورہی ہے۔''

''ہاں، دیکھو نا کتنا پیارا شوہر ملا ہے اسے اتنا اسمارٹ ہینڈ سم، پھر اتنا چاہنے والا۔'' اس نے چڑایا تو معید نے لب بھینچتے ہوئے بیڈ کی پٹی کے ساتھ سر ٹکا کر پلکیں موند لیں۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے ڈاکٹر صاحب؟'' وہ آج بہت خوش تھی اور اس کا دل اس بے ایمانی پر اس سے زیادہ خوش تھا۔ معید چپ رہا۔

''معید......'' چند لمحے خاموشی سے گزر جانے کے بعد اس نے اسے پکارا تھا اور تبھی معید نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ رتجگوں کی امین، بے حد سرخ آنکھیں مگر کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں؟ عینا کو لگا جیسے اس کا سارا جسم برف میں تبدیل ہوگیا ہو۔

معید کی آنکھوں میں دیکھتی، بنا پلک جھپکائے، وہ پتھر ہورہی تھی۔ ایک عجیب سے طلسم کا شکار ہورہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے معید کی نگاہوں نے اس کی آنکھوں کو اپنے طلسم میں جکڑ لیا ہوا، کتنی ہی دیر بنا پلک جھپکائے دیکھنے سے خود اس کی آنکھیں بھی نمکین پانیوں سے بھر آئیں تھیں۔ تبھی معید نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کیا اور وہ جیسے کٹی ہوئی شاخ کی مانند ٹوٹ کر اس کے سینے سے لگی، بچوں کی طرح رو پڑی تھی۔ معید کے بازوؤں نے اسے یوں شدت سے خود میں سمو لیا تھا کہ اگر ذرا سی گرفت ڈھیلی کی تو کہیں وہ پھر سے کھو نہ جائے اور عینا کے لیے یہ لمس، یہ حصار زندگی تھا۔

اس کے دل نے صرف ایک لمحے کے لیے اس شخص کی تمنا کی تھی اور اس کے مہربان رب نے وہی ایک لمحہ قبول فرما لیا تھا۔ معید نے صحیح لکھا تھا زندگی میں ہر جذبے کے اظہار کے لیے ہونٹوں کا احسان لینا ضروری نہیں ہوتا۔

بات بہت چھوٹی سی تھی۔ مگر اس چھوٹی سی بات کے راز سے پردا اٹھنے میں اتنے سال لگ گئے تھے۔

عینا کا ہچکیاں لیتا گداز وجود معید کو کتنا ڈسٹرب کر گیا تھا یہ عینا نہیں جانتی تھی تاہم وہ اپنی دھڑکنوں میں اس کی دھڑکنوں کا شور محسوس کرکے سکون کی ایک میٹھی لہر اپنے پورے وجود میں سرایت کرتی محسوس کررہا تھا۔

برسوں کی تڑپ قرار پاگئی تھی۔

کل وہ اذہان کو خوش دیکھ کر اس پر رشک کررہا تھا آج اس کی محبت اس کے سینے سے لگی سسکیاں لے رہی تھی۔ وقت بدلتا ہے اس کا بھی وقت بدل گیا تھا۔

عینا بن کہے اس کے ہر جذبے، ہر احساس کو سمجھ گئی تھی اور زندگی کا یہ احسان کوئی کم تو نہیں تھا۔

''تم میری زندگی ہو عینا، اب اگر تم نے مجھ سے دور ہونے کا سوچا تو قسم کھا کے کہتا ہوں میں مرجاؤں گا۔'' عینا کے رونے پر وہ بھی رو پڑا تھا تبھی وہ تڑپ کر الگ ہوئی تھی۔

''اگر میں ہی تمہاری زندگی تھی تو پھر اب تک چپ کیوں رہے، کبھی بتایا کیوں نہیں؟''

''کیسے بتاتا، جب تک خود مجھے پتا چلا، تم کسی اور کی امانت ہوچکی تھیں پھر کیسے بتاتا، کیا تمہاری زندگی ڈسٹرب کردیتا، ہم دونوں جلتے اس سے بہتر مجھے یہی لگا کہ میں اکیلا جلوں، اکیلا روؤں اور تڑپوں۔''

''بہت برے ہو تم معید، قسم سے، بہت برے ہو۔''

''بس اب جیسا بھی ہوں تمہیں قبول کرنا پڑے گا نہیں تو میں اپنی جان دے دوں گا۔'' بھیگی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے وہ اسے دھمکی دے رہا تھا۔ عینا نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''خبردار اگر دوبارہ ایسی بات کی تو جان لے لوں گی۔''

''لے لو، دل بھی تو لیا ہوا ہے پہلے قبضہ گروپ کہیں کی، جان من تجھے میں دے دوں گا۔'' وہ مسکرایا تو عینا بھی اسے گھور کے دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

عنایا راجہ

آنچل کے پیارے پیارے قارئین کو پیار بھرا اسلام' مجھے عنایا راجہ کہتے ہیں اور پنجاب کے شہر جہلم میں رہتی ہوں' ذات کے لحاظ سے ہم راجپوت ہیں۔ میں 17 ستمبر 1995ء کو پیدا ہوئی' ہم چار بہن بھائی ہیں ایک بہن اور تین بھائی۔ میرا نمبر تیسرا ہے میں بی ایس سی پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے اور ہمیں بہت مزا آتا ہے جوائنٹ فیملی سسٹم میں۔ آنچل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے مجھ میں خوبی ایک بھی نہیں ہے لیکن خامیاں بہت زیادہ ہیں۔ غصے کی تیز ہوں' منافق لوگ بالکل بھی پسند نہیں۔ نازیہ کنول نازی میری فیورٹ رائٹر ہیں' مجھے ان سے ملنے کی شدید خواہش ہے' ان کے سب ناولز بہت پسند ہیں۔ میرے فیورٹ شعرا میں فراز' وصی شاہ' پروین شاکر اور نازیہ کنول نازی شامل ہیں۔ فیورٹ کرکٹر جنید خان اور شاہد آفریدی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری آئیڈیل شخصیت ہیں۔ کتابوں میں قرآن پاک موسٹ فیورٹ ہے پھر نازیہ کنول نازی اور عمیرہ احمد کے تمام ناولز پسند ہیں۔ پاک آرمی سے عشق ہے اور میری خواہش ہے آرمی میں جانے کی پلیز آپ سب دعا کیجیے گا۔ آخر میں بس اتنا ہی کہ اپنی دعاؤں میں امت مسلمہ اور پاکستان کو ضرور یاد رکھیں' اللہ حافظ۔

موسم بدل رہا تھا مگر اس بار بدلتے موسم نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ بے شک اللہ صبر کا اجر دیتا ہے۔ عینا اور معید دونوں کو اللہ نے ان کے صبر کا بہترین اجر عطا فرمایا دیا تھا۔

❁......❁......❁

موسم بدل رہا تھا۔

گرمیاں رخصت ہورہی تھیں اور سردیوں کی آمد آمد تھی۔

زعیم کو شہر گئے پورے پندرہ دن ہوگئے تھے مگر ان پندرہ دنوں میں وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں آیا تھا۔ عائزہ سمجھ سکتی تھی کہ اسے کیوں گاؤں آنے کی فرصت نہیں ملی ہوگی۔ نگہت

اس کی غیر موجودگی میں اس کے پاس تھی، پھر بھلا اسے گاؤں آنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو ویسے بھی اس کی محض ضد تھی۔

اس روز آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

نزہت بھابی کے ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا کلیم بھاء اور وہ رات میں ہی چلے گئے تھے۔ اقصیٰ کی کسی دوست کی گاؤں میں شادی تھی۔ وہ عائزہ سے چلنے کا اصرار کرتی رہی مگر اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا اس نے منع کردیا۔ تب ناراض ہوکر اقصیٰ اکیلی ہی چلی گئی مگر عائزہ جانتی تھی کہ وہ اسے منا لے گی۔

ماں جی گھر پر تھیں مگر ان سے کام نہیں ہوتا تھا عائزہ کچھ دیر کمرے میں ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی رہی پھر باہر نکل آئی، صبح کا ناشتہ وہ بنا چکی تھی۔ دوپہر میں کوئی کھانا نہیں کھاتا تھا لہٰذا وہ صفائی اور کپڑوں کی دھلائی کا کام مکمل کرتی تھی، موسم کا کوئی اعتبار نہیں تھا رفتہ رفتہ جیسے جیسے دن ڈھل رہا تھا بادل گہرے ہوتے جارہے تھے۔

وہ کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہوئی تو سبزی بنانے بیٹھ گئی، جانوروں کو ابا جی چارہ وغیرہ ڈال گئے تھے۔ لہٰذا اسے ان کی فکر نہیں تھی۔ موسم کے تیور دیکھتے ہوئے اس نے تندور پہلے جلا لیا تھا تاکہ روٹی بنالے وگرنہ بارش شروع ہوجاتی تو شام کا کھانا خاصا لیٹ ہوسکتا تھا نزہت بھابی اسے تندور میں روٹی لگانا سکھا چکی تھیں مگر پھر بھی وہ ابھی ماہر نہیں تھی تبھی ہاتھ جلا بیٹھی تھی۔ آخری روٹی ابھی تندور کے اندر ہی تھی جب یکا یک اندھیرا چھا گیا۔

عائزہ نے جلدی سے روٹیاں لپیٹ کر رکھیں اور تندور ڈھانپتے ہوئے اوپر چھت پر چلی آئی جہاں ابھی دو گھنٹے پہلے اس نے کپڑے دھوکر پھیلائے تھے۔ جلے ہوئے ہاتھ کی تکلیف کی پروا کیے بغیر اس نے جلدی جلدی تار سے کپڑے سمیٹنے شروع کردیے تھے مگر بارش نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا ایک ہی پل میں بارش کی موٹی موٹی بوندیں زمین کے سینے کو سیراب کرنے لگی تھیں۔ عائزہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسے یوں اکیلے کبھی ایک ساتھ اتنے سارے کاموں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ تبھی گھبرا گئی تھی ساتھ ہی ساتھ بارش کی شدت میں باڑے سے اٹھنے والی بکریوں کی میں میں نے اسے پریشان کردیا۔

کپڑے ہاتھ میں تھامے اس نے چھت کے اوپر سے ہی باڑے میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں بھوری اور اس کی ماں احاطے میں بندھی چیخ رہی تھیں، شاید اس کی طرح انہیں بھی بارش سے ڈر لگتا تھا۔ وہ جلدی جلدی سارے کپڑے سمیٹ کر اندر کمرے میں اماں جی کے پاس رکھ کر آئی اور جلدی سے باڑے میں گھس گئی۔ اپنی جلد بازی میں اس نے سائیڈ پر بیٹھے زعیم کو دیکھا ہی نہیں تھا، جو ماں جی سے اس کی تعریفیں سن رہا تھا۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایک شہری لڑکی جو بے حد نازک مزاج، نازک اندام اور گھمنڈی تھی اس نے اپنے آپ کو فقط کچھ ہی روز میں دیہی لڑکی میں بدل لیا تھا، کیوں؟

اسے تو گاؤں کے نام سے ہی نفرت تھی وہ تو کھلم کھلا دیہی لوگوں کی زندگی کا مذاق اڑاتی تھی پھر اب کیا ہوا تھا؟ ابھی دس منٹ پہلے ہی وہ برستی بارش میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر شہر سے گاؤں آیا تھا اور آتے ہی اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے جب ماں جی نے اسے بتایا تھا کہ نزہت بھابی اپنے میکے اور اقصیٰ اپنی دوست کی شادی میں گئی ہوئی تھی اور گھر کا سارا کام صبح سے اکیلی عائزہ نے سنبھالا ہوا تھا۔

وہ شاید اتنی جلدی یقین نہ کرتا جو اسے ڈھیروں کپڑے سمیٹے، کمرے میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیتا، کپڑے پھینکتے ہی وہ باڑے کی طرف بھاگی تھی اور زعیم کی آنکھیں اس پر ٹھہری رہ گئی تھیں۔ جبکہ بھینسوں کو کلیم بھاء کل ہی برآمدے میں باندھ گئے تھے صرف بکریاں بنا کسی چھت کے احاطے میں بندھی تھی۔ تبھی زور پکڑتی بارش نے انہیں پریشان کردیا تھا اور ان میں ہلچل مچ گئی تھی۔

عائزہ جلے ہاتھ کی تکلیف کے باوجود لپک کر ان کی طرف آئی تھی طوفانی بارش کی شدت نے لمحوں میں اسے اچھا خاصا بھگو ڈالا تھا۔ اتنی تیز بارش میں سوائے بکریوں کے شور کے اسے اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا زعیم کی پکار بھی نہیں۔ جیسے تیسے کرکے اس نے بھوری کی ماں کی رسی کھول دی تھی۔ مگر دوسری بکری خاصی طاقتور اور اڑیل تھی اوپر سے

کھونٹوں پر رسی کی گانٹھیں اتنی مضبوط تھیں کہ عائزہ کے ہاتھ رہ گئے تھے کھولتے کھولتے اسی کوشش میں طوفانی بارش سے پریشان بکری اس کے پاؤں پر چڑھ دوڑی تھی جس سے وہ تڑپ کر رہ گئی۔

آنکھیں جہاں آنسوؤں سے بھرائی تھیں وہیں لبوں سے بے ساختہ سی کی آواز نکلی تھی۔ عین اسی لمحے زعیم اس کے سامنے آ بیٹھا تھا عائزہ ٹھٹک گئی۔

"تم چھوڑو میں کھولتا ہوں انہیں تمہارے بس کا کام نہیں ہے یہ۔" سر جھکائے رسی کو ڈھیلی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے بے صبری ہوئی بکری کو بھی قابو کر لیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی، بارش میں بھیگی اسے دیکھتی رہی، زعیم نے ساری بکریاں کھول کر پھر اس کی طرف دیکھا، جس کے کپڑے پور پور بارش میں بھیگ کر جسم سے چپک چکے تھے زعیم کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی اس کی بے باک نگاہیں جیسے اس کے بھیگے سراپے سے لپٹ لپٹ گئی تھیں۔

"اٹھو۔"

بمشکل اس کے ہوش ربا سراپے سے نگاہیں چراتے اس نے کہا تھا عائزہ اس کی پکار پر ہوش میں آتے ہوئے جیسے ہی اٹھ کر ایک قدم چلی، اس کا پاؤں پوری شدت کے ساتھ خالی کھونٹی میں لگا اور وہ ہلکی سی چیخ حلق سے نکالتے ہوئے دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" زعیم اس کے سامنے ہی آ بیٹھا تھا اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

"کچھ نہیں۔"

"دکھاؤ ادھر۔" عائزہ کے پاؤں سمیٹنے کے باوجود اس نے ہاتھ بڑھا کر زبردستی اس کا پاؤں اپنی گرفت میں لے لیا تھا اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کے انگوٹھے کا ناخن ٹوٹ چکا تھا۔ زعیم ابھی ہاتھ بڑھا کر اسے دیکھنا ہی چاہتا تھا کہ عائزہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ٹھیک ہوں، پلیز۔" کپکپاتے لبوں سے اس نے التجا کی تھی مگر وہ پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر بنا آبلہ بھی دیکھ چکا تھا جو آج ہی تندور پر روٹیاں لگاتے ہوئے بنا تھا، تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے اس کے پورے ہاتھ کا جائزہ لیا پھر یکبارگی نگاہیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جو خود بھی نمکین پانی کے کٹورے چھلکائے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے صبر کی انتہا ہوئی تھی عائزہ کی آنکھوں سے چھلکتے موتیوں اور بدن پر لگے زخموں نے اسے ڈھول چٹائی تھی اس کی نظریں خاصی بے قراری سے عائزہ کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چھو رہی تھیں۔ اس لمحے اس کا خود پر سے اختیار اٹھ گیا تھا۔ کوئی طوفان تھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اٹھ کر عائزہ کے دل کی سلطنت کو روندتا ہوا گزر گیا تھا۔

زعیم کی سیاہ، مقناطیسی نگاہیں، خاموشی کی زبان میں ہزار ان کہی خواہشات اجاگر کرتیں اپنے بوجھل پن کے ساتھ پور پور میں شرارے بھر رہی تھیں، اس کا وجود دیکھتے ہی دیکھتے جیسے آتش کدہ بن گیا تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ وہ زعیم کی نگاہوں کے طلسم کو جھٹلا کر نظریں چرا لے مگر وہ طلسم اتنا مضبوط تھا کہ اسے اپنی آنکھیں اس طلسم میں جکڑی محسوس ہو رہی تھیں۔ طوفانی بارش اور درد کا احساس مٹ گیا تھا یاد رہا تھا تو محض اتنا کہ وہ زعیم کے سامنے بیٹھی ہے اور اس کی بے باک شریر نگاہیں، دیوانہ وار اس کا ایک ایک نقش چوم رہی ہیں۔ اس کا سر اس احساس کے ساتھ جھکتا چلا گیا تھا تبھی مدہوش ہوئے زعیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ ذرا سا اوپر کیا اور اگلے ہی پل جھک کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر ثبت کر دیے عائزہ کے پورے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا۔

زندگی میں پہلی بار کوئی مرد اس کے اس درجہ قریب آیا تھا جس کی اجازت اس نے کبھی سندان حسن کو بھی نہیں دی تھی۔ مگر زعیم ملک نے اجازت مانگی کب تھی؟ وہ تو پوری ملکیت و دھونس کے ساتھ مکمل استحقاق بھرے انداز میں اپنا حق وصول کر رہا تھا۔ اتنی شدت سے کہ اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔

بارش کا زور ٹوٹا تھا مگر زعیم کے جذبات کی بارش کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ شاید وہ خود بھی خود کو روکنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ تبھی عائزہ نے ذرا سی ہمت کرتے

ہوئے اسے آہستہ سے پرے دھکیلا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اسے دوبارہ پکڑتا وہ اپنے پاؤں کے زخم کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی، زعیم قدرے غصے اور بے بسی کے ساتھ اسے آوازیں دیتا رہ گیا تھا۔ مگر عائزہ نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔

اس کا دل اس لمحے جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ سانس تھی کہ دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ پورے بدن پر عجیب سا لرزہ طاری تھا زعیم اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر شکستہ سے انداز میں بیڈ پر گر گئی تھی۔

شام تک اسے تیز بخار چڑھ آیا ماں جی نے اس کی تھکن کے خیال سے جگانا مناسب نہ سمجھا زعیم رات میں خاصی تاخیر سے کمرے میں آیا تو دیکھا وہ تیز بخار میں بے سدھ پڑی، بے چینی سے ادھر ادھر سر پٹخ رہی تھی۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، کسی خشک تالاب کی مانند لگ رہے تھے۔ جبکہ چہرہ یوں کملا گیا تھا گویا کسی پھول کو تیز دھوپ میں رکھ کر اس کی ساری شگفتگی اور جاذبیت نچوڑ لی گئی ہو کانپتے ہوئے لبوں سے صرف پانی کی صدا بلند ہو رہی تھی زعیم کی جان پر بن گئی۔

"عائزہ....." لپک کر اس کے قریب آتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا، مگر عائزہ نے اس کی پکار نہیں سنی زعیم کو اس لمحے خود پر بے انتہا غصہ آیا کہ کیوں اس نے اپنی ساری شدتیں یوں چند ہی لمحوں میں اس نازک سی لڑکی پر انڈیل دی تھیں جبکہ وہ ابھی تک اسے اپنی چاہت کا مان بھی نہیں دے پایا تھا۔

"پانی۔"

عائزہ کے خشک لبوں کی صدا دوبارہ بلند ہوئی تھی وہ فوراً اٹھا اور جلدی سے پانی کا گلاس لا کر اس کے لبوں سے لگا دیا۔ وہ اٹھ نہیں سکی تھی تبھی زعیم نے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس کے سر کو اپنے ہاتھ کے سہارے ذرا سا اوپر اٹھایا اور اسے گھونٹ گھونٹ سارا پانی پلا دیا۔

عائزہ کی آنکھیں اس لمحے بے حد سرخ اور بوجھل ہو رہی تھیں جبکہ سانس بھی غیر ہموار تھی۔ پانی پی کر لیٹتے ہوئے اس

چند پھول

جاتے ہوئے صرف چند پھول
وفا کے نام سے منسوب کر کے
اس نے ایک دن میرے آنچل کے پلو میں
باندھے تھے اور کہا تھا
رکھ لو جاناں میری یاد دلائیں گے
اور جب تم آنکھیں بند کر کے
ان کی خوشبو محسوس کرو گی
تو میں لوٹ آؤں گا
نجانے کتنے برسوں کے بعد آج بہت تم یاد آئے تو
آنچل کا پلو کھول کے دیکھا
سارے پھول تر و تازہ تھے
حیران ہو کر آنکھیں بند کر کے
ان کی خوشبو محسوس کرنا چاہی
تب یہ مجھ پر بھید کھلا
سارے پھول مصنوعی تھے
سارے پھول مصنوعی تھے

(نازیہ کنول نازی کے نام)
نادیہ گل نادی..... مخدوم پور

کے لبوں سے کراہ نکل گئی تھی۔ زعیم کا حال دیکھنے والا تھا۔ اس وقت نہایت خراب موسم کی پروا کیے بغیر وہ گاڑی لے کر نکلا اور پھر بنا کسی کو کچھ بتائے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

بارش کی وجہ سے ماں جی، اقصیٰ اور بابا باہر صحن میں سونے کی بجائے اندر کمرے میں سو رہے تھے۔ وہ دوا لے کر کمرے میں آیا تو عائزہ ہنوز بے سدھ پڑی تھی۔ تبھی وہ کچن سے دودھ گرم کر کے بسکٹ اٹھا لایا پھر عائزہ کو بمشکل جگا کر اپنے ہاتھوں سے زبردستی دو تین بسکٹ کھلائے اور دوا دے دی۔

اس وقت اس کے اندر عجیب سی وحشت سر اٹھا رہی تھی۔ وہ ہرگز ہرگز اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا تھا تبھی اس کے سرہانے بیٹھ کر دیر تک اپنے رومال کی مدد سے ٹھنڈی پٹیاں کرتا رہا، عائزہ تھوڑی دیر میں دوا لینے کے بعد ہوش و حواس

سے بیگانہ ہوگئی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دوا نے اثر دکھایا تھا اور عائزہ کا بخار ٹوٹ گیا۔

زعیم کی جان میں جان آئی تھی۔

باہر بارش پھر شروع ہوچکی تھی زعیم نے سگریٹ جلالیا۔ دھیان کے پنچھی اس وقت جانے کہاں سے کہاں پرواز کرنے لگے تھے۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں وہ جانے کتنے سگریٹ پھونک چکا تھا پیکٹ خالی ہوگیا تھا تو اس نے آخری سگریٹ بھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔

کچھ سرد موسم کا اثر تھا اور کچھ تھکن کا کہ اس پر نیند غالب آنے لگی تھی تکیہ درست کرکے عائزہ کے برابر میں لیٹتے ہوئے اس نے کمبل کھینچ لیا۔ ابھی اسے سوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ عائزہ خواب میں ڈر کر ہلکی سی چیخ مارتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ اس کے ساتھ ہی زعیم کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" زعیم کے استفسار پر ہلکے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ اسی کی طرف کروٹ لے کر دوبارہ سوگئی تھی۔ زعیم نے اپنا کمبل اس پر اچھی طرح سیٹ کردیا۔ نیند تو اڑ چکی تھی تاہم وہ اسے بے سکون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس بات کو بھی ابھی پچیس منٹ ہی گزرے تھے جب ایک دم سے وہ سٹپٹا گیا عائزہ کو سردی لگ رہی تھی اور نیند میں اس سردی سے بچنے کے لیے وہ زعیم کے کشادہ سینے میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کررہی تھی زعیم کے ہوش فنا ہونے لگے۔ عائزہ کا نرم گرم سا گداز وجود اس کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اختیار کھو دیتا اس نے اپنے اندر اٹھتے جذبات کے طوفان سے گھبرا کر اسے پکارلیا۔

"عائزہ۔" مگر وہ اس کی پکار پر آنکھیں کھول کر بیدار ہونے کی بجائے مزید اسی کے وجود میں سمٹ گئی تھی زعیم کا ضبط جواب دے گیا اس کی ساری مضبوطی انا بے نیازی اور مصلحتیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ اس لمحے اس کا دل اور اس کے اعصاب اس کے کنٹرول میں نہیں تھے۔ زندگی اس کے بازوؤں میں تھی اور اس میں ہرگز اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ بانہوں میں سمٹی زندگی کو دھتکار کر پرے کردیتا۔

❁......❁......❁

اگلی صبح خاصی روشن اور چمکیلی تھی۔

فجر کی اذان کے قریب زعیم کی آنکھ کھلی تو عائزہ اس کے سینے سے لگی پرسکون گہری نیند سو رہی تھی اس نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی نہایت نرمی سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بستر سے نکل آیا۔

اقصیٰ عائزہ سے خفا تھی لہٰذا عائزہ کے اٹھنے سے پہلے ہی ناشتہ بنا کر مدرسہ چلی گئی زعیم ابا جی کے ساتھ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ عائزہ کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ٹھٹک گئی۔ ایک لمحے میں دماغ کی بتی جلی تھی اور اسے بہت کچھ یاد آگیا تھا۔ ساری رات محبت اور توجہ کے جو پھول زعیم کی طرف سے برسائے گئے تھے ان پھولوں کی خوش بو وہ ابھی بھی اپنے اندر تک اترتی محسوس کررہی تھی۔ انجانے میں ہی سہی مگر رات جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس سے غافل نہیں تھی تاہم رات اس نے زعیم کا ایک بالکل نیا اور انوکھا روپ دیکھا تھا۔

ایک بہت محبت کرنے والے شوہر کا روپ ایک بہت اچھے بے حد ہمدرد و مہربان انسان کا روپ، وہ بخار سے بے حال ہونے کے باوجود رات اس کی بے قراریوں سے بے خبر نہیں رہ سکی تھی۔

ماں جی کو تا حال اس کی خراب طبیعت اور رات اس پر بیتنے والی کتھا کا نہیں پتا تھا۔ تبھی وہ اس کی طرف سے فکرمند ہوئے بغیر معمول کے کاموں میں مصروف تھیں۔ عائزہ شرمندہ شرمندہ سی باتھ لے کر کمرے سے باہر آئی تو زعیم کی گھر پر عدم موجودگی کا جان کر اس کی جان میں جان آئی۔ کتنا مشکل تھا اب اس شخص سے نظریں ملانا۔

رات بھر کی بارش کے بعد صبح پھیلنے والی دھوپ خاصی روشن اور چمکیلی تھی عائزہ کا بخار بھی باقی نہیں رہا تھا بس ہلکی سی نقاہت تھی پھر بھی اس نے رات کو سمیٹے ہوئے گیلے کپڑے دوبارہ چھت پر لے جاکر پھیلادیے۔ رات ہونے والی بارش نے کچے صحن میں خوب تباہی پھیلائی تھی اس نے پائپ پکڑا اور صحن کے ساتھ سارے گھر کو دھوڈالا۔

زعیم جانے سے پہلے مویشیوں کو چارہ ڈال گیا تھا۔ اس نے صفائی وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد باڑے کو اچھی طرح صاف کردیا۔ بھوری بارش میں بھیگ کر سردی محسوس کرتی اپنی ماں کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی۔ اسے باڑے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً لپک کر اس کے قریب چلی آئی، بھوری کو دیکھتے ہی اسے اقصیٰ کی خفگی یاد آئی تھی اور وہ اس کا پھولا پھولا سا منہ تصور میں لاکر مسکرادی۔ وہ جانتی تھی کہ اقصیٰ نے شادی میں اسے ساتھ لے جاکر اپنی وہیں دوستوں سے ملوانا تھا اور پھر اتنی گریس فل سی بھابی پر ان سب کی ستائش سمیٹنی تھی مگر عائزہ کے قطعی انکار نے اس کی اس خوشی پر پانی پھیر دیا تھا لہٰذا اس کا ناراض ہونا بنتا تھا۔ تاہم یہ الگ بات تھی کہ وہ زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔ اس وقت اس نے بھوری کو لپک کر بانہوں میں اٹھایا اور زور سے بھینچ کر خوب پیار کرڈالا بھوری اس کی اس پیار کی شدت کو برداشت نہیں کر پائی اور چلا اٹھی تو وہ مسکرادی۔

عین اسی لمحے کھیتوں سے واپسی کے بعد زعیم نے وہاں قدم رکھا تھا۔

عائزہ کی بانہوں میں بھوری کی موجودگی اس کے لیے ایک اور خوشگوار تبدیلی تھی۔ اس وقت بلیک اینڈ وائٹ کنٹراس کے سوٹ میں ملبوس، پشت پر بال کھلے چھوڑے نکھری نکھری سی عائزہ اسے بے حد پیاری لگ رہی تھی تبھی وہ اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قریب آیا تھا۔

"السلام علیکم۔" ذرا سا کھنکھارتے ہوئے اس نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر پلٹی اور فوراً بھوری کو اپنی بانہوں کی قید سے آزاد کردیا تھا۔

"کتنا حیران کریں گی آپ مجھے، مجھے تو لگتا ہے جیسے میں کسی دوسرے سیارے پر آگیا ہوں کاش مجھے پتا ہوتا یہاں لوگوں کی زندگی اتنی بدل گئی ہے تو میں دو ہفتے پہلے ہی سارا کچھ ختم کرکے یہاں بھاگا چلا آتا۔"

دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ عائزہ کا سر جھک گیا۔ جبکہ دل کی دھڑکنیں تھیں کہ پھر زور پکڑنے کو مچل اٹھی تھیں۔ زعیم اس کی خاموشی اور گھبراہٹ سے محظوظ ہوتا تھوڑا اور قریب آیا اور ادھر عائزہ کی جان پر بن آئی تھی بھلا دعائیں یوں بھی مستجاب ہوتی ہیں؟

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" قریب کھڑا وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کا حلق خشک ہوگیا۔

"ٹھ...... ٹھیک ہے...... ایم سوری رات میری وجہ سے آپ کو اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔"

"زحمت کی پروا نہیں پینڈو ضرور ہوں مگر بیوی کے حقوق اور انسانیت کے فرائض خاص ازبر ہیں مجھے، بہرحال رات اتنی زحمت اٹھانے کا شکریہ تو ادا نہیں کیا آپ نے۔"

وہ ذو معنی بات کررہا تھا عائزہ کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا اس کی قربت اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔

"شکریہ ادا کرنا ضروری ہے؟"

بنا اس کی طرف دیکھے وہ بامشکل کانپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ زعیم کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوگیا۔

"ہوں...... جب کوئی ساری رات آپ کے لیے جاگے بے چین بے قرار رہے پریشان ہو تو اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا عائزہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"نہیں، کوئی بھلا مجھ جیسی بے کاری لڑکی کے لیے پریشان یا بے چین کیوں ہو، مجھے تو آپ نے صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے نیکی سمجھ کر اپنایا ہے اب میں جیوں یا مروں آپ کو کیا؟"

"بات تو ٹھیک ہے مگر آپ نے بھی تو خود پر جبر کیا ہے، مجھ جیسے کم عقل، پینڈو شوہر کو اپنا کر جو پاس آکر بیٹھے تو اس کے پسینے کی بدبو آپ کا دماغ کھولا دے۔"

وہ کہاں ادھار رکھنے والا تھا چوٹ لگانے میں تو اسے ویسے بھی خاصی مہارت تھی عائزہ کا سر شرمندگی سے جھک گیا اگلے ہی پل وہ زمین پر بیٹھ کر اس کے قدموں پر اپنے ہاتھ رکھ چکی تھی۔

"مجھے معاف کردیں پلیز، میں مانتی ہوں میرا رویہ آپ کے ساتھ بہت غلط تھا دیہی زندگی اور لوگوں کے متعلق میری سوچ بھی بہت غلط تھی۔ مگر یہ غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ آپ

معاف نہ کرسکتے۔ اتنی بری بھی نہیں تھی کہ یوں خود سے دور کر کے پھینک دیتے۔ وہ نگہت، اسے بھی تو ہتھیلی کا چھالا بنائے رکھتے ہیں آپ اگر وہ اتنی ہی اچھی تھی تو کر لیتے اسی کے ساتھ شادی میری اور اپنی زندگی تو برباد نہ کرتے۔"

کہاں تو اس کی خاموشی ہی نہ ٹوٹتی تھی اب جو ٹوٹی تھی تو دل کا سارا غبار آنسوؤں کے راستے باہر نکل آیا تھا زعیم نے فوراً جھک کر اسے کندھوں سے تھام کر اوپر اٹھایا۔

"گناہ گار تو مت کرو یار، اتنی بدگمانی وہ بھی مجھ جیسے مومن بندے کے لیے۔"

ہاتھ بڑھا کر اس نے جیسے ہی اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کیے وہ بے حد شکستہ سی اس کے کندھے سے سر لگا کر رو پڑی۔

"زعیم میں تھک گئی ہوں ہار گئی ہوں آپ سے نفرت کرنے میں خدا کا واسطہ ہے آپ کو میرا مزید امتحان مت لیں۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ سسک رہی تھی اور ادھر زعیم شاکڈ رہ گیا تھا۔ محبت کا ایک انداز اتنا خوب صورت بھی ہو سکتا ہے یہ اسے اس لمحے پتا چلا تھا۔ تبھی اس نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو پھیلا کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں اس طرح سے مرنے دوں گا، مائی ڈیئر چینڈو وائف؟" کبھی سوچنا بھی مت اگر تم میرے بغیر نہیں جی سکتیں تو میں بھی تمہارے بغیر نہیں جی سکتا، سمجھیں؟" جھک کر کہتے ہوئے اس نے اپنا گال اس کے گال کے ساتھ رگڑا۔

"تم میری جان ہو عائزہ، میری پہلی اور آخری محبت ہو تم عینا کی شادی میں کئی سال بعد تمہیں دیکھ کر کتنی ہی راتیں سکون سے سو نہیں سکا تھا میں مگر پھر جب سندان حسن نامی لڑکے کے ساتھ تمہاری انسیت کا پتا چلا تو میرے اندر کے مشرقی مرد کو بڑی تکلیف پہنچی، میں کسی صورت تمہارے حق سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سونے پر سہاگہ تم نے شادی سے پہلے فون کر کے وہ ساری باتیں سنا دیں جس سے میری مردانہ انا بلبلا اٹھی اور میں نے سوچ لیا کہ تمہیں ستے میں نہیں چھوڑتا، یہ نگہت والا چکر بھی اسی معاملے کا حصہ تھا۔ ہاں شادی کی پہلی رات اور ولیمے والی رات واقعی تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی مگر اس کے لیے تم جانتی ہو میں کتنا مجبور تھا۔ شہزاد میرا دوست ہی نہیں بھائیوں کی طرح بھی تھا میں اس کی اچانک موت کو لے کر ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب تھا۔ بہر حال وہ میری طرف سے زیادتی تھی اور اس زیادتی کا ازالہ میں اب ہنی مون پروگرام میں کر دوں گا اب بتاؤ، کھیتوں میں دن رات کام کرنے والے پسینے سے شرابور دیہاتی شوہر کے ساتھ ہنی مون ٹرپ پر جاؤ گی یا نہیں؟"

اپنی ناک عائزہ کی چھوٹی سی تیکھی ناک کے ساتھ رگڑتے ہوئے وہ شرارتی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ عائزہ بھیگی پلکوں سے اس کی سیاہ جگمگاتی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

"نہیں۔"

"ایسی کی تیسی تمہاری نہیں کی، دیہاتی شوہروں کو جانتی نہیں ہو تم، زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا اپنی پری کو پہلے ہی کل سے دل بڑا بے ایمان ہوا پڑا ہے۔ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔" مسکرا کر جذب کے عالم میں کہتے ہوئے اس نے عائزہ کو زور سے بانہوں میں بھینچا تو وہ بھی کھل کر مسکرادی۔

بدگمانیوں اور نفرتوں کے بادل چھٹ چکے تھے۔ اب تو ان کی زندگیوں میں صرف پھول ہی پھول کھلنے تھے۔

خوشیوں کے پھول......

اعتبار کے پھول......

اور زندگی بھر ہنس کھیل کر ساتھ نبھانے والے وعدوں کے پھول

بے شک زندگی ایک شطرنج سے کم نہیں، مگر شطرنج کی اس بازی میں ایک مرتبہ پھر محبت کی جیت ہو گئی تھی۔

(ختم شد)